سلسلۂ ناموران اسلام

نمبر دوم

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری

مؤلفہ

جناب شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڈھ و فیلو یونی ورسٹی الہ آباد

محمد رحمت اللہ رعد کے
نامی پریس کانپور میں چھپکر شائع ہوا
۱۸۹۹ء

جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں

فہرست مضامین حصۂ اوّل الفاروق

دیباچہ از صفحہ ۲ تا صفحہ ۲۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	تمہید۔	۲
۲	تاریخ کا عنصر ہر قوم مین موجود ہوتا ہے۔	״
۳	عرب کی خصوصیت۔	۳
۴	عرب مین تاریخ کی ابتدا۔	۴
۵	سیرت نبوی مین سب سے پہلی تصنیف۔	״
۶	قدیم تاریخین۔	۵
۷	قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہین۔	۶ تا ۸
۸	متاخرین کا دور۔	۹
۹	متاخرین نے قدما کی خصوصیتین چھوڑ دین۔	״
۱۰	تاریخ کی تعریف۔	۱۰
۱۱	تاریخ کے لئے کیا چیزین لازم ہین۔	۱۱
۱۲	قدیم تاریخون کے نقص اور اُسکے اسباب۔	״
۱۳	واقعات کی صحت کا معیار۔	۱۳
۱۴	روایت۔	״
۱۵	درایت۔	۱۴
۱۶	الفاروق مین قدیم تاریخون کی کمی کسطرح پوری کی گئی۔	۱۵
۱۷	درایت کے اصول جن سے الفاروق مین کام لیا گیا۔	۱۶
۱۸	اصولِ درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے۔	۱۷
۱۹	اصول درایت کے بموجب واقعات کی صحت کے مراتب۔	۱۸ تا ۱۹
۲۰	تاریخ کا طرز تحریر۔	۲۰
۲۱	تاریخ اور انشا پردازی کا فرق۔	۲۱
۲۲	یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز۔	״
۲۳	ترتیبِ کتاب کے متعلق چند امور قابلِ لحاظ۔	۲۲

حضرت عمر کا نام و نسب سن رشد و تربیت

از صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۳۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴	حضرت عمر کے جد امجد اور اُنکو جو مرتبہ حاصل تھا۔	۲۳ تا ۲۴
۲۵	حضرت عمر کے برادر عم زاد زید۔	۲۵
۲۶	حضرت عمر کے والد خطاب۔	۲۶
۲۷	حضرت عمر کی ولادت۔	۲۷
۲۸	سن رشد۔	۲۸
۲۹	نسب دانی کی تعلیم۔	۲۹
۳۰	فنِ پہلوانی کی تعلیم۔	״
۳۱	شہسواری کی تعلیم متغیر ہونا۔	״
۳۲	لکھنے کی تعلیم۔	۳۰
۳۳	فکر معاش۔	״
۳۴	تجارت کے لئے سفر۔	״
۳۵	قبول اسلام از صفحہ ۳۱ تا صفحہ ۳۴	۳۱ تا ۳۴

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	ہجرت از صفحہ ۳۳ تا صفحہ ۳۷	
۳۶	حضرت عمر کی ہجرت۔	۳۴
۳۷	حضرت عمر کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی	۳۵
۳۸	حضرت عمر نے کہان قیام کیا۔	״
۳۹	مہاجرین اور انصارین اخوت۔	۳۶
۴۰	حضرت عمر کے اسلامی بھائی۔	۳۶
۴۱	اذان کا طریقہ حضرت عمر کی راے کے موافق قائم ہوا۔	۳۷
	سنہ ۱ ہجری ۶۲۲ء تا وفات رسول اللہ صلعم از صفحہ ۳۷ تا صفحہ ۶۵	
۴۲	غزوۂ بدر سنہ ۲ھ۔	۳۸
۴۳	قیدیوں کے معاملے مین حضرت عمرؓ کی راے	۴۱
۴۴	غزوۂ سویق۔	۴۳
۴۵	غزوۂ احد سنہ ۳ھ۔	״
۴۶	حضرت عمر کی واقعۂ اُحد مین ثابت قدم رہنے کی بحث۔	۴۵ تا ۴۷
۴۷	حضرت حفصہ کا عقد رسول اللہ کے ساتھ۔	۴۸
۴۸	واقعۂ بنو نضیر سنہ ۴ھ۔	״
۴۹	جنگ خندق یا احزاب سنہ ۵ھ ۶۲۷ء۔	۴۹
۵۰	واقعۂ حدیبیہ سنہ ۶ھ ۶۲۸ء۔	۵۰ تا ۵۳
۵۱	حضرت عمر کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا۔	۵۴
۵۲	جنگ خیبر سنہ ۷ھ ۶۲۹ء۔	״

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۵۳	غزوۂ حنین۔	۵۷
۵۴	قرطاس کے واقعہ کی بحث۔	۶۰
	سقیفۂ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف از صفحہ ۶۵ تا صفحہ ۷۲	
۵۵	سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعات کے متعلق جو غلطی چلی آتی ہے اسکی مفصّل بحث۔	۶۶
	خلافت اور فتوحات از صفحہ ۷۴ تا صفحہ ۸۷	
۵۶	عراق وشام پر اسلامی حملہ کے اسباب	۷۴ تا ۷۸
	فتوحات عراق از صفحہ ۷۹ تا صفحہ ۸۶	
۵۷	عراق پر لشکرکشی۔	۸۱ تا ۸۵
۵۸	واقعۂ جسر اور مسلمانوں کی شکست۔	۸۶
	واقعۂ بویب رمضان سنہ ۱۴ھ ۶۳۵ء از صفحہ ۸۷ تا صفحہ ۱۰۲	
۵۹	یزدگرد کی تخت نشینی اور ایرانیوں کی نئی طیاریان۔	۹۱
۶۰	حضرت عمر کا خود سپہ سالار بنکر مدینہ سے نکلنا۔	۹۲
۶۱	سعد وقاص کی سپہ سالاری۔	۹۳
۶۲	فوج کی ترتیب اور ایک ایک حصہ فوج کے افسر	۹۴
۶۳	حضرت عمرؓ کی ہدایتین۔	۹۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۴	تبلیغ اسلام کے لئے نامورانِ عرب کا انتخاب	۹۷
۶۵	یزدگرد کے ساتھ سفرائے اسلام کا سوال وجواب۔	۹۸
۶۶	ربعی کا سفیر بنکر رستم کے پاس جانا۔	۱۰۱
۶۷	مُغیرہ کی سفارت۔	۱۰۲

قادسیہ کی جنگ اور فتح محرم سنہ ۱۴ھ ۶۳۵ء از صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۲۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۸	فوج کی ترتیب۔	۱۰۴
۶۹	فوج کے جوش دلانے کے لئے فصحای عرب کی آتش زبانی۔	″
۷۰	ابو محجن ثقفی کا ایک پُرجوش واقعہ۔	۱۰۸
۷۱	ایک عورت کا اپنے بیٹون کو اپنی پُرزور تقریر سے جوش دلانا۔	۱۰۹ تا ۱۱۱
۷۲	اخیر معرکہ۔	۱۱۲
۷۳	رستم کا مارا جانا۔	۱۱۳ تا ۱۱۴
۷۴	فردوسی کی غلط بیانی کا اظہار۔	۱۱۴
۷۵	سعد وقاص پر لوگون کا طعن۔	۱۱۵
۷۶	انتظارِ فتح مین حضرت عمر کی بیتابی۔	″
۷۷	بابل کی فتح۔	۱۱۶
۷۸	مداین کی فتح۔	۱۱۷
۷۹	اسلامی فوج کا عجیب وغریب بہادری سے دریا کا عبور کرنا۔	۱۱۹
۸۰	ایوانِ کسرے کی تصویرون کا قائم رکھنا۔	۱۲۰
۸۱	خزانۂ نوشیروان کی عجیب وغریب یادگارین۔	۱۲۳

۸۲ جلولا سنہ ۱۶ھ ۶۳۷ء صفحہ ۱۲۴ — ۱۲۴

فتوحاتِ شام صفحہ ۱۲۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۳	شام کی لشکرکشی کے ابتدائی حالات۔	۱۲۴

فتح دمشق از صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۴	حضرت خالد کا عجیب وغریب بہادری سے شہرپناہ پر چڑھنا۔	۱۲۶

فحل ذوقعدہ سنہ ۱۳ھ ۶۳۵ء از صفحہ ۱۲۷ تا صفحہ ۱۲۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۵	حضرت معاذ بن جبل کی سفارت۔	۱۲۸

حمص سنہ ۱۴ھ ۶۳۵ء از صفحہ ۱۳۳ تا صفحہ ۱۳۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۷	حماۃ وغزہ کی فتح۔	۱۳۵
۸۷	لاذقیہ کی فتح کی ایک عجیب وغریب تدبیر۔	″

یرموک ۵ رجب سنہ ۱۵ھ ۶۳۶ء از صفحہ ۱۳۶ تا صفحہ ۱۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۸	ذمیون کے ساتھ مراعات کی ایک عجیب مثال۔	۱۳۷
۸۹	جزیہ کے متعلق نہایت نتیجہ خیز واقعات۔	۱۳۸
۹۰	ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہوجانا۔	۱۴۲
۹۱	خالدؓ کا سفیر بنکر جانا۔	″

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۹۲	خالدؓ کی تقریر۔	۱۴۴
۹۳	حضرت خالدؓ کا نئے قاعدسے فوج کو لڑانا۔	۱۴۵
۹۴	خطیبون کا فوج کو جوش دلانا۔	〃
۹۵	عورتون کا لڑنا۔	۱۴۶
۹۶	عیسائیون کا حملہ۔	〃
۹۷	معاذ بن جبل وغیرہ کی عجیب ثابت قدمی۔	۱۴۷
۹۸	خالدؓ اور عکرمہ کا حملہ۔	۱۴۸
۹۹	مسلمان افسرون کی دلیری اور ثابت قدمی۔	۱۴۹
۱۰۰	ایک عجیب واقعہ۔	۱۵۰
۱۰۱	عیسائیون کی شکست اور اُنکے مقتولون کی تعداد۔	۱۵۱
۱۰۲	قیصر کا قسطنطنیہ کو بھاگنا۔	〃
۱۰۳	حلب کی فتح۔	۱۵۲
۱۰۴	انطاکیہ وغیرہ کی فتح۔	〃

بیت المقدس ۱۶ھ ۶۳۷ء از صفحہ ۱۵۳ تا صفحہ ۱۵۷

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۰۵	حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کو روانہ ہونا۔	۱۵۴
۱۰۶	حضرت عمرؓ کے سفر کی سادگی۔	〃
۱۰۷	حضرت عمرؓ کا بیت المقدس مین داخلہ۔	۱۵۶
۱۰۸	حضرت بلالؓ کا نماز کے وقت اذان دینا۔	۱۵۷
۱۰۹	صخرہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا برتاؤ۔	〃

حمص پر عیسائیون کی دوبارہ کوشش ۱۷ھ ۶۳۸ء از صفحہ ۱۵۷ تا صفحہ ۱۵۹

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۱۰	عیسائیون کی ہر طرف سے حملہ آوری۔	۱۵۸
۱۱۱	حضرت عمرؓ کا ہر طرف سے فوجونکو بھیجنا۔	〃
۱۱۲	حضرت عمرؓ کا خود دمشق کو روانہ ہونا۔	〃
۱۱۳	عیسائیون کی شکست۔	۱۵۹

حضرت خالدؓ کا معزول ہونا از صفحہ ۱۶۰ تا صفحہ ۱۶۲

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۱۴	حضرت خالدؓ کی معزولی کے متعلق تمام مورّخون کی غلطی۔	۱۶۰
۱۱۵	معزولی کے اصلی اسباب۔	〃
۱۱۶	معزولی کی پر اثر کیفیت۔	۱۶۱
۱۱۷	حضرت عمرؓ کا یہ مشتہر کرنا کہ خالدؓ کی معزولی خیانت وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی۔	۱۶۲

عمواس کی وبا ۱۸ھ ۶۳۹ء از صفحہ ۱۶۲ تا صفحہ ۱۶۵

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۱۸	حضرت عمرؓ کا شام کی طرف روانہ ہونا۔	۱۶۲
۱۱۹	حضرت ابو عبیدہ کا حضرت عمرؓ پر آزادانہ معترض ہونا۔	۱۶۳
۱۲۰	معاذ بن جبل کی وفات۔	۱۶۴
۱۲۱	عمرو بن عاص کی حُسنِ تدبیر۔	〃
۱۲۲	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام کرکے شام کو روانہ ہونا۔	۱۶۵
۱۲۳	سفر کی سادگی۔	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۴	مناسب انتظامات۔	۱۹۵

قیساریہ کی فتح شوال سنہ ۱۹ھ ۶۴۰ء صفحہ ۱۶۶ ۱۶۶

جزیرہ سنہ ۱۶ھ ۶۳۷ء از صفحہ ۱۶۷ تا صفحہ ۱۶۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۵	تکریت کی فتح۔	۱۶۸
۱۲۶	جزیرہ کے اور مقامات کی فتح۔	〃

خوزستان

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۷	اہواز کی فتح۔	۱۶۹
۱۲۸	جو لوگ لونڈی غلام بنا لئے گئے تھے حضرت عمر رض کے حکم سے انکا رہا ہونا۔	〃
۱۲۹	ہرمزان کی طیاریان۔	۱۷۰
۱۳۰	ہرمزان کا امان طلب کرنا۔	۱۷۲
۱۳۱	ہرمزان کا شوکت وشان کے ساتھ مدینہ مین داخل ہونا اور اہلِ عرب کی حیرت۔	〃
۱۳۲	ہرمزان کا اسلام لانا۔	۱۷۳

عراق عجم سنہ ۲۱ھ ۶۴۱ء از صفحہ ۱۷۴ تا صفحہ ۱۷۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳۳	یزدگرد کا نئے سر سے مسلمانون پر حملہ کیلیے فوجون کا فراہم کرنا۔	۱۷۵
۱۳۴	ڈیڑھ لاکھ فوجون کا فراہم ہونا۔	〃
۱۳۵	حضرت عمر رض کا اُس مہم مین تمام صحابہ رض سے مشورہ کرنا۔	〃
۱۳۶	حضرت عمر رض کا حضرت علی رض کی راے پر عمل کرنا اور تیس ہزار فوج روانہ کرنا۔	۱۷۶
۱۳۷	مغیرہ کا سفیر بنکر جانا۔	۱۷۷
۱۳۸	جنگ کی طیاریان۔	〃
۱۳۹	ضبط و استقلال کی ایک عجیب مثال۔	۱۷۹
۱۴۰	عجم کی شکست۔	〃

ایران پر عام لشکرکشی سنہ ۲۱ھ ۶۴۲ء از صفحہ ۱۸۰ تا صفحہ ۱۸۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۱	حضرت عمر رض خود حملہ کرنا نہین چاہتے تھے۔	۱۸۰
۱۴۲	لشکرکشی کی وجہ۔	〃
۱۴۳	اصفہان کی فتح۔	۱۸۱
۱۴۴	ہمدان وغیرہ کی فتح۔	۱۸۲
۱۴۵	**آذربیجان سنہ ۲۲ھ ۶۴۳ء صفحہ ۱۸۳**	۱۸۳
۱۴۶	**طبرستان سنہ ۲۲ھ ۶۴۳ء صفحہ ۱۸۴**	۱۸۴
۱۴۷	**آرمینیہ صفحہ ۱۸۵**	۱۸۵

فارس سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء از صفحہ ۱۸۶ تا صفحہ ۱۸۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۸	فارس پر حملہ کرنے کا اتفاقی سبب۔	۱۸۶
۱۴۹	اضلاع فارس کا مفتوح ہونا۔	۱۸۸
۱۵۰	**کرمان سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء صفحہ ۱۸۹**	۱۸۹

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	سیستان سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ع صفحہ ۱۹۰	
۱۵۱	معاہدے کی پابندی کی ایک عجیب مثال۔	۱۹۰
۱۵۲	مکران سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ع صفحہ ۱۹۰	〃
	خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ع از صفحہ ۱۹۱ تا صفحہ ۱۹۶	
۱۵۳	یزدگرد کا خاقان چین سے مدد طلب کرنا۔	۱۹۱
۱۵۴	خاقان چین کی مدد سے یزدگرد کا مسلمانون کے ساتھ معرکہ آرا ہونا۔	۱۹۲
۱۵۵	یزدگرد کی ہزیمت۔	۱۹۳
	مصر کی فتح سنہ ۲۰ھ ۶۴۱ع از صفحہ ۱۹۳ تا صفحہ ۱۹۶	
۱۵۶	فسطاط کا محاصرہ۔	۱۹۴
۱۵۷	حضرت زبیر کی جانبازی اور فسطاط کی فتح۔	۱۹۵
۱۵۸	عمربن عاص اور عیسائیون کی باہمی عہدوپیمان	۱۹۶
	اسکندریہ کی فتح سنہ ۲۱ھ ۶۴۱-۴۲ع از صفحہ ۱۹۶ تا صفحہ ۲۰۲	
۱۵۹	قبطیون کا مسلمانون کو مدد دینا۔	۱۹۸
۱۶۰	اسلامی فوج کا قلعہ مین گھسنا۔	〃
۱۶۱	عمرو بن عاص کا مقید ہوجانا اور حکمت عملی سے بچ کر نکل آنا۔	〃
۱۶۲	عبادہ ابن صامت کا سپہ سالار بن کر حملہ کرنا۔	۱۹۹
۱۶۳	قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پیغام فتح لیکر جانا۔	۲۰۰
۱۶۴	حضرت عمرؓ کا اسیران جنگ کو اختیار دینا کہ جس مذہب کو چاہین قبول کرین۔	۲۰۱
	حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ سنہ ۲۳ھ مطابق سنہ ۶۴۴ع از صفحہ ۲۰۲ تا صفحہ ۲۰۷	
	(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن)	
۱۶۵	حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا کہ رسول اللہؐ کے پہلو مین دفن کیے جائین۔	۲۰۳
۱۶۶	خلافت کے انتخاب مین حضرت عمرؓ کا تردد اور اسکا سبب۔	۲۰۳
۱۶۷	خلافت کے معاملے مین حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباس کی گفتگو۔	۲۰۴
۱۶۸	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو سب سے بڑھکر مستحق خلافت سمجھنا۔	۲۰۵
۱۶۹	حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت کی وصیتین۔	۲۰۶
۱۷۰	غیر مذہب والون کے ساتھ ہمدردی۔	〃
۱۷۱	حضرت عمرؓ کے قرضہ کا بندوبست۔	۲۰۷

فہرست مضامین حصۂ دوم الفاروق

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ از صفحہ ۲ تا صفحہ ۱۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	فتوحات فاروقی کی وسعت۔	۲
۲	فتح کے اسباب یورپین مورخین کی راے کے موافق۔	۳
۳	یورپین موّرخون کی راے کی غلطی۔	۴ تا ۵
۴	فتوحات کے اصلی اسباب۔	۶
۵	سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ۔	۷ تا ۹
۶	فتوحات مین حضرت عمرؓ کا اختصاص۔	۱۰ تا ۱۱

نظامِ حکومت از صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۲۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷	حضرت عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری۔	۱۲
۸	جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ۔	۱۳
۹	عرب وفارس وغیرہ مین جمہوری حکومت نہ تھی۔	۱۴
۱۰	حضرت عمرؓ کی خلافت مین مجلس شورے (کونسل)۔	۱۵
۱۱	مجلس شورے کے ارکان اور اسکے انعقاد کا طریقہ۔	〃
۱۲	مجلس شورے کے جلسے۔	۱۶
۱۳	ایک اور مجلس۔	۱۷
۱۴	حکومت مین عام رعایا کی مداخلت۔	۱۸
۱۵	خلیفہ کا عام حقوق مین سب کے ساتھ مساوی ہونا۔	۱۹
۱۶	حضرت عمرؓ نے ملکی انتظامات کے الگ الگ صیغے قائم کئے۔	۲۱

ملک کی تقسیم۔ صوبجات اور اضلاع عہدہ داران ملکی از صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۴۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷	حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے۔	۲۲ و ۲۳
۱۸	نوشیروانی عہد کے صوبے۔	۲۴
۱۹	صوبون کے افسر	۲۵
۲۰	عہدہ دارون کے انتخاب مین حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی۔	۲۶ تا ۲۸
۲۱	عہدہ دارونکے مقرر کرنیکے لیے مجلس شورے	۲۹
۲۲	تنخواہ کا معاملہ۔	〃
۲۳	عاملون کے فرامین مین انکے فرائض۔	۳۰
۲۴	عاملون سے جن باتون کا عہد لیا جاتا تھا	۳۱
۲۵	عاملون کے مال واسباب کی فہرست۔	〃
۲۶	زمانۂ حج مین تمام عاملون کی طلبی۔	۳۲
۲۷	عاملون کی تنبیہ۔	۳۳
۲۸	عاملون کی تحقیقات	۳۴
۲۹	عاملون کی تحقیقات کے لیے کمیشن۔	۳۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۰	عاملون کے ناجائز افعال پر نہایت سختی کے ساتھ گرفت۔	۳۰ تا ۳۷
۳۱	عاملون کی تنخواہون کا بیش قرار ہونا۔	۳۸
۳۲	عمالانِ فاروقی کی فہرست۔	〃

صیغۂ محاصل (خراج) از صفحہ ۴۰ تا صفحہ ۵۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳	خراج کا طریقہ عرب مین حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا۔	۴۰
۳۴	ممالک مفتوحہ کا اصلی باشندون کے قبضے مین چھوڑنا اور اِس امر مین صحابہ کا اختلاف	۴۱
۳۵	حضرت عمرؓ کا استدلال۔	۴۲
۳۶	عراق کا بندوبست۔	〃
۳۷	افسرانِ بندوبست۔	۴۳
۳۸	عراق کا کل رقبہ۔	〃
۳۹	لگان کی شرح۔	۴۴
۴۰	عراق کا خراج۔	〃
۴۱	زمیندار اور تعلقدار۔	۴۵
۴۲	پیداوار اور آمدنی مین ترقی۔	〃
۴۳	ہر سال مالگزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا۔	〃
۴۴	حضرت عمرؓ کے زمانے مین جس قدر خراج وصول ہوا زمانۂ مابعد مین کبھی نہین ہوا۔	۴۶
۴۵	خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان مین تھا۔	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۶	مصر مین فرعون کے زمانے کے قواعد مالگزاری	۴۷
۴۷	رومیون کا اضافہ۔	〃
۴۸	حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی۔	۴۷ تا ۴۹
۴۹	شام مین خراج کا قدیم طریقہ۔	۵۰
۵۰	قانون مالگزاری مین حضرت عمرؓ کی اصلاحات۔	۵۱ تا ۵۲
۵۱	اِن اصلاحات کا ملکی اثر۔	۵۳
۵۲	بندوبست مالگزاری مین ذمیون سے راے لینا۔	۵۴
۵۳	ترقی زراعت۔	۵۵
۵۴	محکمۂ آبپاشی۔	۵۶
۵۵	خراجی اور عشری زمین کی تفریق۔	〃
۵۶	مسلمانون کے ساتھ عشری زمین کی تخصیص کی وجہ۔	۵۷

اور قسم کی آمدنیان از صفحہ ۵۸ تا صفحہ ۵۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۷	گھوڑون پر زکوٰۃ۔	۵۸
۵۸	عشور۔	۵۸ تا ۵۹

صیغۂ عدالت از صفحہ ۵۹ تا صفحہ ۷۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۹	محکمۂ قضا۔	۵۹ تا ۶۰
۶۰	رومن امپائر کے قواعدِ عدالت کا حضرت عمرؓ کے قواعد سے موازنہ۔	۶۱
۶۱	قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر۔	۶۲

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
٦٢	قضاۃ کا انتخاب۔	٦٥
٦٣	حضرت عمرؓ کے زمانے کے حکام عدالت۔	٦٦
٦٤	قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا۔	〃
٦٥	رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل۔	٦٧
٦٦	انصاف مین مساوات۔	〃
٦٧	آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا۔	٦٨
٦٨	ماہرین فن کی شہادت۔	٦٩
٦٩	عدالت کا مکان۔	٧٠

افتا ازصفحہ ٧٠ تا صفحہ ٧٢

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
٧٠	محکمۂ افتا کی ضرورت۔	٧٠
٧١	حضرت عمرؓ کے زمانے کے مُفتی۔	٧١
٧٢	ہر شخص فتوے دینے کا مجاز نہ تھا۔	〃

فوجداری اور پولیس ازصفحہ ٧٢ تا صفحہ ٧٤

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
٧٣	جیلخانے کی ایجاد۔	٧٢ و ٧٣
٧٤	جلا وطنی کی سزا۔	٧٤

بیت المال یا (خزانہ) ازصفحہ ٧٤ تا صفحہ ٧٧

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
٧٥	بیت المال پہلے نہ تھا۔	٧٤
٧٦	بیت المال کس سنہ مین قائم ہوا۔	٧٥
٧٧	بیت المال کے افسر۔	〃
٧٨	بیت المال کی عمارتین۔	٧٦

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
٧٩	جو رقم دارالخلافت کے خزانے مین رہتی تھی۔	٧٧

پبلک ورک یا (نظارت نافعہ) ازصفحہ ٧٧ تا صفحہ ٨٣

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
٨٠	حضرت عمرؓ نے جو نہرین طیار کرائین۔	٧٧ تا ٧٨
٨١	نہر معقل۔	٧٨
٨٢	نہر سعد۔	〃
٨٣	نہر امیر المومنین۔	٧٩
٨٤	نہر سویز کی طیاری کا ارادہ۔	٨٠
٨٥	حضرت عمرؓ کے عہد مین مختلف صیغون کی عمارتین۔	〃
٨٦	دارالامارۃ۔	٨١
٨٧	دفتر۔	〃
٨٨	خزانہ۔	〃
٨٩	قید خانے۔	〃
٩٠	مہمان خانے۔	〃
٩١	سڑکون کا انتظام۔	٨٢
٩٢	مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ تک چوکیان اور سرائین۔	٨٢ تا ٨٣

شہرون کا آباد کرنا ازصفحہ ٨٣ تا صفحہ ٩١

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
٩٣	بصرہ۔	٨٣ تا ٨٤
٩٤	کوفہ۔	٨٥ تا ٨٧
٩٥	فسطاط۔	٨٨
٩٦	فسطاط کی وسعت آبادی۔	٨٩

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۹۷	موصل۔	۹۰
۹۸	جیزہ۔	〃
	صیغۂ فوج از صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۱۸۱	
۹۹	قدیم سلطنتون کے فوجی انتظامات غیر مکمل تھے۔	۹۱تا۹۲
۱۰۰	حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی ابتدا۔	۹۳
۱۰۱	فوج کے رجسٹر کا مرتب ہونا۔	۹۴تا۹۵
۱۰۲	باقاعدہ فوج اور والنٹیر	۹۶
۱۰۳	فوجی صدر مقامات۔	۹۷
۱۰۴	صدر مقامات مین فوج کے لیے جو انتظامات تھے اُنکی تفصیل۔	۹۸
۱۰۵	فوجی بارکین۔	〃
۱۰۶	گھوڑون کی پرداخت۔	۹۸تا۹۹
۱۰۷	فوج کا دفتر۔	۱۰۰
۱۰۸	رسد کا غلہ۔	〃
۱۰۹	فوجی چھاؤنیون کا قائم کرنا اور اُنکا بندوبست	۱۰۰تا۱۰۲
۱۱۰	فوجی چھاؤنیان کس اصول پر قائم کی تھین۔	۱۰۳
۱۱۱	فوجی دفتر کی وسعت۔	۱۰۴
۱۱۲	ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج طیار ہوتی تھی۔	〃
۱۱۳	حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام کس زمانے تک قائم رہا اور اُسکے تغیر کے نتائج۔	۱۰۵

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۱۴	فوج مین عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے۔	۱۰۵تا۱۰۷
۱۱۵	تنخواہون مین ترقی۔	۱۰۸
۱۱۶	رسد کا انتظام۔	〃
۱۱۷	رسد کا مستقل محکمہ۔	۱۰۹
۱۱۸	خوراک اور کپڑا اور بھتہ۔	〃
۱۱۹	تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ۔	۱۱۰
۱۲۰	تنخواہ کی ترقی۔	〃
۱۲۱	اختلافِ موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم۔	۱۱۱
۱۲۲	بہار کے زمانے مین فوجون کا قیام۔	〃
۱۲۳	آب و ہوا کا لحاظ۔	۱۱۲
۱۲۴	کوچ کی حالت مین فوج کی آرام کا دن۔	〃
۱۲۵	رخصت کے قاعدے۔	〃
۱۲۶	فوج کا لباس۔	۱۱۳
۱۲۷	فوج مین خزانچی و محاسب و مترجم۔	〃
۱۲۸	فن جنگ مین ترقی۔	۱۱۴
۱۲۹	فوج کے حصے۔	〃
۱۳۰	ہر سپاہی کو جو ضروری چیزین ساتھ رکھنی پڑتی تھین۔	۱۱۵
۱۳۱	قلعہ شکن آلات۔	〃
۱۳۲	سفر مینا۔	۱۱۶
۱۳۳	خبر رسانی اور جاسوسی۔	۱۱۶تا۱۱۷
۱۳۴	پرچہ نویسون کا انتظام۔	۱۱۸
۱۳۵	**صیغۂ تعلیم صفحہ ۱۱۹**	

صیغۂ مذہبی از صفحہ ۱۱۹ تا صفحہ ۱۴۳

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۳۶	اشاعتِ اسلام کا طریقہ۔	۱۱۹ تا ۱۲۱
۱۳۷	اشاعتِ اسلام کے اسباب۔	۱۲۲
۱۳۸	حضرت عمرؓ کے زمانے مین جو لوگ اسلام لائے۔	۱۲۳ تا ۱۲۶
۱۳۹	حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب مین جو کوشش کی۔	۱۲۷ تا ۱۲۸
۱۴۰	قرآنِ مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیرین۔	۱۲۹
۱۴۱	قرآنِ مجید کی تعلیم کا انتظام۔	〃
۱۴۲	مکاتبِ قرآن۔	〃
۱۴۳	بدّؤن کو جبری تعلیم۔	〃
۱۴۴	کتابت کی تعلیم۔	〃
۱۴۵	قُرّاء صحابہ کا تعلیمِ قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجنا۔	۱۳۰
۱۴۶	تعلیمِ قرآن کا طریقہ۔	۱۳۱
۱۴۷	دمشق کی مسجد مین طلبۂ قرآن کی تعداد۔	〃
۱۴۸	اشاعتِ قرآن کے اور وسائل۔	〃
۱۴۹	حافظون کی تعداد۔	۱۳۲
۱۵۰	صحت اعراب کی تدبیرین۔	〃
۱۵۱	ادب اور عربیت کی تعلیم۔	〃
۱۵۲	حدیث کی تعلیم۔	۱۳۳
۱۵۳	فقہ۔	〃
۱۵۴	مسائلِ فقہ کی اشاعت کی مختلف تدبیرین۔	۱۳۳
۱۵۵	پہلی تدبیر۔	〃
۱۵۶	دوسری تدبیر۔	۱۳۴ تا ۱۳۵
۱۵۷	تیسری تدبیر۔	۱۳۶
۱۵۸	چوتھی تدبیر۔	〃
۱۵۹	فقہ کی تعلیم کا انتظام۔	۱۳۷
۱۶۰	فُقہا کی تنخواہین۔	۱۳۸
۱۶۱	معلمین فقہ کی رفعتِ شان۔	〃
۱۶۲	ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا۔	۱۳۸ تا ۱۳۹
۱۶۳	اماموں اور موذنون کا تقرر۔	۱۴۰
۱۶۴	حاجیون کی قافلہ سالاری۔	〃
۱۶۵	مساجد کی تعمیر۔	〃
۱۶۶	حرمِ محترم کی وسعت۔	۱۴۱
۱۶۷	حرم کی تجدید۔	〃
۱۶۸	مسجدِ نبوی کی مرمت اور وسعت۔	۱۴۲
۱۶۹	مسجد مین فرش اور روشنی کا انتظام۔	〃

متفرق انتظامات از صفحہ ۱۴۳ تا صفحہ ۱۴۸

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۷۰	سنہ ہجری کا مقرر کرنا۔	۱۴۴
۱۷۱	مختلف قسم کے رجسٹر۔	۱۴۵
۱۷۲	دفتر خراج۔	〃
۱۷۳	بیت المال کے کاغذات کا حساب۔	〃
۱۷۴	مصارفِ جنگ کے کاغذات۔	۱۴۶
۱۷۵	مردم شماری کے کاغذات۔	〃

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۷۶	کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ۔	۱۴۶
۱۷۷	سکّہ۔	۱۴۷

ذمّی رعایا کے حقوق از صفحہ ۱۴۸ تا صفحہ ۱۶۹

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۷۸	قدیم سلطنتون کا برتاؤ غیر قومون کے ساتھ۔	۱۴۸
۱۷۹	حضرت عمرؓ نے ذمّیون کے ساتھ کیا برتاؤ کیا	۱۴۹
۱۸۰	بیت المقدس کا معاہدہ۔	"
۱۸۱	ذمّیون کے جان و مال کو مسلمانون کے جان و مال کے برابر قرار دینا۔	۱۵۱
۱۸۲	بندوبست مالگزاری مین ذمّیون کا خیال۔	۱۵۲
۱۸۳	ذمّیون سے ملکی انتظامات مین مشورہ۔	"
۱۸۴	ذمّیونکے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی تاکید۔	۱۵۳ تا ۱۵۴
۱۸۵	مذہبی امور مین آزادی۔	۱۵۵
۱۸۶	مسلمان اور ذمّیون کی ہمسری۔	۱۵۶ تا ۱۵۷
۱۸۷	ذمّیون کی عزت کا خیال۔	۱۵۸
۱۸۸	سازش اور بغاوت کی حالت مین ذمّیون کے ساتھ سلوک۔	"
۱۸۹	ذمّیون پر ان رعایتون کا کیا اثر ہوا۔	۱۵۹
۱۹۰	ذمّیون کے حقوق کی نسبت غیر قومون کی غلط فہمیونکے وجوہ اور انکا جواب۔	۱۶۰
۱۹۱	ذمّیون کو خاص لباس اور زنّار کے استعمال کا کیون حکم تھا۔	۱۶۱
۱۹۲	صلیب اور ناقوس کی بحث۔	۱۶۲
۱۹۳	اصطباغ کی بحث۔	۱۶۳ تا ۱۶۴
۱۹۴	عیسائیونکے جلاوطن کرنے کا معاملہ۔	۱۶۵
۱۹۵	جزیہ کی بحث۔	۱۶۶ تا ۱۶۹

غلامی کا رواج کم کرنا از صفحہ ۱۶۹ تا صفحہ ۱۷۶

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۹۶	عرب کا غلام نہ ہو سکنا۔	۱۶۹
۱۹۷	ممالک مفتوحہ مین غلامی کو گھٹانا۔	۱۷۰ تا ۱۷۱
۱۹۸	حضرت شہر بانو کا قصّہ۔	۱۷۲
۱۹۹	شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ۔	۱۷۳
۲۰۰	غلامون کے ساتھ مراعات۔	"
۲۰۱	غلامون کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا۔	۱۷۴
۲۰۲	غلامون مین اہلِ کمال کا پیدا ہونا۔	۱۷۵

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف از صفحہ ۱۷۶ تا صفحہ ۲۰۵

نمبر	مضمون	صفحہ
۲۰۳	عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریقِ سیاست مین فرق۔	۱۷۶
۲۰۴	حضرت عمرؓ کی مشکلات۔	۱۷۷ تا ۱۷۸
۲۰۵	حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتین۔	۱۷۹
۲۰۶	اصول مساوات۔	۱۷۹ تا ۱۸۲
۲۰۷	امیر المومنین کا لقب کیون اختیار کیا۔	۱۸۳
۲۰۸	سیاست۔	۱۸۴ تا ۱۸۷
۲۰۹	عہدہ دارانِ سلطنت کا انتخاب۔	۱۸۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۱۰	بے لاگ عدل وانصاف۔	۱۸۸
۲۱۱	قدیم سلطنتون کے حالات اور انتظامات سے واقفیت۔	۱۸۹
۲۱۲	واقفیت حالات کے لیے پرچہ نویس اور واقعہ نگار۔	۱۹۰ تا ۱۹۱
۲۱۳	بیت المال کا خیال۔	۱۹۲ تا ۱۹۴
۲۱۴	تمام کامون کا وقت پر انجام پانا۔	۱۹۵
۲۱۵	رفاہِ عام کے کام۔	۱۹۶
۲۱۶	غربا اور مساکین کے روزینے۔	۱۹۷
۲۱۷	مہمانخانے۔	"
۲۱۸	لاوارث بچے۔	"
۲۱۹	یتیمون کی خبرگیری۔	"
۲۲۰	قحط کا انتظام۔	۱۹۸
۲۲۱	رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی۔	۱۹۸ تا ۱۹۹
۲۲۲	جزئیات پر توجہ۔	۲۰۰
۲۲۳	رعایا کی شکایتون سے واقفیت کے وسائل۔	۲۰۱
۲۲۴	سفارت۔	"
۲۲۵	شام کا سفر اور رعایا کی خبرگیری۔	"
۲۲۶	رعایا کی خبرگیری کے متعلق حضرت عمرؓ کی چند حکایتین۔	۲۰۲ تا ۲۰۵

امامت اور اجتہاد از صفحہ ۲۰۶ تا صفحہ ۲۵۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲۷	مسائلِ اعتقادی مین حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی۔	۲۰۶ تا ۲۰۷
۲۲۸	مسئلۂ قضا و قدر۔	۲۰۷
۲۲۹	تعظیم شعائر اللہ۔	"
۲۳۰	نبی کے اقوال و افعال کہان تک منصبِ نبوت سے تعلق رکھتے ہین۔	۲۰۸
۲۳۱	حضرت عمرؓ کے نزدیک احکامِ شریعت کا اصولِ عقلی پر مبنی ہونا۔	۲۰۹
۲۳۲	حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔	۲۱۰
۲۳۳	اخلاقِ اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا۔	۲۱۱
۲۳۴	فخر و غرور کا استیصال۔	۲۱۲
۲۳۵	ہجو کی ممانعت۔	۲۱۳
۲۳۶	ہوا پرستی کی روک۔	"
۲۳۷	شاعری کی اصلاح۔	۲۱۴
۲۳۸	شرابخواری کی روک۔	"
۲۳۹	آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا۔	۲۱۴ تا ۲۱۵
۲۴۰	حضرت عمرؓ کی اجتہادی حیثیت۔	۲۱۶
۲۴۱	احادیث کا تفحص۔	۲۱۷
۲۴۲	حدیثون کی اشاعت۔	"
۲۴۳	ایک دقیق نکتہ۔	۲۱۸
۲۴۴	احادیث مین فرق مراتب۔	۲۱۹ تا ۲۲۰
۲۴۵	روایات کی چھان بین۔	۲۲۱ تا ۲۲۲
۲۴۶	کثرت روایت سے روکنا۔	۲۲۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴۷	حضرت عمرؓ کے کم روایت کرنے کی وجہ۔	۲۲۴ تا ۲۲۵
۲۴۸	صحابہ مین جو لوگ روایت کم کرتے تھے۔	۲۲۶
۲۴۹	سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے اصول۔	۲۲۷
۲۵۰	علم فقہ۔	"
۲۵۱	فقہ کے تمام سلسلون کے مرجع حضرت عمرؓ ہین۔	۲۲۸ تا ۲۳۱
۲۵۲	حضرت عمرؓ کا مشکل مسائل کو قلمبند کرنا۔	۲۳۲
۲۵۳	دقیق مسائل مین وقتاً فوقتاً خوض کرتے رہنا۔	۲۳۳
۲۵۴	فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئلون کا پیدا ہونا۔	۲۳۴
۲۵۵	لوگون کا حضرت عمرؓ سے استفتا کرنا۔	"
۲۵۶	صحابہ کے مشورے سے مسائل کو طے کرنا۔	"
۲۵۷	مسائلِ اجماعیہ۔	۲۳۵
۲۵۸	حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد۔	"
۲۵۹	حضرت عمرؓ کا اصول فقہ کو مرتب کرنا۔	۲۳۶ تا ۲۳۷
۲۶۰	جزاحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث۔	۲۳۸ تا ۲۳۹
۲۶۱	قیاس۔	۲۴۰ تا ۲۴۲
۲۶۲	استنباط احکام کے اصول۔	۲۴۳ تا ۲۴۴
۲۶۳	مسائل مہمہ مین حضرت عمرؓ کے اجتہادات	۲۴۵
۲۶۴	خمس کا مسئلہ۔	"
۲۶۵	فے کا مسئلہ۔	۲۵۰ تا ۲۵۲
۲۶۶	باغ فدک کی بحث۔	۲۵۳ تا ۲۵۸

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات از صفحہ ۲۵۹ تا صفحہ ۳۰۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۶۷	عرب مین جو اوصاف لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے حضرت عمرؓ مین سب موجود تھے۔	۲۶۰
۲۶۸	قوت تقریر۔	"
۲۶۹	خطبے۔	۲۶۰ تا ۲۶۱
۲۷۰	خطبے کے لیے طیار رہنا۔	۲۶۲
۲۷۱	نکاح کا خطبہ اچھا نہین دے سکتے تھے اور اُسکی وجہ۔	۲۶۳
۲۷۲	بعض خطبون کے اصلی الفاظ۔	۲۶۴
۲۷۳	قوت تحریر۔	۲۶۵
۲۷۴	مذاقِ شاعری۔	۲۶۶
۲۷۵	حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعرا کہتے تھے۔	۲۶۷
۲۷۶	زہیر کی نسبت حضرت عُمرؓ کا ریمارک۔	۲۶۸
۲۷۷	نابغہ کی تعریف۔	۲۶۹
۲۷۷	امرء القیس کی نسبت اُنکی راے۔	"
۲۷۸	شعر کا ذوق۔	۲۷۰
۲۷۹	حفظ اشعار۔	"
۲۸۰	اشعار کا تعلیم مین داخل کرنا۔	۲۷۱
۲۸۱	شاعری کی اصلاح۔	"
۲۸۲	لطیفہ۔	"
۲۸۳	علم الانساب۔	۲۷۲

نمبر	مضمون	صفحہ
۲۸۴	عبرانی زبان سے واقفیت۔	۲۷۳
۲۸۵	ذہانت وطباعی۔	۲۷۴
۲۸۶	حکیمانہ مقولے۔	۲۷۵
۲۸۷	صائب الرائے ہونا۔	۲۷۶
۲۸۸	اسلام کے وہ احکام جو حضرت عمرؓ کی راے کے موافق قرار پائے۔	〃
۲۸۹	جن مسائل مین اور صحابہ نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا انمین حضرت عمرؓ کی راے کا صائب ہونا۔	۲۷۷
۲۹۰	قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمرؓ کی راے	۲۷۸
۲۹۱	نکتہ سنجی اور غور رسی۔	〃
۲۹۲	مذہبی زندگی۔	۲۷۹ تا ۲۸۰
۲۹۳	بے تعصبی	۲۸۱
۲۹۴	علم فرائض کی درستی اور ترتیب کے لئے ایک یونانی عیسائی کو طلب کرنا۔	۲۸۲
۲۹۵	علمی صحبتین۔	۲۸۲ تا ۲۸۳
۲۹۶	ارباب صحبت۔	۲۸۴
۲۹۷	اہل کمال کی قدردانی۔	۲۸۶ تا ۲۸۸
۲۹۸	متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس ولحاظ۔	۲۸۹ تا ۲۹۰
۲۹۹	اخلاق وعادات۔	۲۹۱
۳۰۰	تواضع وسادگی۔	〃
۳۰۱	زندہ دلی۔	۲۹۳
۳۰۲	مزاج کی سختی۔	۲۹۴
۳۰۳	آل واولاد کے ساتھ محبت۔	۲۹۵

نمبر	مضمون	صفحہ
۳۰۴	مسکن۔	۲۹۶
۳۰۵	وسائل معاش۔	۲۹۷
۳۰۶	تجارت۔	〃
۳۰۷	جاگیر۔	〃
۳۰۸	مشاہرہ۔	〃
۳۰۹	زراعت۔	۲۹۸
۳۱۰	غذا۔	〃
۳۱۱	لباس۔	〃
۳۱۲	سادگی اور بے تکلفی۔	〃
۳۱۳	حلیہ۔	۲۹۹
۳۱۴	اولیات۔	۲۹۹ تا ۳۰۲

ازواج واولاد از صفحہ ۳۰۲ تا صفحہ ۳۰۶

نمبر	مضمون	صفحہ
۳۱۵	ازواج۔	۳۰۲
۳۱۶	حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا۔	۳۰۳
۳۱۷	اولاد ذکور۔	۳۰۴
۳۱۸	عبداللہ بن عمرؓ	〃
۳۱۹	سالم بن عبداللہ۔	۳۰۵
۳۲۰	عبیداللہ۔	۳۰۶
۳۲۱	عاصم۔	〃

خاتمہ از صفحہ ۳۰۷ تا صفحہ ۳۱۱

نمبر	مضمون	صفحہ
۳۲۲	دنیا مین جس قدر مشہور فرمانروا اور ارباب کمال گذرے ہین سب پر حضرت عمرؓ کی ترجیح۔	۳۰۷ تا ۳۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الفاروق جسکا غلغلہ وجود مین آنے سے پہلے تمام ہندوستان مین بلند ہو چکا ہے اوّل اوّل اُسکا نام زبانون پر اِس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اوّل کے دیباچہ مین ضمناً اُسکا ذکر آ گیا تھا۔ اسکے بعد اگرچہ مصنّف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام مین کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا یہان تک کہ اُسکے ابتدائی اجزا ابھی طیار نہین ہو چکے تھے کہ تمام ملک مین اِس سرے سے اُس سرے تک **الفاروق** کا لفظ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔

ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ **الفاروق** کا سلسلہ رُک گیا اور اُسکے بجاے دوسرے دوسرے کام چھڑ گئے، چنانچہ اِس اثنا مین متعدد تصنیفین مصنّف کے قلم سے نکلین اور شائع ہوئین۔ لیکن جو نگاہین فاروق اعظم کے کوکبۂ جلال کا انتظار کر رہی تھین اُنکو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہین ہو سکتی تھی۔ سوء اتفاق یہ کہ مجھکو الفاروق کی طرف سے بیدلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ مین نے اِس تصنیف سے گویا ہاتھ اُٹھا لیا تھا لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائین رہ رہ کر اِس قدر بلند ہوتی تھین کہ مین

مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھکر اُٹھا لیتا تھا - بالآخر ۱۰ - اگست ۱۸۹۴ء عیسوی کو مین نے ایک قطعی فیصلہ کرلیا اور مستقل اور مسلسل طریقے پر اِس کام کو شروع کیا - ملازمت کے فرائض اور اتفاقی موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سدِ راہ ہوتے رہے یہان تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا ناغہ پیش آگیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ مطلقاً بند نہین ہوا اِس لیے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا یہان تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے، کچھ دنون کے لیے آرام لیا -

شکر کہ جمّازہ بمنزل رسید زورقِ اندیشہ بساحل رسید

یہ کتاب دو حصّون مین منقسم ہے - پہلے حصّے مین تمہید کے علاوہ حضرت عمرؓ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحاتِ ملکی کے حالات ہین - دوسرے حصّے مین اُنکے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دوسرا حصّہ مصنّف کی سعی و محنت کا تماشا گاہ ہے -

اِس کتاب کی صحتِ طبع مین اگرچہ کچھ کم کوشش نہین کی گئی - کاپیان مین نے خود دیکھین اور بنائین، لیکن متواتر تجربون کے بعد مجھکو اِس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مین اِس وادی کا مردِ میدان نہین - کاپیون کے دیکھنے مین ہمیشہ میری نگاہ سے غلطیان بچ جاتی ہین - اور مین اِسکی کوئی تدبیر نہین کرسکتا - لیکن اگر صاحبِ مطبع اجازت دین تو اِسقدر کہنے کی جرأت کرسکتا ہون کہ اِس جرم کا مین تنہا مجرم نہین بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہین - بہرحال کتاب کے آخر مین ایک غلطنامہ لگا دیا گیا ہے جو کفّارۂ جرم کا کام دیسکتا ہے -

اِس کتاب مین بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نیا نظر آئیگا مثلاً اضافت کی حالت مین «مکّہ» اور «مدینہ» کے بجاے «مکّے» اور «مدینے» اور جمع کی حالت مین «موقع» اور «مجمع» کے بجاے «موقعے» اور «مجمعے» لیکن یہ میرا طریقِ املا نہین ہے بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے۔ اور وہ اِسکے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہوے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلۂ آصفیہ کی فہرست مین داخل ہے۔ لیکن پہلے سلسلۂ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلما مولانا سیّد علی بلگرامی بجمیع القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے۔ وہ جس طرح بہت بڑے مصنّف، بہت بڑے مترجم، بہت بڑے زباندان ہین۔ اُسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعتِ علوم وفنون کے بہت بڑے مُربّی اور سرپرست ہین۔ اِس دوسرے وصف نے اُنکو اِس بات پر آمادہ کیا کہ اُنھون نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک سر وقار الامرا بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ مدار المہام دولت آصفیہ خلدہا اللہ تعالیٰ کی خدمت مین یہ درخواست کی کہ حضور پُرنور رستمِ دوران افلاطونِ زمان فلک بارگاہ سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ ہز ہائنیس نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ سلطانِ دکن خلد اللہ ملکہ کے سایۂ عاطفت مین علمی تراجم وتصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جاے جو سلسلۂ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگان دولتِ آصفیہ کی جو تصنیفات خلعتِ قبول پائین وہ اِس سلسلے مین داخل کیجائین۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتدا سے جو التفات و توجہ رہی ہے اور جسکی بہت سی محسوس یادگارین اِسوقت موجود ہین اُسکے لحاظ سے جناب ممدوح نے اِس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے۔ اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب تمدنِ عرب جسکی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اِسی سلک کا ایک بیش بہا گوہر ہے۔

خاکسار کو ۱۸۹۶ء مین جناب نواب ممدوح کی پیشگاہ سے عطیۂ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی اُسمین یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اِس سلسلے مین داخل کیجائین۔ اِسی بنا پر یہ ناچیز تصنیف بھی اِس مبارک سلسلے مین داخل ہے۔

جلد اول کے آخر مین اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جسمین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لیکر بنو امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے جسکے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت مین دنیا کا کس قدر حصّہ، اسلام کے حلقہ مین شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل مین جرمن کے چند لائق پروفیسرون نے طیار کیا تھا لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہین ہوتا تھا اِسلیے ہمنے اصل کتاب کے حاشیہ مین موقع بموقع اُن اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی

مقامِ اعظم گڈھ

دسمبر ۱۸۹۸ء

سلسلہ

ناموران اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری کا

حصہ اول

جسمین حضرت عمرؓ کے نام و نسب اور ولادت سے لیکر وفات تک کے حالات اور فتوحات
بالتفصیل درج ہین

مولفہ

شبلی نعمانی

محمد رحمت اللہ رعد کے
نامی پریس کانپور مین چھپی

حصۂ اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ای ہمہ در پردہ نہان رازِ تو بی خبر انجام۔ زآغازِ تو

* * *

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہٖ واصحابہ اجمعین ۵

تمہید

تاریخ کا عنصر

تمدن کے زمانے مین جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہین اُنمین سے اکثر ایسے ہوتے ہین جنکا ہیولیٰ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے مین وہ ایک موزون قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً استدلال اور اثباتِ مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب اُن سے کام لیتے تھے، لیکن جب ارسطو نے اِن جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اُسکا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بنگیا، تاریخ و تذکرہ بھی اِسی قسم کا فن ہے، دنیا مین جہان کہین انسانون کا کوئی گروہ موجود تھا۔ تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے، کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعون پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔ تفریح اور گرمی صحبت کے لیے مجالس مین پچھلی لڑائیون اور معرکون کا ذکر ضرور

کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یادگارین خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھین، اور یہی چیزین تاریخ [illegible]کرہ کا سرمایہ ہین۔ اس بنا پر، عرب۔ عجم۔ ترک۔ تاتار۔ ہندی۔ افغانی۔ مصری۔ یونانی۔ غرض دنیا کی تمام قومین فن تاریخ کی قابلیت مین ہمسری کا یکسان دعوے کرسکتی ہین۔

عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم مین **عرب** کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب مین بعض خاص خاص باتین ایسی پائی جاتی تھین جنکو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قومون مین نہین پائی جاتی تھین۔ مثلاً **انساب** کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباواجداد کے نام اور اُنکے رشتے ناتے دس دس بارہ بارہ پشتون تک محفوظ رکھتا تھا، یہان تک کہ انسانون سے گذر کر گھوڑون اور اونٹون کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ یا **ایام العرب** جسکی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے مین قومی کارنامون کی روایتین سلسلہ بسلسلہ ہزارون لاکھون آدمیون تک پہنچ جاتی تھین، یا **شاعری** جسکا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدّو جنکو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا مین کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہین ہوئی۔

اس بنا پر۔ عرب مین جب تمدّن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات، وجود مین آئین۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرۃ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدّت تک محفوظ رہے چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان مین تصریح کی ہے کہ مین نے

عرب مین تاریخ کی ابتدا

ان تالیفات سے فائدہ اُٹھایا۔ اسلام کے عہد مین زبانی روایتون کا ذخیرہ ابتدا ہی مین پیدا ہوگیا تھا لیکن چونکہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ عموماً ایک مدّت کے بعد قائم ہوا اس لیے کوئی خاص کتاب اس فن مین نہین لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا توسب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن مین تھی۔

امیر معاویۃ المتوفی سنہ ٦٠ھ کے زمانے مین عبید بن شریہ ایک شخص تھا جسنے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا، اور اسکو عرب وعجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اسکو صنعاء سے بلایا، اور کاتب اور محرّر متعین کیے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائین۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین اسکی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جنمین سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک واخبار الماضیین لکھا ہے۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جسکا مسوّدہ امیر معاویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد، عوانۃ بن الحکم المتوفی سنہ ١٤٧ھ کا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار وانساب کا بڑا ماہر تھا۔ اسنے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات مین ایک کتاب لکھی۔ سنہ ١١٧ھ مین ہشام بن عبد الملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی مین کیا گیا، اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی مین ترجمہ کی گئی۔

سیرت نبوی مین سب سے پہلی تصنیف

سنہ ١٤٣ھ مین جب تفسیر۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال مین بھی مستقل کتابین لکھی گئین۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی سنہ ١٥١ھ نے منصور عباسی کے لیے خاص سیرتِ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مورخین کا دعوےٰ ہے کہ فنِ تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسی بن عقبہ المتوفی

س۱۴۱ھ نے آنحضرتؐ کے مغازی قلمبند کیے تھے۔ موسیٰ۔ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہؓ کا زمانہ پایا تھا اسلیے انکی یہ کتاب محدثین کے دائرے مین بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے[1]

اسکے بعد فنِ تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور۔ مؤرخ پیدا ہوئے، جن مین ابو مخنف، کلبی۔ واقدی زیادہ مشہور ہین۔ ان لوگون نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانو نپر کتابین لکھین۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے، قبائل عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی یہان تک کہ چوتھی صدی تک ایک فترِ بے پایان طیار ہوگیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور مین بیشمار مؤرخ گذرے۔ انمین جن لوگون نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے حالات مین کتابین لکھین اُنکی مختصر سی فہرست یہ ہے۔

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
یحییٰ مدنی	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور عائشہؓ کی لڑائی کا حال۔	
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مؤرخ ہے۔
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی۔	امام بخاری کے اُستاد الاستاد تھے۔

---

[1] موسیٰ بن عقبہ کے لیے تہذیب التہذیب۔ و مقدمۂ فتح الباری شرح صحیح بخاری، دیکھو۔ ۱۲

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
عبداللہ بن سعد زہری المتوفیٰ سنہ ھ	فتوحات خالد بن الولید	
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفة النبی صلعم وکتاب فضائل الانصار	سنہ ۲۰۰ھ مین انتقال کیا۔
ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی۔ المتوفی سنہ ۲۲۴ھ		اسنے آنحضرت اور خلفا کے حالات مین کثرت سے کتابین لکھین اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی۔ اسماء الخلفاء وکتابہم۔	مدائنی کا شاگرد تھا۔
عبدالرحمن بن عبدہ۔	مناقب قریش۔	نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ تھا۔
عمر بن شبہ المتوفی سنہ ۲۶۲ھ	کتاب امراء الکوفة۔ کتاب امراء البصرة۔	مشہور مؤرخ ہے۔

قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہین

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہین لیکن اور کتابین جو اسی زمانے مین یا اسکے بعد، قریب تر زمانے مین لکھی گئین، اُن مین ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے، چنانچہ ہم اُنکے نام اُنکے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہین۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبة المتولد سنہ ۲۱۳ھ والمتوفی سنہ ۲۷۶ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے

محدثین بھی اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہین۔ تاریخ مین اسکی مشہور کتاب **معارف**، ہے جو مصر وغیرہ مین چھپکر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اُسمین ایسے مفید معلومات ہین جو بڑی بڑی کتابون مین نہین ملتین۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۲ھ۔ یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ مین اسکی کتاب کا نام الاخبار الطوال، ہے۔ اِس مین خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہین خلفاء راشدین کی فتوحات مین سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ مین بمقام لیدن ۱۸۸۸ء مین چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ المتوفی ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ ہے، اگرچہ اسکا اُستاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے، لیکن خود اِسکے ثقہ ہونے مین کسی کو کلام نہین۔ اُسنے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ وتابعین وتبع تابعین کے حالات مین نہایت بسط وتفصیل سے دس بارہ جلدون مین لکھی ہے اور تمام واقعات، کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ مینے اِسکا قلمی نسخہ دیکھا ہے، اب جرمن مین بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجکو اِسکے حالات رجال کی کتابون مین نہین ملے۔ لیکن اِسکی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے۔ چونکہ اسکو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اسلیے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اِسکی کتاب۔ جو **تاریخ یعقوبی** کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ مین

بمقام لیدن سنہ ۱۸۸۳ء مین چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی سنہ ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اسکی وسعت نظر۔ اور صحت روایت، محدثین کے گروہ مین بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال مین اسکی دو کتابین مشہور ہین۔ فتوح البلدان۔ انساب الاشراف پہلی کتاب کا یہ طرز ہے۔ کہ بلاد اسلامیہ مین سے ہر ہر صوبہ۔ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کیے ہین، اور اُنکے متعلق ابتداے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہین۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جسمین حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہین۔ فتوح البلدان یورپ مین نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ مین میری نظر سے گذرا ہے۔ ✓

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ مین بھی امام مانے جاتے ہین چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگون نے انکو مجتہدین کے زمرہ مین شمار کیا ہے۔ تاریخ مین اُنھون نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدون مین ہے اور یورپ مین بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی سنہ ۳۴۶ھ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام مین آج تک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہین ہوا۔ وہ دنیا کی اور قومون کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابین ملتین تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہوتی، لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات، ناپید ہوگئین یورپ

نے بڑی تلاش سے دو کتابین مہیا کین ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ مروج الذہب مصر مین بھی چھپ گئی ہے۔

متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہین وہ قدما کا دور کہلاتا ہے۔ پانچوین صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فنِ تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین مین اگرچہ بیشمار مورخ گذرے جنمین سے ابن الاثیر۔ سمعانی۔ ذہبی۔ ابو الفدا۔ نویری۔ سیوطی۔ وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ ان لوگون نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہین کیا۔ قدما کی جو خصوصیات تھین، کھودین اور خود کوئی نئی بات نہین پیدا کی۔ مثلاً قدما کی ایک یہ خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اسکے کہ اُسپر کچھ اضافہ کرسکین، تغیر اور اختصار کے ساتھ اسکا قالب بدل دیا، تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے اور درحقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیفین ناپید کردین، لیکن جہان تک زمانے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اُسمین طبری سے زائد نہین مل سکتی اِسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے اُنھون نے اپنی تصنیف کا مدار، صرف ابن الاثیر پر رکھا وَھَلُمَّ جَرًّا۔ اِس سے بڑھکر یہ کہ متاخرین نے قدما کی کتابون کا جو اختصار کیا اِس طرح کیا کہ جہان جو بات چھوڑدی، وہی اُس تمام واقعہ کی روح تھی، چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حِصّے مین اِسکی بہت سی مثالین آئینگی۔

قدما کی خصوصیتین

قدما مین ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسندِ متصل، نقل

کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قدما مین یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہین قائم کرتے تھے لیکن ضمناً اُن جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اِس عام نکتہ چینی مین ابن خلدون کا نام شامل نہین ہے۔ اُسنے فلسفۂ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اسپر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانون کی کل قوم ناز کرسکتی ہے۔ اسی طرح اُسکا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کے بجاے، مدح و ستایش کا مستحق ہے۔

بہرحال الفاروق کی تالیف کے لیے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہ یہی قدما کی تصنیفات تھین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرہ کے فن نے آج جو ترقی کی ہے اُسکے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چندان کارآمد نہین۔ اِس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے؟۔

تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ "فطرت کے واقعات، نے انسان کے حالات مین جو تغیرات پیدا کیے ہین، اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے، ان دونون کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے،، ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے، "اُن واقعات اور حالات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ، گذشتہ زمانے سے، کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہوگیا ہے،، یعنی چونکہ یہ مسلّم ہے کہ آج دنیا مین جو تمدن، معاشرت، خیالات مذاہب موجود ہین۔ سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہین جو خواہ مخواہ اُن سے پیدا ہونے چاہیے تھے

اِسلیے اُن گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور اُنکو اِس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ ہر موجودہ واقعہ گذشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا، اسی کا نام تاریخ ہے۔

اِن تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لیے دو باتین لازمی ہین۔

تاریخ کے لیے کیا چیزین لازم ہین

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جاے۔ اُس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کیے جائین، یعنی تمدّن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب، ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات مین سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخون کے نقص اور اُنکے اسباب

قدیم تاریخون مین یہ دونون چیزین مفقود ہین۔ رعایا کے اخلاق، وعادات، اور تمدّن ومعاشرت، کا تو سرے سے ذکر ہی نہین آتا، فرمانرواے وقت کے حالات ہوتے ہین لیکن ان مین بھی فتوحات اور خانہ جنگیون کے سوا اور کچھ نہین ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخون تک محدود نہین، بلکہ کل ایشیائی تاریخون کا یہی انداز تھا، اور ایسا ہونا مقتضای اسباب تھا۔ ایشیا مین ہمیشہ شخصی سلطنتون کا رواج رہا، اور فرمانرواے وقت، کی عظمت واقتدار کے آگے تمام چیزین ہیچ ہوتی تھین، اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحون مین شاہی عظمت وجلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے اور چونکہ اُس زمانے مین قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا، بادشاہ کی زبان تھی، اس لیے سلطنت کے اُصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات مین سلسلۂ اسباب پر توجہ نکرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ اُن لوگون

کے ہاتھ مین رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اِس لیے فلسفہ تاریخی کے اصول و نتایج پر اُنکی نظر نہین پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر مین روایت کا پلہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا نہ لیے جانے کے برابر تھا۔ اخیر اخیر مین ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اسکے اصول و آیین منضبط کیے۔ لیکن اُسکو اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ مین اِن اصولون سے کام لے سکتا۔ اُسکے بعد مسلمانون مین علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جسکی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانون مین بلکہ تمام قومون مین ناتمام رہا یہ ہے کہ تاریخ مین جو واقعات مذکور ہوتے ہین اُنکو مختلف فنون سے۔ رابطہ ہوتا ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے، انتظامی امور قانون سے، اخلاقی تذکرے علم الاخلاق سے تعلق رکھتے ہین۔ مؤرخ اگر ان تمام علوم کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اُسکی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک عامی کی ہوسکتی ہے۔ اِسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا پرداز کا گذر ہو جو انجنیری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اِس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرائے مین کریگا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اُسکے بیان مین خاص انجنیری کے علمی اصول اور اسکی باریکیان ڈھونڈھی جائین تو نہ مل سکین گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخون مین حالات جنگ کے ہزارون

صفحے پڑھکر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتدبہ اطلاع نہین حاصل ہوتی۔
انتظامی امور کے ذکر مین قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہین لگتا کہ مؤرخین خود قانون دان نہ تھے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن اُن لوگون کے ہاتھ مین رہا ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اصول قانون، اصول سیاست، علم الاخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہان سے کہان تک پہنچا ہوتا۔

واقعات کی صحت کا معیار

یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخون مین تمام ضروری واقعات مذکور نہین ہوتے اور جس قدر ہوتے ہین اُنمین اسباب و علل کا سلسلہ نہین ملتا۔ لیکن انکے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے۔ وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہین خود اُنکی صحت پر کہان تک اعتبار ہو سکتا ہے؟۔ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہین۔ روایت و درایت **روایت سے** یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاے اُس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جاے جو خود اُس واقعہ مین موجود تھا اور اُس سے لیکر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جاے۔ اسکے ساتھ تمام راویون کی نسبت تحقیق کیا جاے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہین۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جاے۔

روایت

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کرسکتے ہین کہ روایت کے فن کے ساتھ اُنھون نے جس قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہین کیا تھا۔ اُنھون نے ہر قسم کی روایتون مین مسلسل سند کی جستجو کی اور راویون کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہونچائے کہ اُسکو ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل مین

احادیثِ نبوی کے لیے شروع ہوا تھا لیکن فنِ تاریخ بھی اِس فیض سے محروم نرہا طبری فتوح البلدان۔ طبقات ابن سعد وغیرہ مین تمام واقعات بسندِ متّصل مذکور ہین۔ اہل یورپ نے فنِ تاریخ کو آج کمال کے درجے پر پہنچا دیا ہے لیکن اِس خاص امر مین وہ مسلمان مؤرخون سے بہت پیچھے ہین۔ اُنکو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پروا نہین ہوتی یہان تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہین۔

درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم ابن القیم خطّابی ابن عبدالبر نے متعدد روایتون کی تنقید مین اِن اُصولون سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اِس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی نہین ہوئی،، اور تاریخ مین تو اِس سے بالکل کام نہین لیا گیا البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھوین صدی ہجری مین گذرا ہے جب فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے مین لکھتا ہے۔

انّ الاخبار اذا اعتمد فيها على مجرد النقل و لم تحكم اصول العادة وقواعد السياسة وطبيعة العمران والاحوال في الاجتماع الانساني ولا قيس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب فربما لم يؤمن فيها من العثور۔	خبرون مین اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جاے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسایٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جاے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر نہ قیاس کیا جاے تو اکثر لغزش ہوگی۔

علامۂ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لیے پہلے راویون کی جرح و تعدیل

سے بحث نہین کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہین کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہین تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے علامۂ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اِن موقعون مین امکان سے امکان عقلی مراد نہین بلکہ اصولِ عادت اور قواعدِ تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخون کے متعلق بیان کیے گئے اُنکی آج کہان تک تلافی کیجا سکتی ہے یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) مین کس حد تک اِس کمی کو پورا کرسکتے ہین اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابین حضرت عمرؓ کے حالات مین مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہین اِن مین ہر قسم کے ضروری واقعات نہین ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفون سے ایک حد تک اِسکی تلافی ہوسکتی ہے۔ مثلاً الاحکام السلطانیۃ لابن الوردی و مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمرؓ کے طریقِ حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتین معلوم ہوسکتی ہین، اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغۂ قضا کے متعلق انکا طریقِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل مین انکی اوّلیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان و التبیین للجاحظ مین اُنکے خطبے منقول ہین۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے انکا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی نے کتاب الامثال مین انکے حکیمانہ مقولے نقل کیے ہین۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین مین اُنکے اخلاق اور عادات کو تفصیل سے لکھا ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا مین اُنکے فقہ اور اجتہاد پر اِس مجتہدانہ طریقے سے

بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہین۔

[لہ] یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہین اور مین نے اُن سے فائدہ اُٹھایا ہے

ریاض النضرۃ للمحب الطبری مین بھی حضرت عمرؓ کے حالات تفصیل سے ملتے ہین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اِسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس مین نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتین مذکور ہین اِس لیے مین نے دانستہ اُس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد ملسکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بنگیا ہے اور اُسکے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہوگئے ہین ان مین سے جو اصول ہمارے کام مین آسکتے ہین حسب ذیل ہین

۱۔ واقعہ مذکورہ، اصولِ عادت کے رُو سے ممکن ہے یا نہین؟

۲۔ اُس زمانے مین لوگون کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳۔ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اِسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہین؟۔

۴۔ اِس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اُسمین اُسکے قیاس اور راے کا کِس قدر حصّہ شامل ہے؟

[لہ] ان تصنیفات مین سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانے مین موجود ہے سیرۃ العمرینؓ اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانے مین ہین اور مین نے اُن سے ضروری عبارتین نقل کرلی تھین۔ باقی کتابین چھپ گئی ہین اور میرے پاس موجود ہین ۱۲۔

۵- راوی نے واقعہ کو جس صورت مین ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اُسکے ہر پہلو پر نظر نہین ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتین نظر مین نہ آسکین۔

۶- اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویون کے طریقۂ ادا نے روایت مین کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیے ہین۔

اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے

ان اصولون کی صحت سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا اور انکے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہین۔ مثلاً آج جس قدر تاریخین متداول ہین ان مین غیر قومون کی نسبت حضرت عمر کے نہایت سخت احکام منقول ہین۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جاے کہ یہ اُس زمانے کی تصنیفین ہین جب اسلامی گروہ مین تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جاے جنین اس قسم کے واقعات بالکل نہین یا بہت کم ہین۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب آتا گیا ہے اُسی قدر روایتین خود بخود تعصب کے سانچے مین ڈھلتی گئی ہین۔ تمام تاریخون مین مذکور ہے کہ حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائین لیکن قدیم کتابون (کتاب الخراج۔ تاریخ طبری وغیرہ) مین یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہون اُسوقت عیسائی ناقوس نہ بجائین۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے عیسائی اپنے بچون کو اصطباغ نہ دینے پائین لیکن یہی روایت تاریخ طبری مین ان

الفاظ سے مذکور ہے کہ "جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہون اُن کے بچّون کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جاے"۔

یا مثلاً بہت سی تاریخون مین یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحقیر اور تذلیل کے لیے عیسائیونکو ایک خاص لباس پہننے پر مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اِس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیون کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اِسکی مفصّل بحث آگے آئے گی۔

یا مثلاً وہ روایتین جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتے ہین اُنمین یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر اِن مین تنقید ہوتی گئی ہے اُسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتین کم ہوتی گئین ہین۔ فدک۔ قرطاس۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر۔ ابن سعد۔ بیہقی۔ مسلم۔ بخاری۔ سب نے نقل کیے ہین لیکن جس قدر اِن بزرگون کے اصول اور شدّت احتیاط مین فرق مراتب ہے اُسی نسبت سے روایتون مین مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے ہین۔ یہان تک کہ خود مسلم و بخاری مین فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اِسکا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئیگا۔

اِنھی اصولِ عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات مین صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہونگے۔ مثلاً یہ مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات سَو برس کے

بعد تحریر مین آئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ معرکون اور لڑائیون کی نہایت جزئی تفصیلین مثلاً صف آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال و جواب- ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی- پہلوانون کے دانو پیچ- اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہین پہنچ سکتا- لیکن انتظامی امور اور قواعدِ حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت مین موجود رہے- اس لیے انکی نسبت جو واقعات منقول ہین وہ بے شبہہ یقین کے لائق ہین اکبر نے ہندوستان مین جو آئین اور قاعدے جاری کیے ایک ایک بچہ اُن سے واقف ہے اور اُن کی نسبت کوئی شبہ نہین کیا جا سکتا جسکی یہ وجہ نہین کہ حدیث کی طرح اُسکی لیے قطعی روایتین موجود ہین بلکہ اس لیے کہ وہ انتظامات مُدت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے اُن کو شہرت تھی-

حضرت عمرؓ کے خُطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہین اُن کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیے کہ جو فقرے زیادہ پُراثر اور فصیح و بلیغ ہین وہ ضرور صحیح ہین کیونکہ ایک فصیح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہجاتے ہین اور اُن کا مُدت تک چرچا رہتا ہے جن مین کوئی خاص نُدرت اور اثر ہوتا ہے- اسی طرح خطبون کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہین جنمین احکامِ شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اس قسم کی باتون کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے-

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چندان قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اسکے انکا ذکر آجاتا ہے اُن کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اصل واقعہ اُس سے

زیادہ ہوگا۔ مثلاً ہمارے مورخین رزم و بزم کی معرکہ آرائیون اور رنگینیون کے مقابلے مین انتظامی امور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہین ہین۔ باینہمہ حضرت عمر کے حال مین عدالت۔ پولیس۔ بندوبست۔ مردم شماری وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے اُسکی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے کہ جس قدر قلمبند ہوا۔ اُس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمر کے زہد و تقشف۔ سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سیکڑون روایتین مذکور ہین اور بے شبہہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف اُن مین زیادہ تھے۔ لیکن اس کے متعلق اُن تمام روایتون کو صحیح نہین خیال کرنا چاہیے جو حلیۃ الاولیا۔ ابن عساکر۔ کنز العمال۔ ریاض النضرہ وغیرہ مین مذکور ہین بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ اس قسم کی روایتین عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی تھین اور عوام اُن کو نہایت ذوق سے سُنتے تھے اس لئے اُن مین خود بخود مبالغہ کا رنگ آ گیا ہے۔ اسکی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابین زیادہ مستند اور معتبر ہین اُن مین یہ روایتین بہت کم پائی جاتی ہین۔ اسی لئے مین نے اس قسم کی جو روایتین اپنی کتاب مین نقل کی ہین اُن مین بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضرۃ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیا وغیرہ کی روایتونکو بالکل نظرانداز کیا ہے۔

تاریخ کا طرز تحریر

اخیر مین طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آجکل کی اعلیٰ درجے کی تاریخین جنھون نے قبولِ عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاپردازی سے مرکب ہین اور اس طرز سے بڑھکر اور کوئی طرز مقبولِ عام نہین ہو سکتا۔ لیکن درحقیقت تاریخ اور

تاریخ اور انشا پردازی کا فرق

انشاپردازی کی حدین بالکل جدا جدا ہین۔ اِن دونون مین جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصۂ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اُسکی ہیئت۔ شکل۔ سمت۔ جہت۔ اطراف۔ اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اسکے مُصوّر صرف اِن خصوصیتون کو لے گا یا اُن کو زیادہ نمایان صورت مین دکھلائیگا جن مین کوئی خاص اعجوبگی ہے اور جن سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مورّخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کے تمام جزئیات بیان کردیگا لیکن ایک انشا پرداز اِن جزئیات کو اس طرح ادا کریگا کہ سہراب کی مظلومی و بیکسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاے، اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئین۔

مورّخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نکرنے پائے۔ یورپ مین آج کل جو بڑا مورخ گذرا ہے اور جو طرزِ حال کا موجد ہے رینکی ہے اسکی تعریف ایک پروفیسر نے اِن الفاظ مین کی ہے "اسنے تاریخ مین شاعری سے کام نہین لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے مین مطلق پتہ نہین لگتا کہ وہ کن باتون سے خوش ہوتا ہے اور اُسکا ذاتی اعتقاد کیا ہے"۔

یہ امر بھی جتا دینا ضرور ہے کہ اگرچہ مین نے واقعات مین اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس باب مین یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔

اسباب وعلل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس لیے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہین لیکن یہ اُسکا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ مین اس قدر مخلوط نہ کردے کہ کوئی شخص دونون کو الگ کرنا چاہے تو نہ کرسکے۔ اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لیے ایسی ترتیب اور انداز سے لکھتے ہین کہ واقعہ بالکل اُنکے اجتہاد کے قالب مین ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہین کرسکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہین۔

۱۔ بعض واقعات مختلف حیثیتین رکھتے ہین اور مختلف عنوانون کے تحت مین آسکتے ہین اس لیے اس قسم کے واقعات کتاب مین مکرّر آگئے ہین اور ایسا ہونا ضرور تھا مین یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہان اُس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھلائی گئی ہے۔

۲۔ کتابون کا حوالہ زیادہ تر انھین واقعات مین دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابین روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہین مثلاً ازالۃ الخفا و ریاض النضرۃ وغیرہ اُن کا جہان حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابون سے کرلی گئی تھی۔

غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اِس وجہ سے بڑے بڑے عالی رتبہ لوگون کے مقدمات انکے پاس فیصلہ کرنے کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے جد امجد عبد المطلب اور حرب بن اُمیہ مین جب ریاست کے دعوے پر نزاع ہوئی تو دونون نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبد المطلب کے حق مین فیصلہ کیا اور اُسوقت حرب کی طرف مخاطب ہوکر یہ جملے کہے۔

اَتُنافِرُ رَجُلاً هُوَ اَطوَلُ مِنكَ قامَةً واَوسَمُ وَسامَةً وَاَعظَمُ مِنكَ هامَةً واكثر مِنكَ وَلدًا وَاَجزَلُ مِنكَ صَفَدًا وَاِني لَاَقُولُ هٰذا وَانكَ لَبَعِيدُ الغَضَبِ رَفِيعُ الصَّوتِ فِي العَرَبِ جَلدُ المَرِيرَةِ لَحَبلُ العَشِيرَةِ۔

حضرت عمر کے برادر عم زاد زید

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو۔ خطّاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن انکے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر کے چچازاد بھائی تھے نہایت عالی درجہ شخص تھے۔ وہ اُن ممتاز بزرگون مین تھے جنھون نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے، اپنے اجتہاد سے بُت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور مُوَحِّد بنگئے تھے اِن مین زید کے سوا باقیون کے یہ نام ہین۔ قس بن ساعدۃ۔ ورقۃ بن نوفل۔

زید۔ بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ بُرا کہتے تھے اور لوگون کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے اِسپر تمام لوگ انکے دشمن ہوگئے جن مین حضرت عمر کے والد، خطّاب سب سے زیادہ سرگرم تھے، خطّاب نے اِس قدر اُنکو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہوکر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حرا مین جا رہے تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید

کے اشعار آج بھی موجود ہین۔ جن سے اُنکے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دو شعر یہ ہین[1]۔

اربًّا واحدًا ام الف ربٍّ
اَدینُ اِذا تقسّمتِ الامورُ
ترکتُ اللاتَ والعُزّی جمیعًا
کذلک یفعلُ الرّجُلُ البصیرُ

ایک خدا کو مانون کو یا ہزارون کو؟ مین نے لات اور عزّی (بتون کے نام تھے) سب کو خیرباد کہا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

حضرت عمر کے والد خطاب

خطاب حضرت عمر کے والد، قریش کے ممتاز آدمیون مین سے تھے[2]۔ قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس مین مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اِس لیے غلبہ انھین کو رہتا تھا۔ عدی کے تمام خاندان نے جس مین خطّاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن مین پناہ لی۔ اسپر بھی مخالفون نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطّاب نے یہ اشعار کہے۔

ابو عدنی ابو عمرو ودونی   رجالٌ لاینہنہا الوعید
رجالٌ مِن بنی سہم بن عمرو   الی ابیاتہم یاوی الطرید

کل آٹھ شعر ہین اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ مین اُنکو تماماً نقل کیا ہے۔ عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ مین مقام صفا مین سکونت رکھتا تھا لیکن جب اُنھون نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی اُنھی کے ہات بیچ ڈالے، لیکن خطّاب کے

---

[1] زید کا مفصل حال اسد الغابہ۔ کتاب الاوایل۔ اور معارف بن قتیبہ مین ملیگا۔ [2] کتاب المعارف بن قتیبہ۔

متعدد مکانات صفا مین بھی باقی رہے جن مین سے ایک مکان حضرت عمر کو وراثت مین پہنچا تھا۔ یہ مکان۔ صفا و مروۃ کے بیچ مین تھا۔ حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانے مین اُسکو ڈھا کر حاجیون کے اُترنے کے لئے میدان بنا دیا لیکن اُسکے متعلق بعض دُکانین مدت تک حضرت عمر کے خاندان کے قبضے مین رہین[۵]۔

خطاب نے متعدد شادیان اونچے اونچے گھرانون مین کین، چنانچہ حضرت عمر کی مان جنکا نام حنتمہ تھا ہشام بن المغیرۃ کی بیٹی تھین۔ مغیرۃ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلے سے لڑنے کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انھی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے اُنکو صاحب الاعنۃ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد انھی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمر کی ولادت

حضرت عمر مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوے۔ انکی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہین۔ حافظ بن عساکر نے تاریخ دمشق مین عمرو بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ مین چند احباب کے ساتھ ایک جلسے مین بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً ایک غل اُٹھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا” اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی، اُنکے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہین اور کیونکر معلوم ہوتے۔ اُس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر **فاروق اعظم** ہونیوالا ہے۔ تاہم

---

[۵] تاریخ مکہ للازرقی ذکر رباع بنی عدی بن کعب۔

نہایت تفحص و تلاش سے کچھ کچھ حالات ہم پہنچے جسکا یہان نقل کرنا ناموزون نہوگا۔

سن رشد

سن رشد کو پہنچکر خطاب انکے باپ نے انکو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹون کا چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب مین معیوب نہین سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بیرحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان مین حضرت عمرؓ کو یہ مصیبت خدمت انجام دینی پڑتی تھی اُسکا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریباً قدید سے ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ خلافت کے زمانے مین ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا اُدھر گذر ہوا تو انکو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ "اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ مین یہان نمدے کا کُرتہ پہنے ہوے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا تھا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہین[1]"۔

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمرؓ اُن شریفانہ مشغلون مین مشغول ہوے جو شرفای عرب مین عموماً معمول تھے۔ عرب مین اسوقت جن چیزون کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمۂ شرافت خیال کی جاتی تھین، نسب دانی، سپہگری، پہلوانی، اور تقریری تھی۔ نسب دانی کا فن حضرت عمرؓ کے خاندان مین موروثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین مین بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اور انکے باپ اور دادا نُفیل تینون بہت بڑے نسّاب تھے[2]۔ غالباً اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان مین جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہین

---

[1] طبقات ابن سعد۔ [2] کتاب مذکور مطبوعہ مصر۔ صفحہ ۱۱ و ۱۲۲۔

سفارت اور فیصلۂ منافرۃ یہ دونون منصب موروثی چلے آتے تھے اور انکے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمر نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

عکاظ

پہلوانی اور کشتی کے فن مین بھی کمال حاصل کیا یہان تک کہ عکاظ کے دنگل مین معرکے کی کشتیان لڑتے تھے۔ عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہان سال کے سال اس غرض سے میلا لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھلاتے تھے، اس لئے صرف وہی لوگ یہان پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن مین کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی۔ حسان بن ثابت۔ قس بن ساعدۃ۔ خنساء جنکو شاعری اور ملکۂ تقریر مین تمام عرب مانتا تھا اسی تعلیمگاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمر کی نسبت علامۂ بلاذری نے کتاب الاشراف مین بسند یہ روایت نقل کی ہے کہ "عکاظ کے دنگل مین کشتی لڑا کرتے تھے" اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے اس فن مین پورا کمال حاصل کیا تھا

شہسواری کی نسبت انکا کمال عموماً مسلّم ہے چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اُچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مُصرّح شہادت موجود نہین لیکن یہ امر تمام مؤرخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیدیا تھا، اور یہ منصب صرف اُس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی مین کمال رکھتا تھا

اس کتاب کے دوسرے حصے مین ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار انکو یاد تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق اُنھون نے جاہلیت ہی مین عکاظ کی تعلیمگاہ مین حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال مین ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چندان پسند نہین کرتے تھے۔

اسی زمانے مین اُنھون نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اِس زمانے مین بہت کم لوگون کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے بسند لکھا ہے کہ جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے مین ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے اُنین سے ایک عمر بن خطاب تھے[1]۔

اُن فنون سے فارغ ہوکر وہ فکر معاش مین مصروف ہوے۔ عرب مین معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لئے اُنھون نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل اُنکی بہت بڑی ترقیون کا سبب ہوا۔ وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکون مین جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگون سے ملتے تھے، خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جو اُنین اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب انھی سفرون کی بدولت تھے۔ اِن سفرون کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہونگے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہین کی، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۱۔

مین صرف اس قدر لکھا ہے کہ۔

وَلِعمر بن الخطّاب اخبارٌ کثیرة فی سفارة فی الجاھلیة الی الشام والعراق مع کثیرٍ من ملوك العرب والعجم + وقد اتینا علی مبسوطھا فی کتابنا اخبار الزمان والکتاب الاوسط	عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے مین عراق اور شام کے جو سفر کئے اور ان سفرون مین جس طرح وہ عرب وعجم کے بادشاہون سے ملے اسکے متعلق بہت سے واقعات ہین جنکو مین نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط مین لکھا ہے۔

علامۂ موصوف نے جن کتابون کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہین لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت ہوئی کہ ناپید ہوچکین، مین نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر کے ان حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق مین جسکی بعض جلدین میری نگاہ سے گذری ہین حضرت عمر کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہین لیکن انمین کوئی دلچسپی نہین۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکون، اور تجارت کے تجربون نے انکو تمام عرب مین روشناس کردیا اور لوگون پر انکی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے۔ یہان تک کہ قریش نے انکو سفارت کے منصب پر مامور کردیا۔ قبایل مین جب کوئی پرخطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمر کا ستائیسوان سال تھا کہ عرب مین آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر کے گھرانے مین زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل مانوس نہین رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمر کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئین۔ اِسی خاندان مین ایک اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ اِن کے کانون مین جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہان تک کہ قبیلے مین جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُنکے دشمن بن گئے۔ لبینہ اُنکے خاندان مین ایک کنیز تھی جسنے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُسکو بے تحاشا مارتے۔ اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لون تو پھر مارونگا لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد وکوب سے دریغ نہین کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا، اِن تمام سختیون پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دین۔ تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کہا ع

آمد آن یارے کہ ما مے خواستیم

راہ مین اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے اِنکے تیور دیکھکر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہون،، انھون نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہین" فوراً پلٹے اور بہن کے ہان پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھین، اِنکی آہٹ پا کر چپ ہوگئین اور قرآن کے اجزا چھپا لئے لیکن آواز اِن کے کانون مین پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟

بہن نے کہا کچھ نہین۔ بولے کہ نہین مین سُن چکا ہون کہ تم دونون مرتد ہوگئے ہو“۔ یہ کہکر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے اور جب اُنکی بہن بچانے کو آئین تو اُنکی بھی خبر لی یہان تک کہ اُنکا بدن لہولہان ہوگیا۔ اِسی حالت مین اُنکی زبان سے نکلا کہ عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اَب دل سے نکل نہین سکتا“ اِن الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کیطرف محبت کی نگاہ سے دیکھا اُنکے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھکر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھکو بھی سُناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھدیے۔ اُٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ایک ایک لفظ پر اِن کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہان تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلعم ارقم کے مکان مین جو کوہ صفا کی تلی مین واقع تھا، پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچکر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے، اور اِس تازہ واقعہ سے کسی کو اطلاع نہ تھی، اِس لئے صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہ نے کہا کہ ”آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر، ورنہ اُسی کی تلوار سے اُسکا سر قلم کردیا جائیگا“۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہؐ خود آگے بڑھے اور اُنکا دامن پکڑکر فرمایا کیون عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟۔ نبوت کی پُر رعب آواز نے اُنکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لئے“ آنحضرت بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے

اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں[1]۔

حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ مین نیا دور پیدا کر دیا، اسوقت تک اگرچہ ۴۰-۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی۔ علانیہ نہین ادا کر سکتے تھے، اور کعبہ مین نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر کے اسلام کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی۔ انھون نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، کافرون نے اول اول انپر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہان تک کہ مسلمانون کی جماعت کے ساتھ کعبہ مین جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبد اللہ بن مسعود کی زبانی ان الفاظ مین روایت کیا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَیْشًا حَتّٰی صَلّٰی عِنْدَ الْکَعْبَۃِ وَصَلَّیْنَا مَعَہٗ یعنی جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہان تک کہ کعبہ مین نماز پڑھی اور انکے ساتھ ہملوگون نے بھی پڑھی۔

حضرت عمر کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال مین واقع ہوا۔

ہجرت

حضرت عمر کی ہجرت

اہل قریش، ایک مدت تک، آنحضرت کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے، لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا انکی بے پروائی، غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہانتک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے مین آ گئے تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا۔ حضرت ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن انکے انتقال کے بعد کفار

---

[1] انساب الاشراف بلاذری و طبقات بن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل بن الاثیر

ہر طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جسکو جس مسلمان پر قابو ملا اِسطرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہین رہ سکتا تھا، یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اِس سختی سے گذرا کہ اسکی تفصیل ایک نہایت دردانگیز داستان ہے۔

اِسی اثنا مین۔ مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے آنحضرت نے حکم دیا کہ جن لوگون کو کفار کے ستم سے نجات نہین مِل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائین۔ سب سے پہلے ابو سلمہ عبد اللہ بن اشہل پھر حضرت بلال موذن اور عمار یاسر نے ہجرت کی، اِنکے بعد **حضرت عمر** نے بیس آدمیون کے ساتھ مدینے کا قصد کیا۔ صحیح بخاری مین ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن نامون کی تفصیل نہین۔ ابن ہشام نے بعضون کے نام لکھے ہین اور وہ یہ ہین۔ زید بن خطاب۔ سعید بن زید بن خطاب۔ خنیس بن حذافہ سہمی۔ عمرو بن سُراقہ۔ عبد اللہ بن سراقہ۔ واقد بن عبد اللہ تمیمی۔ خولی بن ابی خولی۔ مالک بن ابی خولی۔ ایاس بن بکیر۔ عاقل بن بکیر۔ عامر بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ اِن مین سے زید حضرت عمر کے بھائی۔ سعید بھتیجے۔ خنیس داماد، اور باقی دوست احباب تھے۔

اول مہاجر مصعب
ابن عمیر رضی عنہ؟
متفق علیہ

حضرت عمر کے
ساتھ جن
لوگون نے
ہجرت کی

حضرت عمر کا
قیامگاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مہاجرین، زیادہ تر قبا مین (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر بھی یہین رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قُبا کو عوالی بھی کہتے ہین چنانچہ صحیح مسلم مین انکے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی، یہان تک کہ سنہ ۱۳ھ ۶۲۲ع نبوی مین خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

مدینہ پہنچکر سب سے پہلے آنحضرت نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انصار کو بلا کر ان مین اور مہاجرین مین برادری قائم کی جسکا یہ اثر ہوا کہ جو مُہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا انصاری۔ اسکو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزون مین سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا۔ اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے۔ اس رشتہ کے قائم کرنے مین آنحضرت طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اُسی رتبے کے انصاری کو اُسکا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمر کو جسکا بھائی قرار دیا اُنکا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلۂ بنی سالم کے سردار تھے[1]۔

مہاجرین اور انصار مین اخوت

حضرت عمر کے اسلامی بھائی

آنحضرت کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قبا ہی مین قیام رکھا۔ حضرت عمر بھی یہین مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دیکر بالالتزام آنحضرت کے پاس جاتے، اور دن دن بھر خدمتِ اقدس مین حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ اُنکے برادر اسلامی، عتبان بن مالک آنحضرت کی خدمت مین حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت سے سُنتے حضرت عمر سے جا کر روایت کرتے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب النکاح وغیرہ مین ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینے مین پہنچکر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائین کیونکہ مکہ معظمہ مین جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ تکب

---

[1] دیکھو سیرۃ بن ہشام۔ حافظ ابن حجر نے مقدمۂ فتح الباری (صفحہ ۳۲۱) مین عتبان کے بجائے اوس بن خولی کا نام لکھا ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ خود علامۂ موصوف نے اصابۃ مین ابن سعد کے حوالے سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے، اور اوس بن خولی کا جہان حال لکھا ہے، حضرت عمر کی اخوت کا کچھ ذکر نہین کیا۔

روزہ۔ زکوۃ۔ نماز جمعہ۔ نماز عید۔ صدقۂ فطر۔ کوئی چیز وجود مین نہین آئی تھی۔ نمازون مین بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازون مین صرف دو دو رکعتین تھین، یہان تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہین معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت نے اسکا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیون اور عیسائیون کے ہان نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی راے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت کی تجویز تھی، بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی راے قرار نہین پاتی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور اُنھون نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیون نہ مقرر کیا جاے۔ رسول اللہ صلعم نے اُسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا[۱]۔

اذان کا طریقہ حضرت عمر کی راے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان، نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے، حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہوسکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم اُنھی کی راے کے موافق قائم ہوا۔

سنہ ۱ ہجری ۶۲۲ء تا وفات رسول اللہ صلعم

غزوات و دیگر حالات

سنہ ۱ ہجری ۶۲۲ء سے آنحضرت کی وفات تک، حضرت عمر کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرت نبوی کے اجزا ہین۔ آنحضرت کو جو لڑائیان پیش آئین، غیر قومون سے جو معاہدات عمل مین آئے، وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کئے گئے، اشاعتِ اسلام کے لئے جو تدبیرین

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الاذان۔

اختیار کی گئین، ان مین سے ایک واقعہ بھی ایسا نہین جو حضرت عمر کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہوا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائین تو کتاب کا حصۂ سیرت نبوی سے بدل جاتا ہے، کیونکہ حضرت عمر کے یہ کارنامے، گو کتنے ہی عظیم الشان ہون لیکن چونکہ وہ رسول اللہ کے سلسلۂ حالات سے وابستہ ہین اس لئے جب قلمبند کئے جائینگے تو تمام واقعات کا **عنوان** رسول اللہ کا نام نامی قرار پائیگا اور حضرت عمر کے کارنامے ضمناً ذکر مین آئین گے۔ اِس لئے ہمنے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائین اور جن واقعات مین حضرت عمر کا خاص تعلق ہے اُنکو کسی قدر تفصیل سے لکھا جاے۔ اِس صورت مین اگرچہ حضرت عمر کے کارنامے نمایان ہو کر نظر نہ آئینگے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جاے۔ اُسکی اصلی شان قائم نہین رہتی، تاہم اِسکے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ۔ اُن واقعات کو لکھتے ہین۔

آنحضرتؐ نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانون کا جلد استیصال نہ کر دیا جائیگا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائینگے۔ اِس خیال سے انھون نے مدینہ پر حملے کی طیاریان شروع کین۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہین ہوا، صرف اِس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے لیکن آنحضرتؐ نے خبر پا کر اُنکے روکنے کے لئے تھوڑی سی فوجین بھیجدین اور وہ وہین رُک گئے۔

غزوۂ بدر سنہ ۲ھ

سنہ ۲ ہجری ۶۲۴ء مین بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اِسکی ابتدا یون ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لیکر شام سے واپس آرہا تھا راہ مین یہ (غلط) خبر سُنکر

کہ مسلمان اُسپر حملہ کرنا چاہتے ہین۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ اُمنڈ آیا۔ رسول اللہ صلعم یہ خبر سُنکر تین سو آدمیون کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہین ہوسکتی اُس مین جہان اِس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہین۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ	جیسا کہ تجھکو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے (مدینہ) سچائی کے ساتھ نکالا اور بیشک مسلمانون کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھسے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اسکے کہ سچی بات ظاہر ہوگئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہین اور وہ اسکو دیکھ رہے ہین اور جبکہ خدا دو گروہون مین سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ مین کچھ زور نہین ہے وہ ہات آئے۔

ان آیتون سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ۔

(۱) جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانون کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے مُنھ مین جاتا ہے۔

(۲) مدینے سے نکلنے کے وقت۔ کافرون کے دو گروہ تھے ایک غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃ یعنی ابوسفیان کا کاروانِ تجارت، اور دوسرا قریشِ مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لیے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اسکے علاوہ ابوسفیان کے قافلے مین کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت مدینے سے تین سو بہادرون کے ساتھ نکلے تھے، تین سو آدمی ۴۰ آدمیون کے مقابلے کو کسی طرح موت کے منھ مین جانا نہین خیال کرسکتے تھے۔ اس لئے اگر آنحضرت قافلے کے لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید مین یہ نہ فرماتا کہ مسلمان اُنکے مقابلے کو موت کے مُنھ مین جانا سمجھتے تھے۔

بہرحال ۸ - رمضان سنہ ۲ ہجری کو آنحضرت ۳۱۳ آدمیون کے ساتھ جنمین سے ۸۰ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی جن مین بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے۔ مقام بدر مین جو مدینۂ منورہ سے قریباً ۶ منزل ہے۔ معرکہ ہوا اور کفار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانون مین سے ۱۴ آدمی شہید ہوے جن مین ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے۔ قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے، مقتولین مین ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، اور بڑے بڑے رؤسا مکہ تھے، اور اُنکے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر اگرچہ اس معرکہ مین راے و تدبیر، جانبازی و پامردی، کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے۔ لیکن اُنکی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہین۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ مین آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر کے قبیلے مین سے ایک متنفس بھی شریک جنگ نہین ہوا[1]۔ اور یہ امر جہان تک قیاس کیا جا سکتا ہے

---

[1] طبری کبیر مین ہے ولم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منہم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج منہم رجل واحد صفحہ ۱۳۰۷۔

صرف حضرت عمر کے رعب و داب کا اثر تھا۔

(۲) حضرت عمر کے ساتھ انکے قبیلہ اور حلفاء کے ۱۲ - آدمی شریک جنگ تھے، جنکے یہ نام ہین۔ زید۔ عبد اللہ بن سراقہ۔ عمرو بن سراقہ۔ واقد بن عبد اللہ۔ خولی بن ابی خولی۔ مالک بن ابی خولی۔ عامر بن ربیعہ۔ عامر بن بکیر۔ عاقل بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ ایاس بن بکیر۔

(۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ مین شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمر کا غلام تھا[1]۔

(۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر کا ماموں تھا حضرت عمر کے ہات سے مارا گیا[2]۔ یہ بات حضرت عمر کی خصوصیات مین شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات مین قرابت اور محبت کا اثر۔ اُن پر کبھی غالب نہین آسکتا تھا چنانچہ یہ واقعہ اسکی پہلی مثال ہے۔

اس معرکے مین مخالف کی فوج مین سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے اُنکی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور اُنمین سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے مثلاً حضرت عباس عقیل (حضرت علی کے بھائی) ابو العاص بن الربیع۔ ولید بن الولید۔ اِن سردارون کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سمان تھا جس نے مسلمانون کے دل پر بھی اثر کیا یہان تک کہ رسول اللہ کی زوجۂ مبارکہ سودہ کی نظر جب اُن پر پڑی تو بے اختیار بول اُٹھین کہ اَعْطَیتُم بِاَیْدِیکُم هَلَّا مُتُّم کِرَامًا۔ تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفون کی طرح لڑکر مر نہین گئے۔

قیدیون کے معاملے مین حضرت عمر کی راے

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ اِن لوگون کے ساتھ کیا سلوک کیا جاے۔ رسول اللہ

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۴۹۰ - [2] ابن ہشام صفحہ ۵۰۹ و استیعاب۔

نے تمام صحابہ سے راے لی، اور لوگون نے مختلف رائین دین، حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہین، اس لئے ان سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے مین رشتہ و قرابت کو دخل نہین ان سب کو قتل کردینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم مین سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے، علیؓ عقیل کی گردن مارین حمزہ۔ عباس کا سر اڑا دین، اور فلان شخص جو میرا عزیز ہے اسکا کام مین تمام کردون[1]۔

آنحضرت نے شانِ رحمت کے اقتضا سے حضرت ابوبکر کی راے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ الخ	کسی پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہین کہ اسکے پاس قیدی ہون جبتک کہ وہ خوب خونریزی نہ کرلے۔

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینۂ منورہ اور اُسکے اطراف پر ایک مدت سے یہودیون نے قبضہ کر رکھا تھا آنحضرت۔ جب مدینہ مین تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ مین سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیون سے معاہدہ کیا کہ مسلمانون کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دینگے اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئیگا تو مسلمانون کی مدد کرینگے لیکن جب آنحضرت بدر سے فتحیاب آئے تو انکو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑکر، انکے برابر کے حریف نہ بن جائین، چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ قریش والے فنِ حرب سے ناآشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اسکو کہتے ہین۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۳۵۵۔

نوبت یہان تک پہنچی کہ رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا، توڑ ڈالا۔ آنحضرت نے شوال سنہ ۲ھ مین اُن پر چڑھائی کی اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلاوطن کر دیے گئے۔ اسلام کی تاریخ مین یہودیون سے لڑائیون کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اُسکی ابتدا اِسی سے ہوئی تھی۔

غزوہ سویق

قریش بدر مین شکست کھا کر انتقام کے جوش مین بے تاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لونگا غسل تک نکرونگا چنانچہ ذوالحجہ سنہ ۲ھ مین دو سو شتر سوارون کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچکر دھوکے سے دو مسلمانون کو پکڑا اور اُنکو قتل کر دیا۔ رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اِس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہان تک کہ شوال سنہ ۳ھ ۶۲۵ع مین جنگِ احد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

غزوہ احد سنہ ۳ھ

اِس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور اور بہت سے سردارانِ قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اُٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے، ابوسفیان نے قبول کیا اور اُسی وقت حملہ کی طیاریان شروع ہو گئین۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان اِن سب کا سپہ سالار بنکر بڑی سروسامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور ماہ شوال، بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچکر مقام کیا، آنحضرت کی راے تھی کہ مدینہ مین ٹھیر کر قریش کا حملہ روکا جاے، لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرت مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس مین

۲۰۰ سوار سوار اور ۷۰۰ سو زرہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اُسوقت تک یہ دونون صاحب اسلام نہین لائے تھے) اِدھر کُل ۷۰۰ آدمی تھے جن مین سو زرہ پوش اور صرف دو سو سوار تھے۔ مدینے سے قریباً تین میل پر اُحد ایک پہاڑ ہے۔ اُسکے دامن مین دونون فوجین صف آرا ہین۔ آنحضرت نے عبداللہ بن جبیر کو ۵۰ تیراندازون کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ اُدھر سے کفّار حملہ نہ کرنے پائین۔ ۷۔ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لیکر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، ابو دجانہ دشمن کی فوج مین گھس گئے اور اُنکی صفین اُلٹ دین۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیراندازون نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا اِس خیال سے وہ بھی لوٹنے مین مصروف ہوے۔ تیراندازون کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعۃً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔ مسلمان چونکہ ہتیار ڈال کر غنیمت مین مصروف ہو چکے تھے۔ اِس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفار نے رسول اللہ صلعم پر پتھرون اور تیرون کی بوچھار کی۔ یہان تک کہ آپکے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا، اور رخسارون مین مغفر کی کڑیان چبھ گئین۔ اِسکے ساتھ آپ ایک گڈھے مین گر پڑے اور لوگون کی نظر سے چھپ گئے۔ اِسی برہمی مین یہ غل پڑ گیا کہ رسول اللہ مارے گئے۔ اِس خبر نے مسلمانون کے استقلال کو اور متزلزل کر دیا اور جو جہان تھا وہین سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔

اِس امر مین اختلاف ہے کہ آنحضرت کے ساتھ اخیر وقت تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے

صحیح مسلم مین حضرت انس سے روایت ہے کہ اُحد مین آنحضرت کے ساتھ صرف سات انصار

اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہگئے تھے۔ نسائی اور بیہقی مین بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت کے ساتھ نہین رہا تھا۔ محمد بن سعد نے ۱۴ آدمیون کا نام لیا ہے، اسی طرح اور بھی مختلف روایتین ہین[1]۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین ان روایتون مین اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافرون نے دفعۃً عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہوکر جو جہان تھا وہین رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا، لوگ آنحضرت کے پاس پہنچتے گئے‘‘۔

تمام روایتون پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ اُنھون نے مدینے سے ادھر دم نہین لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضون نے مایوس ہوکر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے حضرت عمر اِس تیسرے گروہ مین تھے۔ علامۂ طبری نے بسند متصل جسکی رُواۃ ابن حمید، سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبد الرحمٰن بن رافع ہین۔ روایت کی ہے کہ اِس موقع پر جب انس بن نضر نے حضرت عمر اور طلحہ اور اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہوکر بیٹھ گئے ہین، تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، ان لوگون نے کہا کہ رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہکر کیا کروگے؟ تم بھی اُنھی کی طرح لڑکر مر جاؤ‘‘ یہ کہکر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی[2]۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گذرے اور مجھسے

---

[1] یہ پوری تفصیل فتح الباری مطبوعۂ مصر جلد ہفتم صفحہ ۲۷۳ مین ہے۔ [2] طبری صفحہ ۱۴۰۲۔

پوچھا کہ رسول اللہ پر کیا گذری، مین نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس نے کہا رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے" یہ کہکر تلوار میان سے کھینچ لی اور اِسقدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔[1] ابنِ ہشام مین ہے کہ انس نے اِس واقعہ مین ستّر زخم کھائے۔

طبری کی روایت مین یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر کے ساتھیون مین طلحہ کا نام بھی ہے اور یہ مُسلّم ہے کہ اِس معرکہ مین اُن سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہین رہا تھا۔

بہرحال یہ امر تمام روایتون سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت مین بھی حضرت عمر میدانِ جنگ سے نہین ہٹے اور جب آنحضرت کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمتِ اقدس مین پہنچے۔ طبری اور سیرت بن ہشام مین ہے۔

فلمّا عرف المسلمون رسول اللہ نهضوا به ونهض نحو الشعب معه علیّ بن ابی طالب و ابوبکر بن ابی قحافه و عمر بن الخطاب و طلحة بن عبید الله والزبیر بن العوام والحارث بن صمة	پھر جب مسلمانون نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت کے پاس پہنچے اور آپ لوگون کو لیکر پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے۔ اُسوقت آپ کے ساتھ حضرت علی، حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر، طلحہ بن عبید اللہ زبیر بن العوام۔ اور حارث بن صمتہ تھے۔

علّامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہین جنھون نے انساب الاشراف مین حضرت عمر کے حال مین یہ لکھا ہے۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۵۔

وكَانَ مِمّنْ انْكشفَ يَومَ اُحُدٍ فَغُفِرَ لَهُ۔	یعنی حضرت عمرؓ اُن لوگون مین تھے جو اُحد کے دن بھاگ گئے تھے۔ لیکن خدا نے اُنکو معاف کردیا۔

مۂ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جسکا یہ خلاصہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی فت کے زمانے مین لوگون کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگون نے کہا کہ اِن سے زیادہ مستحق آپکے فرزند عبد اللہ ہین۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہین، یونکہ اِسکا باپ اُحد کی لڑائی مین ثابت قدم رہا تھا اور عبد اللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) ہین رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اِسکے کہ درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ ا جسکو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہین کرسکتا تھا۔ اصولِ روایت کے لحاظ سے بھی ہم اسپر عتبار نہین کرسکتے۔ علامۂ موصوف نے جن رُواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اُنمین اس بن عبد اللہ الباکسائے اور عنیف بن اسحاق ہین اور یہ دونون مجہول الحال ہین۔ سکے علاوہ اور تمام روایتین اِسکے خلاف ہین۔

اِس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہین۔

لد ایک دستۂ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے، رسول اللہ اُس وقت تیس صحابہ کے تھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھکر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہان تک آنے پائین رت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھکر حملہ کیا اور اُن لوگونکو ہٹا دیا۔[1]

---

[1] سیرت بن ہشام صفحہ ۵۷۶ و طبری صفحہ ۱۴۱۱۔

ابوسفیان سالارِ قریش درہ کے قریب پہونچکر پکارا کہ اس گروہ مین محمدؐ ہین یا نہین؟ آنحضرت نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکر و عمر کا نام لیکر کہا کہ یہ دونون اس مجمع مین ہین یا نہین؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے،،۔ حضرت عمر سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا "او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہین" ابوسفیان نے کہا اعلُ ھُبَل یعنی "اے ہُبَل (ایک بُت کا نام تھا) بلند ہو،، رسول اللہ نے حضرت عمر سے فرمایا جواب دو اَللہُ اَعْلیٰ وَاَجَلُّ "یعنی خدا بلند و برتر ہے[1]۔

حضرت حفصہ کا عقد رسول اللہ کے ساتھ

اس سال حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد مین آئین۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت مین خُنَیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خُنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح مین لائین۔ اُنھون نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمان سے درخواست کی۔ وہ بھی چپ رہے۔ کیونکہ ان دونون صاحبون کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہین۔ چنانچہ شعبان سنہ ۳ھ مین آنحضرت نے حفصہ سے نکاح کیا۔

واقعۂ بنو نضیر سنہ ۴ھ ۶۲۶ع

سنہ ۴ھ ۶۲۶ع مین بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہین کہ مدینۂ منورہ مین یہود کے جو قبائل آباد تھے آنحضرت نے اُن سے صُلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اِنمین سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقضِ عہد کیا اور اِس جرم مین مدینے سے نکال دیے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ سنہ ۴ھ مین آنحضرت ایک معاملے مین

---

[1] سیرت ہشام صفحہ ۵۰۲ و طبری صفحہ ۱۴۱۷۔

استعانت کے لیے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر اُنکے پاس تشریف لے گئے اِن لوگون نے ایک شخص کو جسکا نام عمرو بن حجاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھکر آنحضرت کے سر پر پتھر کی سِل گرادے، وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت کو خبر ہوگئی۔ آپ اُٹھکر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ اُنھون نے انکار کیا اور مقابلے کی تیاریان کین، آنحضرت نے اُن پر قابو پاکر جلاوطن کردیا، چنانچہ اِن مین سے کچھ شام کو چلے گئے، کچھ خیبر مین جاکر آباد ہوئے اور وہان حکومت قائم کرلی[1]۔

خیبر والون مین سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع اور حُیَی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر مین پہنچکر مطمئن ہوئے تو آنحضرت سے انتقام لینا چاہا۔ مکہ معظمہ مین جاکر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا، اور تمام ملک مین ایک آگ لگادی۔ چند روز مین دس ہزار آدمی قریش کے علم تلے جمع ہوگئے اور شوال ۵ھ مین ابوسفیان کی سپہ سالاری مین اِس سیلاب نے مدینہ کا رُخ کیا۔ آنحضرت نے مدینے سے باہر نکل کر سلع[2] کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب مین خندق کا رواج نہ تھا اِس لیے کُفار کو اسکی کچھ تدبیرین نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کرکے ہر طرف فوجین پھیلا دین اور رسد وغیرہ بند کردی۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق اُتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت نے اِس غرض سے خندق کے اِدھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو معین کردیا تھا کہ دشمن اُدھر سے آنے پائے۔ ایک حصے پر حضرت عمر معین تھے چنانچہ یہان اُنکے نام کی ایک مسجد

جنگ خندق
یا احزاب
۵ھ
۶۲۷ء

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۰۲-۱۴۰۵۔ [2] یہ مدینے سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے ق۔

آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافرون نے حملے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے زبیر کے ساتھ آگے بڑھکر روکا اور اُنکی جماعت درہم وبرہم کردی[1]۔ ایک اور دن کافرون کے مقابلے مین اِس قدر اُن کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافرون نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ نے فرمایا مین نے بھی اب تک عصر کی نماز نہین پڑھی۔

اِس لڑائی مین عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پانسو سوارون کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی کی ہات سے مارا گیا۔ اِسکے مارے جانے کے بعد اُدھر تو قریش مین کچھ بیدلی پیدا ہوئی، اِدھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لاچکے تھے اور کافرون کو اِنکے اسلام کی خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے قریش اور یہود مین پھوٹ ڈلوا دی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہوگیا۔

واقعہ حدیبیہ
سنہ ۶ھ
۶۲۸ء

سنہ ۶ھ ۶۲۸ء مین آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانۂ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اِس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتیار باندھکر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچکر حضرت عمر کو خیال ہوا کہ اِس طرح چلنا مصلحت نہین، چنانچہ رسول اللہ کی خدمت مین عرض کی اور آپ نے انکی راے کے موافق مدینہ سے ہتیار منگوا لیے۔ جب مکہ معظمہ دو منزل رہگیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کرلیا ہے کہ مسلمانون کو مکہ مین قدم نہ رکھنے دینگے،، رسول اللہ نے

---

[1] یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا مین لکھا ہے لیکن مین نے کسی کتاب مین اسکی سند نہین پائی۔

چاہا کہ اکابر صحابہ مین کسی کو سفارت کے طور پر بھیجین کہ ہمکو لڑنا مقصود نہین چنانچہ حضرت عمرؓ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ اُنھون نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے میرے خاندان مین وہان کوئی شخص میرا حامی موجود نہین۔ عثمانؓ کے عزیز و اقارب وہین ہین اس لیے اُنکو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آنحضرتؐ نے اس راے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو رُوک رکھا اور جب کئی دن گذر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیے گئے۔ رسول اللہؐ نے یہ سُنکر صحابہ سے جو تعداد مین چودہ۱۴۰۰ سو تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعۃ الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت مین لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اُسکو بیعۃ الرضوان بھی کہتے ہین۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی طیّاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوۂ حدیبیہ) مین ہے کہ حدیبیہ مین حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبد اللہؓ کو بھیجا کہ فلان انصاری سے گھوڑا مانگ لائین۔ عبد اللہ بن عمرؓ باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرتؐ لوگون سے جہاد پر بیعت لے رہے ہین، اُنھون نے بھی جا کر بیعت کی، حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتیار سج رہے ہین عبد اللہؓ نے اُن سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ اُسی وقت اُٹھے اور جا کر آنحضرتؐ کے ہات پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہؐ مکہ مین ہرگز داخل نہین ہو سکتے۔ بڑے رد و بدل کے

بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان اُلٹے واپس جائین، اگلے سال آئین لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرین۔ معاہدہ مین یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثنا مین اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہان چلا جاے تو رسول اللہ اُسکو قریش کے پاس واپس بھیجدین لیکن مسلمانون مین سے اگر کوئی شخص قریش کے ہات آجاے تو اُنکو اختیار ہوگا کہ اُسکو اپنے پاس روک لین۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافرون کے حق مین زیادہ مفید تھی۔ حضرت عمر کو نہایت اضطراب ہوا، معاہدہ ابھی لکھا نہین جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دب کر کیون صلح کی جاے، اُنھون نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہین اسی مین مصلحت ہوگی، لیکن حضرت عمر کو تسکین نہین ہوئی، خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اسطرح گفتگو کی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ رسولِ خدا نہین ہین؟

رسول اللہ۔ بیشک ہون۔

حضرت عمر۔ کیا ہمارے دشمن مشرک نہین ہین؟

رسول اللہ۔ ضرور ہین۔

حضرت عمر۔ پھر ہم اپنے مذہب کو کیون ذلیل کرین۔

رسول اللہ صلعم۔ مین خدا کا پیغمبر ہون اور خدا کے حکم کے خلاف نہین کرتا۔

حضرت عمر کی یہ گفتگو اور خصوصاً اندازِ گفتگو اگرچہ خلافِ ادب تھا چنانچہ بعد مین انکو سخت ندامت ہوئی اور اسکے کفارہ کے لیے روزے رکھے، نفلین پڑھین، خیرات دی،

غلام آزاد کئے[1]۔ تاہم سوال و جواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ۔ کون سے افعال۔ انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہین اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اسکی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے مین آئیگی۔

غرض معاہدۂ صلح لکھا گیا اور اسپر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جس مین حضرت عمر بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت نے مدینہ منورہ کا قصد کیا، راہ مین سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آنحضرت نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھکو دنیا کی تمام چیزون سے زیادہ محبوب ہے، یہ کہکر آپ نے یہ آیتین پڑھین اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا[2]۔

محدثین نے لکھا ہے کہ اسوقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے۔ صلح ہوجانے سے آپس مین میل جول ہوا، اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلتے گئے۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸ برس ماقبل کی وسیع مدت مین نہین لائے تھے[3]۔ جس بناء پر رسول اللہ نے صلح کی تھی اور ابتداءً حضرت عمر کی فہم مین نہ آسکی، وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورۂ فتح مین اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

اس زمانے تک کافرہ عورتون کا عقد نکاح مین رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت

---

[1] طبری صفحہ ۱۵۴۶۔ [2] صحیح بخاری واقعہ حدیبیہ۔ [3] فتح الباری مطبوعۂ مصر جلد، صفحہ ۴۳ ذکر حدیبیہ۔

حضرت عمرکا اپنی بیویونکو طلاق دینا

نازل ہوئی وَلَا تُمسِكُوا بِعِصَمِ الكَوَافِرِ تو یہ امر ممنوع ہو گیا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونون بیویون کو جو کافرہ تھین طلاق دیدی۔ انمین سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا اُمّ کلثوم بنت جرول تھا۔ ان دونون کے طلاق دینے کے بعد، حضرت عمرؓ نے جمیلہ سے جو ثابت بن ابی الافلح کی بیٹی تھین نکاح کیا، حضرت عمرؓ کے فرزند عاصم انہی کے بطن سے[1] تھے۔

اسی سال رسول اللہ صلعم نے سلاطین اور والیانِ ملک کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔

سنہ ۷ھ ۶۲۹ء جنگ خیبر

سنہ ۷ھ مین خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلۂ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر مین جا کر آباد ہوئے، انھی مین سے سلام و کنانہ وغیرہ نے سنہ ۵ھ مین قریش کو جا کر بھڑکایا اور اُنکو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اس تدبیر مین اگرچہ اُن کو ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اُسکی تدبیرین کرتے رہتے تھے، چنانچہ سنہ ۶ھ مین قبیلۂ بنی سعد نے انکی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانسو اونٹ غنیمت مین ہات آئے[2]۔ پھر قبیلۂ غطفان کو آمادہ کیا چنانچہ جب آنحضرت خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سدِ راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضرور تھا کہ یہودیون کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان اُن کے خطرے سے مطمئن نہین ہو سکتے تھے۔

غرض سنہ ۷ھ مین آنحضرت نے چودہ سو ۱۴۰۰ پیدل اور دو سو ۲۰۰ سوارون کے ساتھ خیبر کا رُخ کیا۔ خیبر مین یہودیون نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا لئے تھے مثلاً حصنِ ناعم،

---

[1] طبری واقعات سنہ ۶ھ [2] مواہب لدنیہ و زرقانی ذکر سریۂ علی الی بنی سعد۔

حصنِ صعب۔ وطیح اور سلالم، یہ سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے لیکن وطیح و سلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہین ہو سکتے تھے، آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمر مامور ہوئے۔ وہ برابر دو دن جا جا کر لڑے لیکن دونون دن ناکام رہے، آنحضرت نے یہ دیکھکر فرمایا کہ کل مین ایسے شخص کو عَلَم دونگا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ عَلَمِ نبوی کی امید مین بڑے سرو سامان سے ہتیار سج سج کر آئے۔ ان مین حضرت عمر بھی تھے اور اُنکا خود بیان ہے کہ "مینے کبھی اِس موقع کے سوا عَلَم برداری اور افسری کی آرزو نہین کی"، لیکن قضا و قدر نے یہ فخر، حضرت علی کے لیئے اُٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت نے کسی کی طرف توجہ نہین کی اور حضرت علی کو بُلا کر عَلَم اُنکو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی کے ہات سے مارا گیا اور اُسکے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

خیبر کی زمین آنحضرت نے مجاہدون کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جسکا نام ثمغ تھا حضرت عمر کے حِصّے مین آیا، حضرت عمر نے اُسکو خدا کی راہ مین وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف مین یہ قصّہ بتفصیل مذکور ہے۔ اور اسلام کی تاریخ مین یہ پہلا **وقف** تھا جو عمل مین آیا۔

اسی سال آنحضرت نے حضرت عمر کو ۳۰۔ آدمیون کے ساتھ قبیلۂ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا اُن لوگون نے حضرت عمر کی آمد سُنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہین آیا۔

سنہ ۸ ھ مین مکّہ فتح ہوا۔ اسکی ابتدا یون ہوئی کہ حدیبیہ مین جو صلح قرار پائی تھی اُس مین یک شرط یہ بھی تھی کہ قبائلِ عرب مین جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے

سایۂ امن مین آئے۔ چنانچہ قبیلۂ خزاعہ نے آنحضرت کا اور خاندانِ بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ اِن دونون قبیلون مین مدّت سے اَن بن تھی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع مین آئی اور شرائط معاہدہ کی رُو سے دونون قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن چند ہی روز کے بعد بنو بکر نے نقضِ عہد کیا اور قریش نے اُنکی اعانت کی یہان تک کہ خزاعہ نے حرم مین جاکر پناہ لی تب بھی اُنکو پناہ نہ ملی خزاعہ نے جاکر آنحضرت سے استغاثہ کیا، ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لیے مدینۂ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت مین حاضر ہوکر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی، آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اُٹھکر حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کے پاس گیا کہ آپ اس معاملے کو طے کرا دیجیے۔ حضرت عمر نے اِس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل نا امید ہو گیا۔

آنحضرت نے مکّہ کی تیّاریان شروع کین، اور رمضان سنہ ۸ھ مین ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقام مرالظہران مین نزولِ اجلال ہوا تو حضرت عباس، آنحضرت کے خچّر پر سوار ہوکر مکّہ کی طرف چلے، اُدھر سے ابوسفیان آ رہا تھا حضرت عباس نے اُس سے کہا۔ آ مین تجھکو رسول اللہ سے امن دلا دون ورنہ آج تیری خیر نہین، ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباس کے ساتھ ہو لیا۔ راہ مین حضرت عمر کا سامنا ہوا، ابوسفیان کو ساتھ دیکھکر حضرت عمر نے خیال کیا کہ حضرت عباس اسکی سفارش کے لیے جا رہے ہین بڑی تیزی سے بڑھے۔ اور آنحضرت کی خدمت مین حاضر ہوکر کہا کہ مدّتون کے بعد اِس

دشمنِ اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجیے کہ اسکی گردن ماردون۔ حضرت عباس نے کہا اے عمر! ابو سفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہوتا اور تمھارے قبیلہ کا آدمی ہوتا، تو تم اس طرح اُسکی جان کے خواہان نہوتے"۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ" خدا کی قسم میرا باپ خطّاب اسلام لاتا تو مجھکو اتنی خوشی نہوتی جتنی اُس وقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے"۔ آنحضرت نے حضرت عباس کی سفارش قبول کی اور ابو سفیان کو امن دیا۔

آنحضرت بڑے جاہ وجلال سے مکّہ مین داخل ہوئے اور درِ کعبہ پر کھڑے ہوکر نہایت فصیح وبلیغ خطبہ پڑھا جو بعینہٖ تاریخون مین منقول ہے، پھر حضرت عمر کو ساتھ لیکر بمقام صفا پر لوگون سے بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہوے، لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے حضرت عمر آنحضرت سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتون کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہین کرتے تھے، حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ تم انسے بیعت لو، چنانچہ تمام عورتون نے انھین کے ہاتھ پر آنحضرت سے بیعت کی۔

غزوۂ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین[1] کے نام سے مشہور ہے۔

ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا، یہ لوگ ابتدا سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے آنحضرت جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگون کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے چنانچہ اُسی وقت جنگ کی تیاریان شروع کردین۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت مکہ پہنچے۔ تو مکہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑے سروسامان

---

[1] حنین۔ عرفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے نو دس میل ہے۔

سے روانہ ہوکر حنین مین ڈیرے ڈالے[۵۱]، آنحضرتؐ نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکۂ معظمہ سے روانہ ہوئے، حنین مین دونون فوجین صف آرا ہوئین۔ مسلمانون نے پہلے حملے مین ہوازن کو بھگا دیا[۵۲]، لیکن جب غنیمت کے لوٹنے مین مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانون مین ہل چل پڑگئی اور بارہ ہزار آدمیون مین سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے، اس معرکہ مین جو صحابہؓ ثابت قدم رہے، انکا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے، اور انہین حضرت عمرؓ بھی شامل ہین، چنانچہ علامۂ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق نے جو امام بخاری کے شیوخ حدیث مین داخل ہین اور مغازی وسیر کے امام مانے جاتے ہین کتاب المغازی مین لکھا ہے "و با پیغامبر چند تن از مہاجرین و انصار و اہل بیت باز ماندہ بودند۔ مثل ابوبکرؓ و علیؓ و عمرؓ و عباسؓ[۵۳] الخ۔

لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی یعنی مسلمانون کو فتح حاصل ہوئی اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

سنہ ۹ھ ۶۳۱ء مین یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریان کر رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ سنکر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا

---

[۵۱] تاریخ طبری۔ [۵۲] صحیح مسلم غزوہ حنین۔ [۵۳] ابن اسحاق کی اصل کتاب مین نے نہین دیکھی لیکن اسکا ایک نہایت قدیم ترجمہ زبانِ فارسی مین میری نظر سے گذرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے، یہ ترجمہ سنہ ۶۱۲ھ مین سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اسکا ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتب خانۂ عام مین موجود ہے۔

اس لیے لوگون کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمین پیش کین۔ حضرت عمر نے اس موقع پر تمام مال و اسباب مین سے آدھا لاکر آنحضرت کی خدمت مین پیش کیا[٥١] غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہوگیا تو آنحضرت مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن مقام تبوک مین پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اس لیے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال آنحضرت نے ازواج مطہرات سے ناراض ہوکر اُن سے علیحدگی اختیار کی اور چونکہ لوگون کو آپکے طرزِ عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی اس لئے تمام کو نہایت رنج و افسوس تھا تاہم کوئی شخص آنحضرت کی خدمت مین کچھ کہنے سننے کی جرأت نہین کرسکتا تھا۔ حضرت عمر نے حاضرِ خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمر نے پکار کر دربان سے کہا کہ ”شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ مین حفصہ (حضرت عمر کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجۂ مطہرہ) کی سفارش کے لیے آیا ہون، خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دین تو مین جاکر حفصہ کی گردن ماردون[٥٢]“۔ آنحضرت نے فوراً بلالیا، حضرت عمر نے عرض کی کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپ نے فرمایا کہ نہین“، حضرت عمر نے کہا۔ تمام مسلمان مسجد مین سوگوار بیٹھے ہین، آپ اجازت دین تو اُنکو یہ مژدہ سُنا آؤن، اس واقعہ سے حضرت عمر کے تقرب کا اندازہ ہوسکتا ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہ نے انھین واقعات

---

[٥١] ترمذی و ابوداؤد مین یہ واقعہ فضائل ابوبکر کے تحت مین منقول ہے لیکن غزوہ کی تعیین نہین ہے۔ [٥٢] صحیح مسلم باب الطلاق۔

کے سلسلے مین ایک موقع پر کہا کہ عمر! تم ہر چیز مین دخیل ہو گئے ہو یہان تک کہ اب ازواج کے معاملات مین بھی دخل دینا چاہتے ہو۔

سنہ ۱۰ھ ۶۳۲ء مین تمام اطرافِ عرب سے نہایت کثرت سے سفارتین آئین اور ہزارون لاکھون آدمی اسلام کے حلقے مین آئے۔

اسی سال آنحضرت نے حج کے لیے مکۂ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا اخیر حج تھا۔

سنہ ۱۱ھ ۶۳۲ء ماہ صفر مین آنحضرت نے رومیون کے مقابلے کے لیے اسامہ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ اُنکے ساتھ جائین، لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر مین آنحضرت بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرت بروایتِ مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بسندِ صحیح ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے۔ سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی مین یہی تعداد لکھی ہے[1]۔ بیماری کی حالت یکسان نہ تھی کبھی بخار کی شدّت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد مین جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہان تک کہ عینِ وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اُٹھا کر لوگون کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسّم فرمایا۔

قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ مین تمھارے لیے ایسی چیز لکھونگا

---

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۰۔

کہ تم آیندہ گمراہ نہوگے"، اسپر حضرت عمر نے لوگون کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ آنحضرت کو درد کی شدّت ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے"، حاضرین مین سے بعضون نے کہا کہ رسول اللہ بہکی باتین کررہے ہین (نعوذ باللہ) (روایت مین ھجر کا لفظ ہے جسکے معنی ہذیان کے ہین)۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے - ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی ور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہین اور اُمّت کے درد و غمخواری کے کے لحاظ سے فرماتے ہین"، کہ لاؤ مین ایک ہدایت نامہ لکھدون جو تمکو گمراہی سے حفوظ رکھے"، یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیے جو ہدایت ہوگی وہ منصب وت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لیے اُسمین سہو و خطا کا احتمال نہین ہو سکتا۔ وجود اسکے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ کچھ ضرورت نہین و قرآن کافی ہے"، طرّہ یہ کہ بعض روایتون مین ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے س ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)۔

یہ اعتراض ایک مُدّت سے چلا آتا ہے اور مسلمانون کے دو مختلف گروہ نے سپر بڑی طبع آزمائیان کی ہین۔ لیکن چونکہ اس بحث مین غیر متعلق باتین چھیڑ گئین ور اصولِ درایت سے کسی نے کام نہین لیا اس لیے اصل مسئلہ نا منفصل رہا او جیب عجیب بیکار بحثین پیدا ہوگئین یہان تک کہ یہ مسئلہ چھیڑ اگیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہو ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض مین ہے اور آنحضرت عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔

یہان دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتون مین منقول ہے اس سے کس پر استناد ہو سکتا ہے یا نہین؟ اس بحث کیلیے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) آنحضرت کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم مین بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لیے اس واقعہ کے بعد آنحضرت چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیماری مین آنحضرت کی نسبت، اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت مین کہین مذکور نہین۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیَ [illegible] کہ بہت سے طریقون سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری مین [illegible] ہے) باایہمہ بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے [illegible] حرف بھی منقول نہین۔

(۵) عبداللہ بن عباس کی عمر اُس وقت صرف ۱۳-۱۴- برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہین کہ یہ واقعہ اُنھون نے کس سے سنا[1]۔

---

[1] بخاری باب کتابۃ العلم مین جو حدیث مذکور ہے اُس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ مین موجود تھے۔ ابن حجر نے اسپر بحث کی ہے اور بدلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم۔

، تمام روایتون مین مذکور ہے کہ جب آنحضرت نے کاغذ قلم مانگا تو لوگون نے کہا رسول اللہ بہکی ہوئی باتین کر رہے ہین[1]"۔

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینۂ آنحضرت کے ختلال حواس کا کہین کسی روایت مین مذکور نہین، تو صرف اس قدر کہنے سے کہ "قلم دوات "لوگون کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا۔؟ فرض کرلو کہ انبیا سے ہذیان سرزد وسکتا ہے لیکن اسکے یہ تو معنی نہین کہ وہ معمولی بات بھی کہین تو ہذیان سمجھی جائے۔ ک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ مین ایسی چیز لکھدون کہ تم آیندہ مراہ نہو،" اسمین ہذیان کی کیا بات ہے[2]؟۔ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی س قدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت مین وہ واقعات چھوڑ دیے ہین جن کے ون کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ہوش مین نہین ہین اور بیہوشی کی حالت مین قلم دوات ب فرما رہے ہین۔ پس ایسی روایت سے جس مین کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری

---

[1] علامۂ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اسپر انکو ناز ہے کہ لوگون نے یہ لفظ انکار اور استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی کہ آنحضرت کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے خدانخواستہ آنحضرت کا قول ہذیان تو نہین کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے" تاویل لگتی ہوئی ہے۔ لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتون مین ایسے صاف الفاظ ہین جنمین اس تاویل کا احتمال نہین مثلاً ہجر (دو دفعہ) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہجر (صحیح مسلم) ۱۲

[2] ہمار ون نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ لکھنا نہین جانتے تھے اسلیے آپکا یہ فرمانا کہ "مین لکھدون" ہذیان کا قرینہ تھا ن وہ یہ معلوم نہین کہ لکھنے کے معنی لکھوانے کے بھی آتے ہین اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے ۱۲

خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، اسکے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جاسے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس اسکے راوی ہیں۔ اور یہ کہ انکی عمر اس وقت کل ۱۳-۱۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے، ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گران گذرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہہ کیا جاسے لیکن اُسکو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا، اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلعم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جاسے۔

غرض آنحضرت اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اثنا میں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپکی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگون کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا اور حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے[1]۔ لیکن حضرت عمر۔ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے ۱۲- ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر مین انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلنے پر مدفون ہوے۔ جماعت اسلام کو آپکی وفات سے جو صدمہ ہوا اُسکا اندازہ کون کر سکتا ہے؛ عام روایت ہے

---

[1] طبری صفحہ ۱۳-۱۸۔

حضرت عمر اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی مین جاکر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرت نے وفات پائی اُسکو قتل کرڈالونگا، لیکن اور قراین اس روایت کی تصدیق نہین کرتے ہمارے نزدیک چونکہ مدینے مین کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لیے آنحضرت کی وفات کا منتظر تھا اس لیے حضرت عمر نے مصلحتاً اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہوگا اسی واقعہ نے روایتون کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کرلی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ مین اس قسم کی تصریحات موجود ہین جو ہمارے اس قیاس سے مطابق نہین ہوسکتین۔

سقیفۂ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکر کی خلافت، اور حضرت عمر کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہین کہ جب آنحضرت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جاے، کِسکے قیاس مین آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائین اور جن لوگون کو انکے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ اُن کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائین، اور اس بند و بست مین مصروف ہون کہ مسندِ حکومت اورون کے قبضے مین نہ آجاے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگون سے (حضرت ابوبکر و عمر) سرزد ہوا جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے ہین، اس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایان ہوجاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگون کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی و خاندان بنی ہاشم، اُن پر فطرتی تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے اُن کو آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و

تکفین سے اِن باتون کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ کتب حدیث و سیرت سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہین ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ (و ابو بکر وغیرہ) آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ کو چلے گئے، یہ بھی سچ ہے کہ اُنھون نے سقیفہ مین پہنچکر خلافت کے باب مین انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششون مین مصروف رہے کہ گویا اُنپر کوئی حادثہ پیش ہی نہین آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اُنھون نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؓ سے بھی بزور منوانا چاہا، گو بنو ہاشم نے آسانی سے اُنکی خلافت تسلیم نہین کی۔ لیکن اس بحث مین غور طلب جو باتین ہین وہ یہ ہین۔

(۱) کیا خلافت کا سوال، حضرت عمرؓ وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ مین گئے تھے۔

(۳) کیا حضرت علیؓ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

(۴) ایسی حالت مین جو کچھ حضرت عمرؓ وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہیے تھا یا نہین۔

دو پہلی بحثون کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب، مسند ابو یعلی کی[1] عبارت نقل کرتے ہین جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ مین آسکتی ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ	حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے خانۂ مبارک
علیہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار	مین بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے

---

[1] دیکھو فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۳۔

ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکوا ھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق۔	آواز دی کہ ابن الخطاب! (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ مین نے کہا کہ چلو ہٹو، ہم لوگ آنحضرت کے بندوبست مین مشغول ہین۔ اُسنے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ مین اکٹھے ہوئے ہین اس لیے جلد پہنچکر اُن کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اٹھین جس سے لڑائی چھڑ جائے اُس وقت مین نے ابوبکر سے کہا کہ چلو۔

اس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے۔ خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اُس وقت جماعت اسلامی تین گروہون مین تقسیم کی جا سکتی تھی۔ بنو ہاشم جس مین حضرت علی شامل تھے۔ مہاجرین جنکے رئیس و افسر حضرت ابوبکر و عمر تھے۔ انصار جنکے شیخ القبیلہ عبادہ تھے۔ ان تینون مین سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ اظہار کردیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہونگے۔

> آنحضرت کی وفات کے دن حضرت علی مکان سے باہر نکلے، لوگون نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علی نے کہا خدا کے فضل سے آپ اچھے ہوگئے۔ حضرت عباس نے انکا ہاتھ پکڑکر کہا کہ خدا کی

قسم تم تین دن کے بعد غلامی کروگے، مین آنکھون سے دیکھ رہا ہون کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض مین وفات پائین گے، کیونکہ مجھکو اسکا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے، آؤ چلو، رسول اللہ سے پوچھ لین کہ آپ کے بعد یہ منصب (خلافت) کسکو حاصل ہوگا،، اگر ہم اسکے مستحق ہین تو رسول اللہ ہمارے لیے وصیت فرما دینگے،، حضرت علی نے کہا مین نہ پوچھونگا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت نے انکار کر دیا تو پھر آیندہ کوئی امید نہین رہیگی،،[١]۔

اس روایت سے حضرت عباس کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی کو آنحضرت کی وفات کا اُسوقت تک یقین نہ تھا اس لیے اُنھون نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہین سمجھا اسکے علاوہ اُنکو اپنے انتخاب کیے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کے گھر مین ایک مجمع ہوا جس مین تمام بنو ہاشم اور اُنکے اتباع شریک تھے اور حضرت علی اُنکے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری[٢] مین حضرت عمر کی زبانی روایت ہے۔

كان من خبرنا حين توفى الله نبيه ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرهم في سقيفة بني ساعدة وخالف عنا علي والزبير ومن معهما واجتمع المهاجرون الى ابي بكر	ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اُٹھا لیا تو انصار نے قاطبۃً ہماری مخالفت کی اور سقیفۂ بنی ساعدہ مین جمع ہوے اور علی و زبیر اور ان کے ساتھیون نے مخالفت کی۔ اور مہاجرین ابوبکر کے پاس جمع ہوے۔

---

[١] صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری۔ [٢] صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی۔

یہ تقریر حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع عام مین کی تھی جسمین سیکڑون صحابہ موجود تھے۔ اِس لیے اِس بات کا گمان نہین ہو سکتا کہ اُنھون نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو۔ ورنہ لوگ اُنکو وہین ٹوکتے۔ امام مالک کی روایت مین یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے، اسکے یہ الفاظ ہین[1]

وَاِنَّ علیا والزبیرَ وَمَن کانَ معہُما تخلفوا فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ	اور علی و زبیر اور جو لوگ انکے ساتھ تھے، وہ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر مین ہمسے الگ ہو کر جمع ہوئے۔

تاریخ طبری مین ہے[2]

وتخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہٗ حتی یُبایع علیٌّ۔	اور حضرت علی و زبیر نے علٰحدگی اختیار کی اور زبیر نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا کہ جبتک علی کے ہات پر بیعت نکیجائے مین تلوار کو میان مین نہ ڈالونگا۔

اِن تمام روایتون سے صاف یہ نتائج نکلتے ہین کہ۔

(۱) آنحضرت کے وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب مین تین گروہ ہو گئے، انصار۔ مہاجرین۔ بنو ہاشم۔

(۲) مہاجرین حضرت ابوبکر کے، اور بنو ہاشم حضرت علی کے ساتھ تھے۔

(۳) جسطرح حضرت عمر وغیرہ آنحضرت کو چھوڑکر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علی بھی آنحضرت کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہ کے گھر مین بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ مین حضرت علی کا نہ جانا اِس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت کے غم و الم مین مصروف

---

[1] فتح الباری شرح حدیث مذکور۔ [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۲۰۔

تھے۔ اور انکو ایسے پُردرد موقع پر خلافت کا خیال نہین آسکا تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ مین مہاجرین و انصار جمع تھے اور اِن دونون گروہ مین سے کوئی حضرت علی کے دعوے کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین۔ حضرت ابوبکر کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بیجا تھا یا بجا؟ اسکو ہر شخص جو ذرا بھی اصولِ تمدن سے واقفیت رکھتا ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت نے جس وقت وفات فرمائی مدینۂ منورہ منافقون سے بھرا ہوا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کردین۔ اس نازک وقت مین آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع و فزع اور گریہ و زاری مین مصروف رہین یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کرلیا جاے اور ایک منتظم حالت قائم ہوجائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر۔ حالت کو اور نازک کردیا کیونکہ قریش جو انصار کو اسقدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر مین جب انصار اُنکے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرت کو مخاطب کرکے کہا کہ محمد! ہم ناجنسون سے نہین لڑسکتے، کسی طرح انصار کے آگے سرِ تسلیم خم نہین کرسکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے، تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ مین جو خطبہ دیا اسمین صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا وان العرب لا تعرف هذا الامر الا لهذا الحی من قريش۔ اسکے علاوہ انصار مین خود دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور انہین باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت مین ضرور تھا کہ انصار کی دعوی خلافت کو دبا دیا جاے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کرلیا جاے۔ مجمع مین جو لوگ موجود تھے انہین سب سے با اثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابوبکر تھے، اور فوراً انکا انتخاب

ہو بھی جاتا لیکن لوگ، انصار کی بحث و نزاع مین پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلوارین میان سے نکل آئین، حضرت عمر نے یہ رنگ دیکھکر دفعتہً حضرت ابو بکر کے ہات مین ہات دیدیا کہ سب سے پہلے مین بیعت کرتا ہون۔ ساتھ ہی حضرت عثمان۔ ابو عبیدہ جراح عبد الرحمن بن عوف نے بھی ہاتھ بڑھائے[1] اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے ایک اُٹھتا ہوا طوفان رُک گیا، اور لوگ مطمئن ہوکر کاروبار مین مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر رُکے رہے اور حضرت فاطمہ کے گھر مین وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے، حضرت عمر نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علی کے سوا اور کسی کے آگے سر نہین جُھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف مین اور علامۂ طبری نے تاریخ کبیر مین روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے، حضرت فاطمہ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہمکو سب سے زیادہ محبوب ہین، تاہم اگر آپکے ہان لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو مین ان لوگون کی وجہ سے، گھر مین آگ لگا دونگا"۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہین کرسکتے کیونکہ اس روایت کی رُواۃ کا حال ہمکو نہین معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہین۔ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہین، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت مین حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیان کین انہین گو بعض بے اعتدالیان پائی جاتی ہون، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انھی بے اعتدالیون نے اُٹھتے ہوئے فتنون کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشین اگر قائم رہتین تو اُسی وقت جماعت اسلامی

---

[1] ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیۃ مین لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصون نے بیعت کی تھی۔

کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیان برپا ہو جاتین جو آگے چلکر جناب امیر علیہ السّلام اور امیر معاویہ مین واقع ہوئین۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کی مُدّت سوا دو برس ہے کیونکہ اُنھون نے جُمادی الثانی سـ۱۳ھ مین انتقال کیا۔ اِس عہد مین اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر ہی کی شرکت سے انجام پائے تاہم اُن واقعات کو ہم۔ الفاروق۔ مین نہین لِکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہین۔ اور اُس شخص کا حصّہ ہین جسکو حضرت ابوبکر کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکر کو اگرچہ مدّتون کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگران، حضرت عمر کے سوا اور کسی سے اُٹھ نہین سکتا تاہم وفات کے قریب، اُنھون نے عام راے کے اندازہ کرنے کے لیئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبد الرحمٰن بن عوف کو بلاکر پوچھا اُنھون نے کہا کہ عمر کی قابلیت مین کیا کلام ہے لیکن مزاج مین سختی ہے، حضرت ابوبکر نے فرمایا اُنکی سختی اِس لیئے تھی کہ مین نرم تھا، جب کام اُنھی پر آ پڑیگا تو وہ خود بخود نرم ہو جائینگے۔ پھر حضرت عثمان کو بلاکر پوچھا۔ اُنھون نے کہا ’’مین اِس قدر کہہ سکتا ہون کہ عمر کا باطن، ظاہر سے اچھا ہے۔ اور ہم لوگون مین اُنکا جواب نہین،، جب اِس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہین تو بعضون کو تردد ہوا چنانچہ طلحہ نے حضرت ابوبکر سے جاکر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے، عمر کا ہم لوگون کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو خدا جانے کیا کرینگے، آپ اب خدا کے ہان جاتے ہین یہ سوچ لیجیے کہ خدا کو کیا جواب دیجیےگا۔ حضرت ابوبکر

سے کہا مین خدا سے کہونگا کہ مین نے تیرے بندون پر اُس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندون مین سب سے زیادہ اَچھا تھا۔" یہ کہکر حضرت عثمانؓ کو بُلایا اور عہد نامۂ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھکر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھدیے کہ "مین عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہون" تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجھکو پڑھکر سُناؤ۔ حضرت عثمانؓ نے پڑھا تو بیاختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا کہ خدا تمکو جزاے خیر دے" عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو دیا کہ جاکر مجمع عام مین سُنائے، پھر خود بالاخانہ پر جاکر لوگون سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ مین نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ نہین مقرر کیا بلکہ عمرؓ کو مقرر کیا، کیا تم لوگ اِسپر راضی ہو؟ سب نے سمعنا واطعنا کہا۔ پھر حضرت عمرؓ کو بُلا کر نہایت موثر اور مفید نصیحتین کین جو حضرت عمرؓ کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجاے کام آئین ۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر کے عہد مین مُرتدینِ عرب اور مدعیانِ نبوّت کا خاتمہ ہوکر فتوحاتِ ملکی کا آغاز ہوچکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی سنہ ۱۲ ہجری مین عراق پر لشکرکشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہوگئے۔ سنہ ۱۳ ہجری ۶۳۴ء مین شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجین تمام اضلاع مین پھیل گئین۔ اِن مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عمر نے عنانِ خلافت ہاتھ مین لی تو سب سے ضروری کام انھی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اِسکے کہ ہم اِن واقعات کی تفصیل لکھین یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کو فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بائدہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اسکے حالات بالکل نامعلوم ہین تاہم اِس قدر مشہور ہے کہ عاد اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کرلیا تھا۔ عرب عربا جو یمن کے فرمانروا تھے اُنکی حکومت ایک زمانے مین بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہان تک کہ چند بار عراق پر قابض ہوگئے اور سلطنتِ فارس کے ساتھ اُنکو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومتِ فارس کے علاقہ مین آباد ہونے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اُسکے نام کو شہرت دیدی ہے، جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اسکے مطیع ہوگئے اور اس تعلق سے عراق مین جاکر آباد ہوگئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلین اِن مقامات مین آباد ہوتی گئین، یہان تک کہ ریاست کی

بنیاد پڑگئی۔ اور چونکہ اس زمانے مین سلطنتِ فارس مین طوائف الملوکی قائم ہوگئی تھی، عربون نے مستقل حکومت قائم کرلی جسکا پہلا فرمانروا مالک بن فہم عدنانی تھا۔ اس خاندان مین جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اسکا بھانجا عمرو بن عدی جو اسکے بعد تخت نشین ہوا اُسنے حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور مین اس قدر تمدن پیدا ہوگیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے[1] کہ مین نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انھی کتابون سے معلوم کئے جو حیرہ مین اس زمانے مین تصنیف ہوئی تھین۔ اسی زمانے مین اردشیر بن بابک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنالیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق مین فرمانروا رہا لیکن درحقیقت وہ سلطنتِ فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاپور بن اردشیر جو سلسلۂ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا اسکے عہد مین حجاز و یمن دونون باجگزار ہوگئے اور امرء القیس کندی ان صوبون کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہوجاتی تھی۔ چنانچہ سابور ذی الاکتاف جب صغر سنی مین فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب مین بغاوت پھیل گئی یہان تک کہ قبیلۂ عبد القیس نے خود فارس پر حملہ کردیا اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لئے۔ شاپور بڑا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ بحرین مین پہنچکر نہایت خونریزی کی اور قبیلۂ عبد القیس کو برباد کرتا ہوا مدینۂ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسای عرب جو گرفتار ہو کر اسکے

---

[1] ہشام کلبی نے یہ تصریح کتاب التیجان مین کی ہے۔

سامنے آتے تھے اُنکے شانے اُکھڑوا ڈالتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے عرب مین وہ ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطینِ حیرہ مین سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے مین تھا، عیسوی مذہب قبول کرلیا۔ اور اِس تبدیلِ مذہب پر یا اور کسی سبب سے پرویز نے اُسکو قید کردیا اور قید ہی مین اُسنے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دئے تھے جو قبیلۂ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اُس سے وہ چیزین طلب کین اور جب اُسنے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام مین بڑے سروسامان سے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیون نے شکست کھائی، اِس لڑائی مین جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ

ھذا اوّلُ یومٍ انتصفتِ العربُ مِنَ العجمِ	یعنی یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔

عرب کے تمام شعرا نے اِس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔

سنہ ۶ھ مین جب رسول اللہ صلعم نے تمام بادشاہون کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اِسکے کہ اِن خطوط مین جنگ وجدل کا اشارہ تک نہ تھا پرویز نے خط پڑھکر کہا کہ "میرا غلام ہوکر مجھکو یون لکھتا ہے"۔ اِسپر بھی قناعت نہ کی بلکہ باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیجو کہ محمد کو گرفتار کرکے دربار مین لائے"۔ اتفاق سے اِسی زمانے مین پرویز کو اُسکے بیٹے نے ہلاک کردیا اور معاملہ یہین تک رہگیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلیح وغسان وجذام

وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع مین جاکر آباد ہو گئے تھے۔ اِن لوگون نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے تھے۔ لیکن یہ لقب خود اِنکا خانہ ساز لقب تھا ورنہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے درحقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

اِن لوگون نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اِس وجہ سے اُنکو رومیون کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ سنہ ۶ھ مین جب رسول اللہ صلعم نے قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا اور دحیہ کلبی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض جذام مین پہنچے تو اِنہی شامی عربون نے دحیہ پر حملہ کیا اور اِنکا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اِسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دیکر بُصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمر بن شرجیل نے اُنکو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اُسکے انتقام کے لیے رسول اللہ نے سنہ ۸ھ مین فوج کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اِس لڑائی مین زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار، عبد اللہ بن رواحہ، جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے اور گو خالد کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جنگ درحقیقت شکست تھا۔

سنہ ۹ھ مین رومیون نے خاص مدینہ پر حملے کی طیاریان کین۔ لیکن جب رسول اللہ صلعم خود پیشقدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو اُنکو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہوا۔ اگرچہ اُس وقت عارضی طور سے لڑائی رُک گئی۔ لیکن رومی اور غسانی مسلمانون کی فکر سے بھی غافل نہین رہے

یہان تک کہ مسلمانون کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئین۔ صحیح بخاری مین ہے کہ جب رسول اللہ کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی تو ایک شخص نے حضرت عمر سے جا کر کہا کچھ تم نے سُنا!! حضرت عمر نے فرمایا کیون کہین غسانی تو نہین چڑھ آئے ؟۔ اِسی حفظ ما تقدم کے لیے سنہ ۱۱ ہجری مین رسول اللہ نے اُسامہ بن زید کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا حضرت ابوبکر و عمر اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائین۔ اُسامہ ابھی روانہ نہین ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکر مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونون ہمسایہ سلطنتون کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکر نے شام پر لشکرکشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم مین جو شخص مارا جائیگا شہید ہوگا اور جو بچ جائیگا مدافع عن الدین ہوگا یعنی دین کو اُسنے دشمنون کے حملے سے بچایا ہوگا"۔ ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ حضرت ابوبکر نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر نے جس کی تکمیل کی اُسکے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہین۔

فتوحات عراق[1]

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نوشیروانِ عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانے مین اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی۔ لیکن اسکے مرنے کے ساتھ دفعۃً ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ ایوانِ حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اُسکے بیٹے نے کُل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیون کو جو کم و بیش ۱۵ تھے قتل کرا دیا۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر مین تخت پر بیٹھا۔ لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اُسکو قتل کر دیا، اور آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ سنہ ہجری کا بارھوان سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریون نے اُسکو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان مین یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولادِ ذکور باقی نہین رہی تھی۔ پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد سنِ شعور کو پہنچ جائیگا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔[2]

---

[1] جغرافیہ نویسون نے عراق کے دو حصے کیے ہین۔ یعنی جو حصہ عرب سے ملحق ہے اُسکو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملحق ہے اسکو عراق عجم کہتے ہین۔ عراق عرب کی حدود اربعہ یہ ہین۔ شمال مین جزیرہ، جنوب مین بحرِ فارس، مشرق مین خوزستان اور مشرق مین دیار بکر ہے جسکا مشہور شہر موصل ہے۔ دار السلطنت اسکا بغداد ہے اور جو بڑے بڑے شہر اسمین آباد ہین وہ بصرہ، کوفہ، واسط، وغیرہ ہین ۱۲۔

[2] ہمارے مورخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنین کو عنوان قرار دیتے ہین۔ لیکن اسمین یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آتے ہین کہ سنہ ختم ہوا چاہتا ہے۔ اور اُنکو اُس سنہ کے تمام واقعات لکھنے ہین۔ اس لیے قبل اسکے کہ ایران کی فتوحات تمام ہون یا موزون موقع پر اُنکا سلسلہ ٹوٹے۔ شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ مین پیش آئے تھے چھیڑ دینا پڑتا ہے۔ اسلیے مین نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا۔ شام کو ایک جا اور مصر کو ایک جا لکھا ہے ۱۲ [3] شیرویہ کے بعد سلسلۂ حکومت کی ترتیب اور نامونکی تعیین مین۔ مورخین اس قدر مختلف ہین کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہین۔ فردوسی کا بیان سب سے الگ ہے۔ مینے بلحاظ قدیم العہد اور فارسی النسل ہونیکے ابو حنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے ۱۲

پرویز کے بعد جو انقلابات حکومت ہوتے رہے اُسکی وجہ سے ملک مین جا بجا بے امنی پھیل گئی چنانچہ پوران کے زمانے مین یہ مشہور ہوگیا کہ فارس مین کوئی وارثِ تاج و تخت نہین رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوانِ شاہی مین بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق مین قبیلۂ وائل کے دو سردارون مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرۃ۔ و اُبلہ کی طرف غارتگری شروع کی[1] یہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائلِ عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ مثنیٰ۔ نے حضرت ابوبکر کی خدمت مین حاضر ہوکر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن اسوقت تک اُنکا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکر کی خدمت سے واپس آکر اُنھون نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہوگیا[2]۔ اِن نومسلمون کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا رُخ کیا۔ اِدھر حضرت ابوبکر نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیے اور حیرۃ پر عَلَمِ فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ یہان نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد کے بڑے بڑے کارنامون پر مشتمل ہین لیکن اُنکے بیان کرنیکا یہ محل نہین۔ خالد نے مہماتِ عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اُدھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہان عیسائیون نے لڑنے کی طیاریان کی تھین اُسکے مقابلہ کا

---

[1] اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری ۱۱۲ [2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۴۱۔

وہان پورا سامان نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ربیع الثانی سنہ ۱۳ ہجری[1] مین خالد کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہون اور مثنیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائین۔ خالدؓ ادھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعۃً رُک گئین۔

حضرت عمرؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی۔ بیعتِ خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے بیشمار آدمی آئے تھے اور تین دن تک انکا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام مین جہاد کا وعظ کہا لیکن چونکہ لوگون کا عام خیال تھا کہ عراق۔ حکومتِ فارس کا پایۂ تخت ہے۔ اور وہ خالد کے بغیر فتح نہین ہو سکتا اس لیے سب خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے اُٹھکر کہا کہ "مسلمانو! مین نے مجوسیون کو آزما لیا ہے وہ مردِ میدان نہین ہین۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہین" حاضرین مین ابو عبید ثقفی بھی تھے جو قبیلۂ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ وہ جوش مین آکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا لھذا یعنی "اس کام کے لئے مَین ہون" ابو عبید کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اُٹھا کہ ہم بھی حاضر ہین۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مضافات سے ہزار[2] آدمی انتخاب کئے اور ابو عبید کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبید کو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے۔ اسوجہ سے اُنکی

---

[1] بلاذری صفحہ ۲۵۰۔ [2] یہ بلاذری کی روایت ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے ۵ ہزار تعداد لکھی ہے

افسری پر کسی کو خیال ہوا۔ یہان تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ عمرؓ! صحابہ مین سے کسی کو یہ منصب دو۔ فوج مین سیکڑون صحابہ ہین اور اُنکا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ تمکو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اِس شرف کو تم نے خود کھو دیا۔ یہ ہرگز نہین ہو سکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چرائین وہ افسر مقرر کیے جائین"۔ تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضرور تھی۔ ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ انکا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام مین اُن سے مشورہ لینا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین عراق پر جو حملہ ہوا اُسنے ایرانیون کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنرِ خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحبِ تدبیر تھا دربار مین طلب کیا اور وزیرِ حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ یہ کہکر اُسکے سر پر تاج رکھا اور درباریون کو جن مین تمام امرا اور اعیانِ سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ "رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کرین"۔ چونکہ اہلِ فارس اپنی نا اتفاقیون کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ اُنھون نے دل سے اِن احکام کی اطاعت کی۔ اِسکا یہ اثر ہوا کہ چند روز مین تمام بدانتظامیان مٹ گئین اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہرمز و پرویز کے زمانے مین اُسکو حاصل تھی۔

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اضلاعِ عراق مین ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیے جنھون نے مذہبی حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک مین مسلمانون کے برخلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے فرات کے تمام اضلاع مین ہنگامہ برپا ہو گیا اور جو مقامات مسلمانون کے قبضے مین آچکے تھے اُنکے ہاتھ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے رستم کی اعانت کیلیے

ایک اور فوج گران طیار کی اور نرسی و جاپان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان، عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اسکو خاص عداوت تھی۔ نرسی۔ کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض اضلاع، قدیم سے اسکی جاگیر تھے۔ یہ دونون افسر مختلف راستون سے عراق کی طرف بڑھے ادھر ابو عبید و مثنیٰ۔ حیرۃ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی طیاریون کا حال معلوم ہوا، مصلحت دیکھکر خفان کو ہٹ آئے۔ جاپان نمارق پہنچکر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبید نے اس اثنا مین فوج کو سروسامان سے آراستہ کرلیا۔ اور پیشقدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑھے، نمارق پر دونون فوجین صف آرا ہوئین۔ جاپان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ مین گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ۔ بدقسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاپان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اسکو گرفتار کیا تھا وہ اسکو پہچانتا نہ تھا جاپان نے اس سے کہا کہ اس بڑھاپے مین مین تمھارے کس کام کا ہون مجھکو چھوڑ دو۔ اور معاوضے مین مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اسنے منظور کرلیا۔ بعد کو، لوگون نے جاپان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہین چاہتے۔ لیکن ابو عبید نے کہا کہ اسلام مین بدعہدی جائز نہین۔

ابو عبید نے اس معرکے کے بعد کسکر کا رخ کیا جہان نرسی فوج لئے پڑا تھا۔ سقاطیہ مین دونون فوجین مقابل ہوئین۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ۔ میمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی مین دیر کر رہا

کر پایۂ تخت سے امدادی فوجین روانہ ہوچکی تھین۔ ابوعبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انھون نے بڑھکر جنگ شروع کردی۔ بہت بڑے معرکہ کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابوعبید نے خود سقاطیہ مین مقام کیا اور تھوڑی تھوڑی سی فوجین ہر طرف بھیجدین کہ ایرانیون نے جہان جہان پناہ لی ہے انکو وہان سے نکال دین۔

فرخ اور فراونداد جو بار وسما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہوگئے چنانچہ اظہار خلوص کیلیے ایک دن ابوعبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابوعبید نے دریافت کیا کہ یہ سامان کل فوج کے لیے ہے۔ یا صرف میرے لیے؟ فرخ نے کہا اس جلدی مین ساری فوج کا اہتمام نہین ہوسکتا تھا۔ ابوعبید نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمانون مین ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہین۔

اس شکست کی خبر سنکر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جسکو نوشیروان نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح وظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا اُسکے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جسکا نام مروحہ تھا دونون حریف صف آرا ہوے۔ چونکہ بیچ مین دریا حایل تھا بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار آترکر آؤ یا ہم آئین۔ ابوعبید کے تمام سردارون نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہمکو اسی طرف رہنا چاہیے۔ لیکن ابوعبید جو شجاعت کے نشے مین سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے سردارون سے کہا یہ نہین ہوسکتا کہ جانبازی کے میدان مین مجوسی

ہم سے آگے بڑھ جائین"۔ مردان شاہ جو پیغام لیکر آیا تھا اُسنے کہا ہماری فوج مین عام خیال ہے کہ عرب مرد میدان نہین ہین"۔ اِس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابو عبیدہ نے اُسیوقت فوج کو کمربندی کا حکم دیدیا۔ مثنی اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسرانِ فوج اِس راے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت وشان مین اُنکا رتبہ ابو عبیدہ سے بڑھکر تھا۔ جب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو اُن لوگون نے کہا کہ اگرچہ ہمکو قطعی یقین ہے کہ اِس راے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہوگی تاہم اِس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہین۔ غرض کشتیون کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اُتر کر غنیم سے معرکہ آرا ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اِس لیے مسلمانون کو موقع نہین مِل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑون پر آہنی پاکھرین تھین سوار سمور کی لمبی ٹوپیان اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑون نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہین دیکھا تھا بِدک کر پیچھے ہٹے۔ ابو عبیدہ نے دیکھا کہ ہاتھیون کے سامنے کچھ زور نہین چلتا، گھوڑے سے کود پڑے۔ اور ساتھیون کو للکارا کہ جانبازو! ہاتھیون کو بیچ مین لے لو اور ہودون کو سوارون سمیت اُلٹ دو"۔ اِس آواز کے ساتھ سب گھوڑون سے کود پڑے اور ہودون کی تنیان کاٹ کاٹ کر فیل نشینون کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ ابو عبیدہ یہ دیکھکر پیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہوگئی۔ ہاتھی نے بڑھکر اُنکو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پانون رکھدیے کہ ہڈیان تک چور

چور ہو گئے تھے۔

ابوعبیدہ کے مرنے پر اُنکے بھائی حکم نے عَلَم ہات مین لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ ہاتھی نے ابوعبیدہ کی طرح اُنکو بھی پانون مین لپیٹ کر مَسَل دیا۔ اِس طرح سات آدمیون نے جو سب کے سب ابوعبیدہ کے ہم نسب اور خاندانِ ثقیف سے تھے، باری باری عَلَم ہات مین لئے اور مارے گئے۔ آخر مین مثنیٰ نے عَلَم لیا۔ لیکن اُسوقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور فوج مین بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ طُرّہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پُل کے تختے توڑ دیے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اِسطرح بدحواس ہوکر بھاگے تھے کہ پُل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا مین کود پڑے۔ مثنیٰ نے دوبارہ پُل بندھوایا اور سوارون کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتون کو اطمینان سے پار اُتار دے۔ خود بھی کچھ فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور بڑی ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی مسلمانون کو دباتے آتے تھے رُک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار ۹۰۰۰ فوج مین سے صرف تین ہزار ۳۰۰۰ رہگئی۔

اسلام کی تاریخ مین۔ میدانِ جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ اور نادر وقوع مین آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آگیا ہے تو اُسکا عجیب افسوسناک اثر ہوا ہے۔ اِس لڑائی مین جن لوگون کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھرونکو نہین جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے اور لوگون سے مُنھ چھپاتے پھرتے۔ مدینہ منورہ مین یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑگیا لوگ مسلمانون کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ پہنچکر گھرون مین روپوش تھے اور شرم سے باہر نہین نکلتے تھے۔ حضرت عمر اُنکے پاس جاکر اُنکو تسلی دیتے تھے اور کہتے

تھے کہ تم اَو مُتَحَیِّزاً اِلیٰ فِئَۃٍ میں داخل ہو۔ لیکن اُنکو اِس تاویل سے تسلّی نہین ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان سنہ ۱۳ھ مین۔ واقع ہوا۔ اِس لڑائی مین نامور صحابیون مین سے جو لوگ شہید ہوئے وہ سلیط۔ ابو زید انصاری۔ عقبہ و عبداللہ پسران قبطی بن قیس۔ یزید بن قیس الانصاری۔ ابو امیۃ الفزاری وغیرہ تھے۔

واقعۂ بویب رمضان سنہ ۱ھ ۶۳۵ء

اِس شکست نے حضرت عمر کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی طیّاریان کین۔ تمام عرب مین خطبا اور نقیب بھیجدیے جنھون نے پُرجوش تقریرون سے تمام عرب مین ایک آگ لگادی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل اُمنڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سوارون کو ساتھ لے کر آیا۔ بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لیکر پہنچے۔ اِسی طرح قبیلہ رباب۔ بنو کنانہ۔ خثعم۔ بنو حنظلہ۔ بنو ضبہ۔ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سردارون کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہان تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سردارون نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمر کی خدمت مین حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اِس قومی معرکہ مین ہم بھی قوم کے ساتھ ہین"۔ اِن دونون سردارون کے ساتھ اُنکے قبیلے کے ہزارون آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش مین لبریز تھے۔

اتفاق سے اِنھی دنون جریر بجلی دربارِ خلافت مین حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا اور جناب رسول اللہ کی خدمت مین حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلعم سے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہین آئی تھی، حضرت عمر کے پاس حاضر ہوا تو اُنھون نے عرب کے تمام عُمّال کے نام احکام بھیجدیے کہ جہان جہان اِسکے قبیلے کے آدمی ہون تاریخ معیّن پر اسکے پاس پہنچ جائین۔ جریر یہ جمعیت اعظم لیکر دوبارہ مدینہ مین حاضر ہوے۔

اُدھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات مین نُقبا بھیجکر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ ایرانی جاسوسون نے یہ خبرین شاہی دربار مین پہنچائین۔ پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کیے جائین اور مہران بن مہرویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جاے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اُسنے خود عرب مین تربیت پائی تھی اور اِس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجون نے یہان پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ مہران، پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریاے فرات کو بیچ مین ڈال کر خیمہ زن ہوا صبح ہوئے فرات اُتر کر بڑے سرو سامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ مثنیٰ نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصّے کر کے بڑے بڑے نامورون کی ماتحتی مین دیے۔ چنانچہ میمنہ پر مذعور۔ میسرہ پر نسیر۔ پیدل پر مسعود، والنٹیر پر عاصم۔ گشت کی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ نے اِس سرے سے اُس سرے تک ایکبار چکر لگایا اور ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ بہادرو! دیکھنا! تمھاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آئے"۔

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج

حربہ و ہتیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر ابھی نہین کہی تھی کہ ایرانیون نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھکر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش مین آ کر صف سے آگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصّے مین آ کر داڑھی دانتون مین دبالی اور پکارے کہ "خدا کے لیے اسلام کو رسوا نہ کرو"۔ اِس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہان جگہ تھی وہین آ کر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہکر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اِس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہین یہ نامردانہ غل ہے۔ عیسائی سردارون کو جو ساتھ تھے بُلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہمقوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ مین مہران پر حملہ کرتا ہون تم ساتھ رہنا۔ اُنھون نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے اِن سردارون کو دونون بازوؤن پر لے کر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ مین مہران کا میمنہ توڑ کر قلب مین گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اِس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانون کے قدم اُکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے للکارا کہ "مسلمانو! کہان جاتے ہو؟ مین یہ کھڑا ہون"۔ اِس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے[۱]۔ مثنیٰ نے اُنکو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اِس حالت مین مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ اُنکی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی۔ مثنیٰ نے للکارا کہ "مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہین شرفاؤن ہی جان دیا کرتے ہین۔ دیکھو تمھارے عَلَم جھکنے نہ پائین"۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ "میرے مرنے سے بیدل نہونا"۔

---

[۱] الاخبار الطوال لابی حنیفۃ الدینوری ۱۲

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اُتر کر اُسکو گود مین لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانون کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔ شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اُسکا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ مین پکارا "مین ہون تغلب کا نوجوان اور رئیسِ عجم کا قاتل"[1]۔

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پُل کے پاس پہنچکر رستہ رُوک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائین۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بیشمار لاشین اپنی یادگار مین نہین چھوڑین۔ چنانچہ مدتون کے بعد جب مسافرون کا اُدھر گذر ہوا تو اُنھون نے جا بجا ہڈیون کے انبار پائے۔ اِس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربون پر عجم کا جو رُعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ اُنکو یقین ہو گیا کہ اب سلطنتِ کسریٰ کے اخیر دن آ گئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے مین بارہا عجم سے لڑ چکا ہون۔ اُس وقت سَو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اِس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ مین پھیل پڑے۔

---

[1] طبری بروایت سیف۔

جہان اب بغداد آباد ہے اُس زمانے مین وہان بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنی نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اور بیشمار نقد او راسباب ہاتھ آیا۔ پایۂ تخت مین یہ خبرین پہنچین تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ زنانہ حکومت، اور آپس کے اختلاف کا یہی نتیجہ تھا۔ اُسی وقت پوران دخت کو تخت سے اُتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس[1] کا جوان تھا اور خاندانِ کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہگیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و بازو تھے اور آپس مین عناد رکھتے تھے درباریون نے اُن سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونون متفق ہو کر کام نہین کرتے تو ہم خود تمھارا فیصلہ کئے دیتے ہین۔ غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت مین نئے سرے جان آگئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہان جہان جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیان مستحکم کر دی گئین، عراق کی آبادیان جو فتح ہو چکی تھین۔ عجم کا سہارا پا کر وہان بھی بغاوت پھیل گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانون کے ہات سے نکل گئے۔

حضرت عمر کو یہ خبرین پہنچین تو فوراً مثنی کو حکم بھیجا کہ فوجون کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود مین پھیلے ہوئے ہین اُنکو طلبی کا حکم بھیجدو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائین۔

اِسکے ساتھ خود بڑے سروسامان سے فوجی طیاریان شروع کین، ہر طرف نقیب دوڑائے اور اضلاع عرب مین جہان جہان کوئی۔ بہادر۔ رئیس۔ صاحب تدبیر۔ شاعر۔ خطیب

---

[1] یہ ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے۔ طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے۔

اہل الرائے ہو۔ فوراً دربارِ خلافت مین آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود مکّہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہین ہوئے تھے کہ ہرطرف سے قبائلِ عرب کا طوفان اُمنڈ آیا۔ سعد بن وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے جن مین سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضر موت، صدف، مذحج، قیس، عیلان کے بڑے بڑے سردار ہزارون کی جمعیت لیکر آئے۔ مشہور قبائل مین سے یمن کے ہزار۔ بنو تمیم و رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر حج کرکے واپس آئے تو جہان تک نگاہ جاتی تھی آدمیون کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو۔ مین خود سپہ سالار بنکر چلونگا۔ چنانچہ ہراول پر طلحہ۔ میمنہ پر زبیر۔ میسرہ پر عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علی کو بُلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، حضرت عمر کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمرین باندھ لین۔ صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہان پہنچکر مقام کیا اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکۂ جنگ مین جانا بعض مصلحتون کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اِس لئے صرار مین فوج کو جمع کرکے تمام لوگون سے رائے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المومنین! یہ مہم آپکے بغیر سر نہوگی"۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اِسکے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونو پہلو ہین اگر

خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپکو صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہوکر ایک پُر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کرکے کہا کہ مین تمہاری راے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اِس راے سے متفق نہین۔ غرض اِسپر اتفاق ہوگیا کہ حضرت عمرؓ خود سپہ سالار بنکر نجائین۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اِس بار گران کے اُٹھانے کے قابل نہین ملتا تھا۔ ابو عبیدہ و خالد۔ شام کی مہمات مین مصروف تھے۔ حضرت علی علیہ السّلام سے درخواست کی گئی مگر اُنھون نے انکار کیا۔ لوگ اِسی حیص وبیص مین تھے کہ دفعۃً عبد الرحمن بن عوف نے اُٹھکر کہا کہ مَین نے پالیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص۔

سعد بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ کے ماموں تھے انکی بہادری اور شجاعت بھی مسلّم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتون کی طرف سے اطمینانؔ تھا اِس بنا پر حضرت عمرؓ کو پھر بھی تردد تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبد الرحمن بن عوف کی راے کی تائید کی تو چار ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے، لشکر کی تمام مہمّات قبضہ اختیار مین رکھین۔ چنانچہ اِن معرکون مین اوّل سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بند و بست، لشکر کی ترتیب، فوجون کی تقسیم۔ وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی آنکی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہین پاسکتا تھا۔ یہان تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلین بھی خود حضرت عمرؓ ہی نے نامزد کردی تھین۔ چنانچہ مؤرخ طبری نے نام بنام اُنکی تصریح کردی ہے۔

غرض سعد نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینۂ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷-۱۸ منزلین طے کرکے ثعلبہ پہنچے اور یہان مقام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہان مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہان قیام رہا۔ مثنّیٰ موضع ذی قار مین آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے جن مین خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنّیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہوکر کوفہ پر بڑھین۔ لیکن جسر کے معرکے مین جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اُسی کے صدمے سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر شراف مین ڈیرے ڈالے۔ یہان مثنّیٰ کے بھائی مُعنّیٰ اُن سے آکر ملے اور مثنّیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے سعد سے بیان کئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ جہان فوج کا پڑاؤ ہو وہان کے تمام حالات لکھکر آئین۔ سعد نے اُس مقام کا نقشہ لشکر کا پھیلاؤ۔ فرودگاہ کا ڈھنگ۔ رسد کی کیفیت۔ اِن تمام حالات سے اُنکو اطلاع دی۔ وہان سے ایک مفصّل فرمان آیا جس مین بہت سی ہدایتین۔ اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے اِن احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جایزہ لیا جو کم وبیش تیس ہزار ٹھہری پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کرکے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصّون اور اُنکے افسرون کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

---

[1] بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرود لکھا ہے۔ یہ دونون مقام آپس مین نہایت متصل اور بالکل قریب ہین۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قتادۃ	جاہلیت مین یہ بحرین کے بادشاہ تھے۔ رسول اللہ کی خدمت مین اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہوکر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔
میمنہ (دایان حصہ)	عبداللہ بن المعتصم	صحابی تھے۔
میسرہ (بایان حصہ)	شرحبیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے۔ مرتدین کی جنگ مین نمایان شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجرد (بیقاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعۃ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شترسوار	عبداللہ بن ذی السہمین	
قاضی و خزانچی	عبدالرحمن بن ربیعۃ الباہلی	
رائد یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والے	سلمان فارسی	مشہور صحابی ہین۔ فارس کے رہنے والے تھے۔
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	

طبیب[1]۔

اُمرائے اعشار مین سے ستّر وہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر مین شریک تھے۔ تین سَو وہ جو بیعۃ الرضوان مین حاضر تھے۔ اِسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکّہ مین شریک تھے۔ سات سَو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی مین تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جسکا مضمون یہ تھا "کہ شراف سے آگے بڑھکر قادسیہ[2] مین مقام کرو اور اِس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہون تاکہ فتح ہو تو جہان تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑون کی پناہ مین آسکو۔"

قادسیہ نہایت شاداب اور نہرون اور پُلون کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمر جاہلیت مین اِن مقامات سے اکثر گذرے تھے۔ اور اِس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ سعد کو جو فرمان بھیجا اُسمین قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا تاہم چونکہ پُرانا تجربہ تھا سعد کو لکھا کہ "قادسیہ پہنچکر سرزمین کا پورا نقشہ لکھکر بھیجو۔ کیونکہ مین نے بعض ضروری باتین اسی وجہ سے نہین لکھین کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھکو معلوم نہ تھے"۔ سعد نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربارِ خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد۔ شراف سے چلکر عذیب پہنچے، یہان عجمیونکا میگزین

---

[1] افسوس ہے کہ طبری نے طبیبون کے نام نہین لکھے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فوج کے ساتھ طبیب بھیجے

[2] یہ کوفہ سے ۵۰ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا ۱۲

رہا کرتا تھا اور بروہ مفت ہات آیا۔ قادسیہ پہنچکر سعد نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبر لائین۔ اُنھون نے آکر بیان کیا کہ رستم (پسر فرخ زاد) جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مداین سے چل کر ساباط مین ٹھہرا ہے۔ سعد نے حضرت عمر کو اطلاع دی وہان سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بنکر جائین اور اُنکو اسلام کی رغبت دلائین۔ سعد نے سردارانِ قبایل مین سے چودہ نامور شخص انتخاب کیے جو مختلف صفتون کی لحاظ سے تمام عرب مین انتخاب تھے۔ عطارد بن حاجب۔ اشعث بن قیس۔ حارث بن حسان۔ عاصم بن عمر۔ عمرو معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن حارثہ۔ قدوقامت۔ اور ظاہری رعب وداب کے لحاظ سے تمام عرب مین مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم۔ حملہ بن جویۃ۔ حنظلۃ بن الربیع التیمی۔ فرات بن حیان ابلی۔ عدی بن سہیل۔ مغیرہ بن زرارہ، عقل وتدبیر۔ اور حزم وسیاست مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے۔

ساسانیون کا پای تخت، قدیم زمانے مین اصطخر تھا۔ لیکن نوشیروان نے مداین کو دار السلطنت قرار دیا تھا اور اُس وقت سے وہی پای تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰-۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سُفرا گھوڑے اُڑاتے ہوے سیدھے مداین پہنچے۔ راہ مین جدھر سے گذر ہوتا تھا تماشائیون کی بھیڑ لگ جاتی تھی یہان تک کہ آستانۂ سلطنت کے قریب پہنچکر ٹھیرے۔ اگرچہ اُنکی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑون پر زین اور ہاتھون مین ہتیار تک نہ تھا تاہم بیباکی اور دلیری اُنکے چہرون سے ٹپکتی تھی اور تماشائیون پر اِسکا اثر پڑتا تھا گھوڑے جو سواری مین تھے رانون سے نکلے جاتے تھے

اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپون کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اُسنے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سُفرا آئے ہین۔ یہ سنکر بڑے سروسامان سے دربار سجایا اور سُفرا کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جُبّے پہنے، کاندھون پر یمنی چادرین ڈالے، ہاتھون مین کوڑے لیے، موزے چڑھائے دربار مین داخل ہوئے۔ پچھلے معرکون نے تمام ایران مین عرب کی دھاک بٹھا دی تھی یزدگرد نے سفیرون کو اس شان سے دیکھا تو اُسپر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی مین چادر کو کیا کہتے ہین؟ - انھون نے کہا بُرد۔ اُسنے (فارسی معنی کے لحاظ سے) کہا کہ ”جہان بُرد“ پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ اِن لوگون نے کہا ”سوط“ وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ پارس را سوختند۔ اِن بدفالیون پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہین کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اِس مُلک مین کیون آئے ہو؟ - نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لیے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزین پیش کرتے ہین جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا تمکو یاد نہین کہ تمام دنیا مین تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمیندارون کو حکم بھیجدیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اِسپر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نکر سکے اور اُٹھکر کہا کہ یہ لوگ (اپنے رفیقون کی طرف اشارہ کرکے) رؤساے عرب ہین اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہین

کرتے - انھون نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا - لیکن کہنے کے قابل باتین رہ گئین - اُنکو مین بیان کرتا ہون - یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے - آپس مین کٹتے مرتے تھے - اپنی لڑکیون کو زندہ گاڑ دیتے تھے - لیکن خدا تعالےٰ نے ہمپر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب مین ہم سب سے ممتاز تھا - اوّل اوّل ہمنے اُسکی مخالفت کی - وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے - وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے - لیکن رفتہ رفتہ اُسکی بات نے دلون مین اثر کیا - وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا - اور جو کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا - اُسنے ہمکو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو - جو لوگ اسلام لائین وہ تمام حقوق مین تمھارے برابر ہین - جنکو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہون وہ اسلام کی حمایت مین ہین - جسکو دونون باتون سے انکار ہو اُسکے لیے تلوار ہے"۔ یزدگرد غصّے سے بیتاب ہوگیا اور کہا کہ اگر قاصدون کا قتل جائز ہوتا تو تم مین سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا - یہ کہکر مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم مین سب سے معزز کون ہے؟ - عاصم بن عمر نے بڑھکر کہا "مین" - ملازمون نے ٹوکرا اُنکے سر پر رکھدیا - وہ گھوڑا اُڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہمکو دیدی" -

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونون طرف سکوت رہا - رستم جو سلطنتِ فارس کیطرف سے اس مہم پر مامور تھا ساباط مین لشکر لیے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا - اِدھر مسلمانون کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لیے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے - اس عرصے مین بعض بعض رئیس اُدھر سے اِدھر آگئے - ان مین جوشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا - اِس حالت نے طول کھینچا تو

رعایا جوق جوق یزدگرد کے پاس پہنچکر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہلِ عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہین۔ چارناچار رستم کو مقابلے کے لیے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچکر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گذری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیان کین۔ تمام افسر شراب پی کر بدمستیان کرتے تھے اور لوگون کے ناموس تک کا لحاظ نہین رکھتے تھے۔ اِن باتون نے عام ملک مین یہ خیال پھیلادیا کہ سلطنتِ عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجین جس دن ساباط سے بڑھین سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلادیے کہ دم دم کی خبرین پہنچتی رہین۔ فوج کا رنگ ڈھنگ۔ لشکر کی ترتیب۔ اُتارے کا رُخ۔ اِن باتون کے دریافت کے لیے فوجی افسر متعین کیے۔ اِنہین کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہوجاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ طلیحہ۔ رات کے وقت رستم کے لشکر مین لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی۔ اِس عرصے مین لوگ جاگ اُٹھے اور اُنکا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اُسنے قریب پہنچکر برچھی کا وار کیا۔ اُنھون نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا اُنھون نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہوگئی۔ اُسکے ساتھ دو اور سوار تھے۔ اُنمین سے ایک اُنکے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اِس شرط پر امان طلب کی کہ مین قیدی بنکر ساتھ چلتا ہون۔ اتنے عرصے مین تمام فوج مین ہل چل پڑگئی۔ اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے

سعد کے سامنے آکر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونون سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مُسلم رکھا گیا اور اُسکی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہین ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکون مین شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے جی چُراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی۔ سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمھارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعد نے ربعی بن عامر کو اِس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب ہیئت سے چلے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اورہی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر مین رسّی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ اِس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ اُدھر ایرانیون نے بڑے سر و سامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش۔ زرین گاؤ تکیے۔ حریر کے پردے۔ صدر مین مرصع تخت۔ ربعی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اُترے۔ اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتیار رکھوا لینا چاہا۔ انھون نے کہا مین بُلایا ہوا آیا ہون۔ تمکو اِس طرح میرا آنا منظور نہین تو مین اُلٹا پھر جاتا ہون۔ درباریون نے رستم سے عرض کی۔ اُسنے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اُسکی اَنی کو اِس طرح فرش مین چبھوتے جاتے تھے کہ پُر تکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے

کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچکر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آر پار کر کے زمین مین گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اِس مُلک مین کیون آئے ہو؟ انھون نے کہا "اِس لیے کہ مخلوق کے بجاے خالق کی عبادت کی جاے"۔ رستم نے کہا مین ارکانِ سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دونگا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آکر انکے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اِسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھون مین بجلی سی کوند گئی۔ اور جب اُسکے کاٹ کی آزمایش کے لیے ڈھالین پیش کی گئین تو ربعی نے اُنکے ٹکڑے اُڑا دیے۔ ربعی اُسوقت چلے آئے۔ لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت مین مغیرہ گئے۔ اُس دن ایرانیون نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاجِ زر پہنکر کرسیون پر بیٹھے۔ خیمے مین دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خُدام اور منصبدار قرینے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے۔ اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اِس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا یہان تک کہ چوبدارون نے بازو پکڑ کر اِنکو تخت سے اُتار دیا۔ مغیرہ نے افسرانِ دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ مین خود نہین آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اِس لیے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمھاری طرح ہم لوگون مین یہ دستور نہین کہ ایک شخص خدا بنکر بیٹھے اور تمام لوگ اُسکے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائین"۔ مترجم نے جسکا نام عبود تھا اور حیرہ کا باشندہ تھا اِس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکرون کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا پھر بے تکلفی کی طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہات مین لیکر کہا کہ ان تکلون سے کیا ہوگا؟ مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لو گو چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے"۔ رستم نے اُنکی تلوار کا نیام دیکھکر کہا کہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ اِنھون نے کہا ہان۔ لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔ اِس نوک جھوک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کرکے اظہارِ احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہمکو کچھ ملال نہین بلکہ کچھ انعام دلا دیا جائیگا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھکر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہین تو اِس سے فیصلہ ہوگا"۔ رستم غصہ سے بھڑک اُٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کُل تمام عرب کو برباد کردونگا۔ مُغیرہ اُٹھکر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدون کا خاتمہ ہوگیا۔

قادسیہ[1] کی جنگ اور فتح

محرم سنہ ۱۴ ہجری ۶۳۵ء

رستم ابتک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا۔ لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اُسکو اِس قدر غیرت دلائی کہ اُسی وقت کمربندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ مین حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹکر سڑک بنا دی جاے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اِس پار آگئی۔ خود سامانِ جنگ سے آراستہ ہوا۔ دُہری زرہین پہنین۔ سر پر خود رکھا۔ ہتیار لگائے

---

[1] قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور مدائن سبعہ کے وسط مین تھا اب ویران پڑا ہوا ہے۔ ہمارے نقشے مین اِسکو شہر مدائن کے متصل سمجھنا چاہیے"

پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش مین کہا کہ کُل عرب کو چکنا چور کر دونگا، کسی سپاہی نے کہا۔ ہان اگر خدا نے چاہا۔ بولا کہ ”خدا نے نہ چاہا تب بھی“۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفین قائم کین۔ قلب کے پیچھے ہاتھیون کا قلعہ باندھا۔ ہودجون اور عماریون مین ہتیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیون کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لیے موقع جنگ سے پایۂ تخت تک [illegible] فاصلے پر آدمی بٹھا دیے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ مین ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق [illegible] کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہو سکے۔ پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرفطہ کو اپنے بجای سپہ مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچون پر لکھکر اور گولیان بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے۔ اور خالد انھی ہدایتون کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے مین، فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجین آراستہ ہو چکین تو عرب کے مشہور شعرا اور خطیب صفون سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج مین آگ لگا دی۔ شعرا مین۔ شماخ۔ حطیئہ۔ اوس بن مغرا۔ عبدۃ بن الطیب۔ عمرو معدی کرب۔ اور خطیبون مین قیس بن ہبیرہ۔ غالب۔ ابن الہذیل الاسدی۔ بسر بن

لڑائین اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیے عورتون کے حوالے کیے۔ پھر فوج کو کمربندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہین ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اُٹھا گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابوعبیدہ نے شام سے جو امدادی فوجین بھیجی تھین وہ آپہنچین۔ حضرت عمرؓ نے جس زمانے مین عراق پر حملے کی تیاریان کی تھین اُسی زمانے مین ابوعبیدہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہان بھیجدی گئی تھی اُسکو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر مل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن مین پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ (سعد کے بھائی) سپہ سالار تھے۔ اور ہراول قعقاع کی رکاب مین تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیون مین کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ اُدھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کرکے پکار اُٹھے کہ "لینا ابوعبید کا قاتل جانے نپائے"۔ دونون حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے۔ اور کچھ دیر کی رد و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونون طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان مین نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ شہر براز اعور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامۂ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونون فوجین حملہ آور ہوئین۔

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اِس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ مین پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دُور سے نمودار ہوتا تھا۔ اِس طرح تمام دن فوجون کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیون پر رعب چھاتا گیا۔

ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اُسکے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیون کے لیے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹون پر جھول اور بُرقع ڈال کر ہاتھیون کی طرح مُہیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رُخ کرتے تھے ایرانیون کے گھوڑے بدک کر سوارون کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامۂ جنگ مین حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جنکے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلوارین تھین۔ ان لوگون نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام اُن لوگون کو بھیجا ہے جو اِسکا حق ادا کر سکین۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک۔ ربیل بن عمرو۔ طلیحہ بن خویلد۔ عاصم بن عمرالتمیمی کو تلوارین حوالہ کین اور قبیلۂ یربوع کے چار بہادرون کو گھوڑے عنایت کیے۔ ربیل نے فخر کے جوش مین آکر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام انا احقہم   اذا حصلوا بالمرہفات البواتر

سب لوگون کو معلوم ہے کہ مین سب سے زیادہ مستحق ہون   جسوقت لوگون نے کاٹنے والی نازک تلوارین پائین

جسوقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جنکو شراب پینے کے جرم پر سعد نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش مین بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر نہ ضبط کر سکے۔ سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لیے اس وقت مجھکو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر بیڑیان پہن لونگا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پُردرد لہجہ مین یہ اشعار

پڑھتے تھے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا واترك مشدودا علی وثاقیا
اس سے بڑھکر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیان کر رہے ہین اور مین زنجیرون مین بندھا پڑا ہون
اذا قمت عنانی الحدید واغلقت مصاریع من دونی تصم المنادیا
جب کھڑا ہونا چاہتا ہون تو زنجیر اُٹھنے نہین دیتی اور دروازے اسطرح بند کردیے جاتے ہین کہ پکارنیوالا پکار کر تھک جاتا ہے

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آکر بیڑیان کاٹ دین، انھون نے فوراً اصطبل مین جاکر سعد کے گھوڑے پر جسکا نام بلقا تھا زین کسا اور میدانِ جنگ مین پہنچکر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرة تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف اُلٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ سعد بھی حیران تھے۔ اور دل مین کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے لیکن وہ تو قید خانے مین قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے قید خانے مین آکر خود بیڑیان پہن لین۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیے۔ سعد نے اسی وقت اُنکو رہا کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانون پر جو شخص یون نثار ہو مین اُسکو سزا نہین دے سکتا"۔ ابو محجن نے کہا بخدا مین بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤنگا[1]۔

خنساء، جو عرب کی مشہور[2] شاعرہ تھی اس معرکے مین شریک تھی اور اُسکے چارون بیٹے

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۸۔

[2] خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہین۔ اسکا دیوان بیروت مین چھپ گیا ہے۔ اور اُسکے مفصل حالات علامہ ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی مین لکھے ہین۔ اصناف شعر مین مرثیہ گوئی مین اسکا کوئی نظیر نہین گذرا چنانچہ بازار عکاظ مین اسکے خیمے کے دروازے پر ایک عَلَم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا ارثی العرب یعنی تمام عرب مین سب سے بڑھکر مرثیہ گو۔ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمرؓ کے دربار مین حاضر ہوئی تھی"۔

بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اسنے بیٹون کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لم تنب بکم البلاد و لم تقحمکم السنة	پیارے بیٹو۔ تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا۔
ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموها بین	باوجود اسکے تم اپنی کہن سال ماں کو یہان لائے اور فارس کے آگے
ایدی اهل فارس والله انکم لبنو رجل واحد	ڈالدیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک
کما انکم بنو امرأة واحدة ما خنت ابکم ولا فضحت	باپ کے بھی ہو۔ مین نے تمھارے باپ سے بد دیانتی نہین
خالکم انطلقوا فاشهدوا اول القتال واخره	کی نہ تمھارے ماموں کو رسوا کیا۔ جاؤ اور اخیر تک لڑو۔

بیٹون نے ایک ساتھ باگین اٹھائین اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہوگئے تو خنساؓ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا خدایا! میرے بیٹون کو بچانا۔"

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے۔ تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہوا۔ یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اِسمین قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالون اور پیدل فوجون کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور۔ شام کی طرف نکل جائین۔ پو پھٹے سَو سَو سوار میدانِ جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئین اور اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائین چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑگیا کہ نئی امدادی فوجین آگئین۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسنِ اتفاق یہ کہ ہشام جنکو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لیے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سات سَو سوارون کے ساتھ پہنچ گئے۔ یزدجرد کو دم دم کی خبرین پہنچتی تھین اور برابر فوجین بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا او

کہا تمھارے بھائیون نے شام کو فتح کرلیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمھارے ہات سے پورا ہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یون ہوا کہ ایرانیون کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان مین آیا۔ اِسکا ڈیل ڈول دیکھکر لوگ اسکے مقابلے سے جی چراتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہات سے مارا گیا۔ ایرانیون نے تجربہ اٹھاکر ہاتھیون کے داہنے بائین پیدل فوجین قائم کردی تھین۔ عمرو معدیکرب نے رفیقون سے کہا کہ مین مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہون تم ساتھ رہنا، ورنہ عمرو معدیکرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہوگا۔ یہ کہکر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجین جو داہنے بائین تھین دفعۃً اُن پر ٹوٹ پڑین اور اسقدر گرد اُٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھکر انکی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جابجا برچھیون کے زخم تھے تاہم تلوار قبضے مین تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اِسی حالت مین ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انھون نے اُسکے گھوڑے کی دُم پکڑلی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اُتر کر بھاگ نکلا۔ اور یہ اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھکر کہ ہاتھی جس طرف رُخ کرتے ہین دَل کا دَل پھٹ جاتا ہے ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہوگئے تھے بُلاکر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ انھون نے کہا کہ انکی سونڈ اور آنکھین بیکار کردیجائین۔ تمام غول مین دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر اور گویا کل ہاتھیون کے سردار تھے۔ ایک ابیض اور دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا

سعد نے قعقاع۔ عاصم۔ حمال۔ ربیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمھارے ہات ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیجدیے کہ ہاتھیون کو نرغہ مین کر لین۔ پھر خود برچھا ہاتھ مین لیکر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونون نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھون مین پیوست ہو گئے ہاتھی جھرجھری لیکر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہو گئی۔ اِدھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اُسکے پیچھے ہو لیے اور دم کی دم مین یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادرون کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعرون کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکے کو لیلۃ الہریر کہتے ہین۔ ایرانیون نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی۔ قلب مین اور دائین بائین تیرہ تیرہ صفین قائم کین۔ مسلمانون نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سوارون کا رسالہ۔ اُنکے بعد پیدل فوجین، اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیون نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہو سکا۔ اور اپنے رکاب کی فوج لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی مین داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھکر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا اللھم اغفرلہ و نصرہ یعنی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اُسکا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھکر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع۔ بجیلہ۔ کندہ۔ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اسکو معاف کرنا اور یاور رہنا۔ اول اول سوارون کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجین جو دیوار

لی طرح جمی کھڑی تھین اس ثابت قدمی سے اڑین کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھکر سب گھوڑون سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوے۔

ایرانیون کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے مین غرق تھا۔ قبیلہ جعفی نے اُسپر حملہ کیا لیکن تلوارین زرہون پر اُچٹ اُچٹ کر رہگئین۔ سردار قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہون پر تلوارین کام نہین دیتین۔ اُسنے غصے مین آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر کو توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھکر اورونکو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہوگیا۔

تمام رات ہنگامۂ کارزار گرم رہا، لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہوگئے تھے اور نیند کے خمار مین ہاتھ پانون بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اسپر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل مین سے چند نامور بہادر انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رُخ کیا۔ ساتھ ہی قیس اشعث۔ عمر معدی کرب۔ ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے، ساتھیون کو للکارا کہ دیکھو! "یہ لوگ خدا کی راہ مین تم سے آگے نکلنے نپائین"، اور اور سردارون نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلون کے سامنے کھڑے ہوکر اس جوش سے تقریرین کین کہ تمام لشکر مین ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑون سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلوارین گھسیٹ لین۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج، سیلاب کیطرح بڑھی، اور فیرزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھکر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زخمون سے بالکل چور ہوگیا تو بھاگ چلا۔ ہلال نام۔ ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے

آگئی۔ رستم کودپڑا کہ تیرکر نکل جاے۔ ساتھ ہی ہلال بھی کودے اور ٹانگ پکڑکر باہر کھینچ لائے پھر تلوار سے کام تمام کردیا۔ ہلال نے لاش خچرّون کے پانون مین ڈالدی اور تخت پر چڑھکر پکارے کہ، رستم کا مین نے خاتمہ کردیا[1]۔ ایرانیون نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج مین بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانون نے دُور تک تعاقب کیا اور ہزارون لاشین میدان مین بچھادین۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعرا نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشے بکردار رعد　　زیک سوی رستم زیک سوے سعد
چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت　　جوان مرد تازی بروچیرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہین کہ سعد اس واقعہ مین سرے سے شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستون کے مالک تھے میدان مین ثابت قدم رہے۔ انہین سے شہریار۔ ابن الہربذ۔ فرخان اہوازی۔ خسروشنوم ہمدانی نے مردانہ جان دی۔ لیکن ہرمزان۔ اہود۔ قارن موقع پاکر بھاگ نکلے۔ ایرانیون کے کشتون کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح مین چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے فوج کو انکی طرف سے بدگمانی ر

---

[1] علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہین۔ لیکن عمرو معدی کرب۔ طلیحہ بن خویلد۔ قرط بن جماح۔ ان تینون نے اسپر حملکیا تھا، مینے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطوال کی روایت ہے۔

یہان تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقالت حتی انزل اللہ نصرہ وسعدٌ بباب القادسیۃ معصمُ
مین برابر لڑا کیا۔ یہان تک کہ خدانے اپنی مدد بھیجی لیکن سعد۔ قادسیہ کے دروازے سے چپٹے رہے
فابنا وقد امت نساء کثیرۃ ونسوۃ سعد لیس فیھن ایّمُ
ہم واپس پھرے تو سیکڑون عورتین بیوہ ہو چکی تھین لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہین ہوئی

یہ اشعار اُسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہان تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کر آبلون کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا اور دونون طرف کے مقتولون کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمر کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکلجاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اودھر سے ایک شتر سوار آرہا تھا۔ بڑھکر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدۂ فتح لیکر آتا تھا جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اُس سے حالات پوچھنے شروع کیے۔ اُسنے کہا۔ خدانے مسلمانون کو کامیاب کیا۔ حضرت عمر رکاب کی برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر مین داخل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے اِنکو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اُٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجھکو اپنا نام کیون نہ بتایا کہ مین اِس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ فرمایا نہین کچھ ہرج نہین، تم سلسلۂ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح اسکے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ مدینے پہنچکر مجمع عام مین فتح کی خوشخبری سُنائی۔ اور ایک نہایت پُراثر تقریر کی

جسکا اخیر فقرہ یہ تھا "مسلمانو! مین بادشاہ نہین ہون کہ تمکو غلام بنانا چاہون مین خود خدا کا غلام ہون۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر مین اس طرح تمہارا کام کرون کہ تم چین سے گھرون مین سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ مین تمکو تعلیم دینا چاہتا ہون لیکن قول سے نہین بلکہ عمل سے"۔

قادسیہ کے معرکے مین جو عجم یا عرب مسلمانون سے لڑے تھے انہین ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہین چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج مین پکڑ آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعد نے دربارِ خلافت کو لکھا۔ حضرت عمر نے صحابہ کو بلا کر راے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیدیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ آ کر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگون نے اُنہین رشتہ داریان کرلین۔

ایرانیون نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل مین مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا۔ اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لیے تھے۔ اور فیروزان کو سرِلشکر قرار دیا تھا۔ سعد نے اُنکے استیصال کے لیے سنہ ۱۵ ہجری مین بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے۔ کہ رستہ صاف کرتے جائین۔ چنانچہ مقام برس مین بصبری سدِراہ ہوا اور میدانِ جنگ مین زخم اُٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جسکا نام بسطام تھا صلح کرلی اور بابل تک موقع بموقع پُل تیار کرادیے کہ اسلامی فوجین بے تکلف گذر جائین۔ بابل مین اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیرجان۔ ہرمزان۔ مہران۔ مہرجان۔ وغیرہ جمع تھے لیکن

سنہ ۱۵ ہجری
۶۳۶ء

پہلے ہی حملے مین بھاگ نکلے۔ سعد نے خود بابل مین مقام کیا۔ اور زہرہ کی افسری مین کچھ فوجین آگے روانہ کین۔ عجمی فوجین بابل سے بھاگ کر کوثی مین ٹھہری تھین اور شہریار جو رئیس زادہ تھا اُنکا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے گذرے تو شہریار آگے بڑھکر مقابل ہوا اور میدانِ جنگ مین آکر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر مین انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا مین نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعوے ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائیگا۔ یہ کہکر نابل کو جو قبیلۂ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اُسنے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا نابل کو کمزور دیکھکر نیزہ ہاتھ سے پھینک، گردن مین ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل کے مُنھ مین آگیا۔ نابل نے اِس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا نابل موقع پاکر اُسکے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نابل نے زرہ وغیرہ اُسکے بدن سے آتار کر سعد کے آگے لاکر رکھدین سعد نے عبرت کے لیے حکم دیا کہ نابل وہی لباس اور اسلحہ سج کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہوکر وہ مجمع عام مین آیا تو لوگون کی آنکھون مین زمانے کی نیرنگیون کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہین قید رکھا تھا چنانچہ قیدخانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اسکی زیارت کو گئے اور درود پڑھکر یہ آیت پڑھی۔ تلک الایام نداولھا بین الناس۔ کوثی سے آگے پایۂ تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا۔ یہان ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ "جب تک ہم ہین سلطنت فارس

کبھی زوال نہین آسکتا"۔ یہان ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا۔ اور اسی لیے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہین ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ا[illegible] پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھکر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزارون آدمی گرفتار کر لیے۔ شہرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہین انکے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے انکے نام دفتر مین درج کر لیے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسون نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش خروش سے سب نے مرنے پر قسمین [illegible] اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانون نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زُہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکون مین سب سے آگے آگے رہتے تھے، اُنکی زرہ کی کڑیان کہین کہین سے ٹوٹ گئی تھین۔ لوگون نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجیے۔ بولے کہ مین ایسا خوش قسمت کہان ہون؟ کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئین۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر اُنھی کو آکر لگا لوگون نے نکالنا چاہا تو اُنھون نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن مین ہے اُسی وقت تک مین زندہ بھی ہون"۔ چنانچہ اُسی حالت مین حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہربراز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑکر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والون نے صلح کا پھریرا اُڑایا۔

بہرشیر اور مداین مین صرف دجلہ حایل تھا۔ سعد بہرشیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیون

نے پہلے سے جہان جہان پل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیے تھے۔ سعد دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا "برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن مین پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے"۔ یہ کہکر گھوڑا دریا مین ڈال دیا۔ انکو دیکھکر اورون نے بھی ہمت کی اور دفعۃً سب نے گھوڑے دریا مین ڈالدیے۔ دریا اگرچہ نہایت ذخار اور متواج تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتون مین یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجین برابر گھوڑون سے آآکر ٹکراتی تھین اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس مین باتین کرتے جاتے تھے۔ یہان تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اُسمین بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو انکو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہین، جن ہین۔ چنانچہ۔ دیوان آمدند[1]۔ دیوان آمدند کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیراندازون کے دستے متعین کر دیے۔ ایک گروہ دریا مین اتر کر سدّراہ ہوا لیکن مسلمان، سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیراندازون کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندانِ شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سُنکر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مداین مین داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتین زبان سے نکلین کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ وَّنَعْمَۃٍ کَانُوْا فِیْہَا فَاکِہِیْنَ کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰہَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ۔

---

[1] تاریخ طبری مین بعینہٖ یہی الفاظ ہین۔

ایوانِ کسریٰ میں تختِ شاہی کے بجائے ممبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی مین ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق مین ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہوگا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابر صحابہ مین سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآب کی صحبت مین رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہین کی بلکہ ایوان مین جس قدر مجسم تصویرین تھین سب برقرار رہنے دین[1]۔

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ ایواناتِ شاہی کا خزانہ اور نادرات لا کر یکجا کیے جائین۔ کیانی سلسلے سے لیکر نوشیروان کے عہد تک کی ہزارون یادگار چیزین تھین۔ خاقانِ چین، راجۂ ہند، قیصرِ روم، نعمان بن منذر، سیاوش، بہرام چوبین، کی زرہین اور تلوارین تھین۔ کسریٰ، ہرمز، اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیروان کا تاج زرنگار، اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جسپر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جسپر سونے کی پالان تھی اور مہار مین بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پانون تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جسکو ایرانی، بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے طیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اسپر بیٹھکر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اسمین بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے۔ بیچ مین سبزے کا چمن تھا۔ چارون طرف جدولین تھین۔ ہر قسم کے درخت اور درختون مین شگوفے اور پھول اور پھل تھے۔ طرّہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا یعنی سونے کی زمین۔ زمرد کا سبزہ پکھراج کی جدولین۔ سونے چاندی کے درخت حریر کے پتے۔ جواہرات کے پھل تھے۔

---

[1] علامہ طبری نے جو بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری مین ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راستباز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لاکر افسر کے پاس حاضر کردی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اُٹھا۔ تو خود سعد کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگون نے اِن نادرات کو ہاتھ نہین لگایا بے شبہہ انتہا کے دیانت دار ہین۔ مالِ غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچوان حصّہ دربارِ خلافت مین بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگارین بجنسہ بھیجی گئین کہ اہل عرب ایرانیون کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھین۔ حضرت عمر کے سامنے جب یہ سامان پہنچ گئے تو اُنکو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

محلم نام مدینہ مین ایک شخص تھا جو نہایت موزون قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اُسکو لاکر پہنائے جائین۔ یہ ملبوسات مختلف حالتون کے تھے۔ سواری کا جدا۔ دربار کا جدا۔ جشن کا جدا۔ تہنیت کا جدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیون کی آنکھین خیرہ ہوگئین اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگون کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر کا بھی یہی منشا تھا۔ لیکن حضرت علی کے اصرار سے اِس بہار پر بھی خزان آئی اور دولتِ نوشیروانی کے مرقع کے پُرزے اُڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی۔ لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے۔ وہ مقدس زمانہ جس مین زخارفِ دنیوی کی عزت نہین کیجاتی تھی۔ دنیاوی یادگارون

کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولاء[1] سنہ ۱۶ ہجری ۶۳۷ء

سنہ ۱۶ ہجری ۶۳۷ء

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مداین کی فتح کے بعد۔ ایرانیون نے جلولاء مین جنگ کی تیاریان شروع کین اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرلشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستون اور گذرگاہون پر گوکھرو بچھا دیے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر کو خط لکھا۔ وہان سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لیکر اس مہم پر جائین اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع۔ میمنہ پر مسعر بن مالک۔ میسرہ پر عمرو بن مالک۔ ساقہ پر عمرو بن مرۃ مقرر ہون۔ ہاشم، مداین سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولاء پہونچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینون محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح اسّی معرکے ہوے۔ لیکن ایرانیون نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر مین ہر طرح کا ذخیرہ مہیا تھا اور لاکھون کی جمعیت تھی بیدل نہین ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے نکلے۔ مسلمانون نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتہً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان مین اندھیرا ہو گیا۔ ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہین آتا تھا۔ ہزارون آدمی خندق مین گر گر کر مر گئے۔ ایرانیون نے یہ دیکھکر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانون کو خبر ہوئی تو انھون نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریان کین۔ ایرانیون کو بھی دم دم کی خبرین پہنچتی تھین۔ اسی وقت مسلمانون کی آمد کے رُخ گوکھرو بچھوا دیے اور فوج کو سر و سامان

---

[1] جلولاء۔ بغداد کے سواد مین ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونیکے نقشے مین مندرج نہین ہو۔ بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ مین پڑتا ہے۔

سے درست کرکے قلعہ کے دروازے پر جا دیا۔ دونون حریف اِس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہین لڑے تھے۔ اول تیرون کا مینھ برسا ترکش خالی ہوگئے تو بہادرون نے نیزے سنبھالے یہان تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہوگئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ قعقاع نہایت دلیری سے لڑرہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہان تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصّہ انھین کی رکاب مین تھا۔ قعقاع نے نقیبون سے پکروا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا ہے۔ فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعۃً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو بچھے ہوئے تھے۔ مسلمانون نے بیدریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہان تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے۔ اور تین کرور غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدۂ فتح کے ساتھ پانچوان حصّہ مدینہ منوّرہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدۂ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع عام مین بھی بیان کرسکتے ہو؟ زیاد نے کہا مین کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور اُنھون نے اِس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کیے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمرؓ بول اُٹھے کہ خطیب اسکو کہتے ہین۔ اُنھون نے برجستہ کہا۔

ان جندنا اطلقونا بالفعال لساننا

اسکے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اُس وقت شام ہوچکی تھی اس لیے تقسیم ملتوی رہی اور صحن مسجد مین اُنکا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے

رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام مین چادر ہٹائی گئی، درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے۔ حضرت عمر بے ساختہ رو پڑے لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہان دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتی ہے۔

یزدگرد کو جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالون کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لیے چھوڑتا گیا۔ سعد خود جلولاء مین ٹھہرے اور قعقاع کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع قصر شیرین (حلوان سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھکر مقابل ہوا لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قعقاع نے حلوان پہنچکر مقام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرادی۔ اطراف کے رئیس آ آکر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت مین آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی کیونکہ عراق کی حد یہان ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلۂ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکرکشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہین۔ حضرت ابوبکر نے آغاز ۱۳ ہجری مین شام پر کئی طرف سے لشکرکشی کی۔ ابوعبیدہ کو حمص پر۔ یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر۔ شرجیل کو اردن پر۔ عمرو بن العاص

ا، مجموعی تعداد ۲۴۰۰۰ تھی۔ عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسرون

ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لیے طیار تھے۔ انکے علاوہ قیصر

تمام ملک سے فوجین جمع کرکے الگ الگ افسرون کے مقابلے پر بھیجین، یہ دیکھکر۔ افسرانِ اسلام نے اسپر اتفاق کیا کہ کل فوجین یکجا جمع ہو جائین۔ اِسکے ساتھ حضرت ابوبکر کو خط لکھا کہ اور فوجین مدد کو روانہ کی جائین، چنانچہ خالد بن الولید جو عراق کے مہم پر مامور تھے عراق سے چل کر راہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیان لڑتے اور فتح حاصل کرتے، دمشق پہنچے۔ اور آسکو صدر مقام قرار دیکر وہان مقام کیا۔ قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لیے روانہ کی جسنے اجنادین پہنچکر جنگ کی طیاریان شروع کین، خالد اور ابو عبیدہ خود پیشقدمی کرکے اجنادین پر بڑھے اور اور افسرون کو لکھ بھیجا کہ وہین آکر ملجائین، چنانچہ شرجیل۔ یزید۔ عمرو بن العاص۔ وقتِ مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھکر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جس مین تین ہزار مسلمان مارے گئے۔ فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۲۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳ھ ۶۳۴ء مین واقع ہوا۔ اِس مہم سے فارغ ہوکر خالد نے پھر دمشق کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کرلیا، محاصرہ اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد مین شروع ہوا۔ لیکن چونکہ فتح حضرت عمر کے عہد مین حاصل ہوئی ہم اِس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہین۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا، اور چونکہ جاہلیت مین اہلِ عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہان آیا جایا کرتے تھے اسکی عظمت کا شہرہ تمام عرب مین تھا۔ ان وجوہ سے خالد نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کیے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازون پر اُن افسرون کو مقرر کیا جو شام کے صوبون کی فتح پر مامور ہوکر آئے تھے۔ چنانچہ عمرو

بن العاص - باب توما پر - شرحبیل باب الفرادیس پر - ابو عبیدہ، باب الجابیۃ پر متعین ہوے اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لیکر باب الشرق - کے قریب ڈیرے ڈالے - محاصرہ کی سختی دیکھکر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ اُنکے جاسوس جو دریافت حال کے لیے مسلمانون کی فوج مین آتے تھے، آکر دیکھتے تھے کہ تمام فوج مین ایک جوش کا عالم ہے - ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہے - ہر ہر فرد مین دلیری، ثابت قدمی، راستبازی، عزم اور استقلال پایا جاتا ہے - تاہم انکو یہ سہارا تھا کہ ہرقل سر پر موجود ہے اور حمص سے امدادی فوجین چل چکی ہین - اسی اثنار مین حضرت ابوبکر نے انتقال کیا اور حضرت **عمر** مسند آرای خلافت ہوئے -

عیسائیون کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کی برداشت نہین کرسکتے - اسلیے موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھنٹ جائیگا - لیکن انکی دونون امیدین بیکار گئین - مسلمانون کی سرگرمی جاڑون کی شدت مین بھی کم نہوئی - اُدھر خالد نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دیکر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ اُدھر سے مدد نہ آنے پائے چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجین بھیجین تھین وہین روک لی گئین - دمشق والون کو اب بالکل یاس ہوگئی، اسی اثنار مین اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانون کے حق مین تائید غیبی کا کام دے گیا یعنی بطریق دمشق کے گھر مین لڑکا پیدا ہوا جسکی تقریب مین تمام شہر نے خوشی کے جلسے کیے اور اس کثرت سے شرابین پین کر شام سے پڑ کر سو رہے - خالد راتون کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے، اس سے عمدہ موقع کہان ہاتھ آسکتا تھا، اُسی وقت اُٹھے اور چند بہادر افسرون کو ساتھ لیا - شہرپناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی، مشک کے

سہارے پار اُترے اور کمند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے۔ اوپر جا کر رسّی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی، اِس ترکیب سے تھوڑی دیر مین بہت سے جان نثار فصیل پر پہنچ گئے۔ خالد نے اُتر کر پہلے دربانون کو تہ تیغ کیا۔ پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیے۔ اِدھر فوج پہلے سے طیار کھڑی تھی۔ دروازہ کھلتے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو تہ تیغ کر دیا، عیسائیون نے یہ رنگ دیکھکر شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیے اور ابو عبیدہ سے ملتجی ہوے کہ ہمکو خالد سے بچائیے۔ مقسلاط مین جو ٹھٹھیرون کا بازار تھا، ابو عبیدہ و خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصّہ فتح کیا تھا اگرچہ لڑکر فتح کیا تھا لیکن ابو عبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصّے مین بھی صلح کی شرطین تسلیم کی گئین یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی۔ نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلادِ شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی۔ رجب سنہ ۱۴ھ ۶۳۵ء مین ہوئی

فحل۔ ذو قعدہ سنہ ۱۴ھ ۶۳۵ء ہجری

دمشق کی شکست نے رومیون کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانون کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانون نے اردن کا رُخ کیا تھا۔ اِس لیے اُنھون نے اُسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان مین فوجین جمع کرنی شروع کین۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لیے جو فوجین بھیجی تھین اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھین۔ وہ بھی اسمین آکر شامل ہوگئین۔ اِس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا جسکا

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ خالد کو عیسائیون کے جشن کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور سیڑھی بھی عیسائی لائے تھے۔

سپہ سالار سکلار نام ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ کے سمجھنے کے لیے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعون مین منقسم ہے جنمین سے دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین۔ مشہور ضلاع ہین۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے شرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے۔ اسی کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جسکا پرانا نام سلا اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے۔ یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اسکے کچھ کچھ آثار ابتک سمندر کی سطح سے چھ سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہین۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۵ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجین بیسان مین جمع ہوئین اور مسلمانون نے انکے سامنے فحل مین پڑاو ڈالا۔ رومیون نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتہً نہ آپڑین۔ آس پاس جس قدر نہرین تھین سبکے بند توڑ دیے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہوگیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانون کا استقلال دیکھکر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بنکر آئے۔ ابو عبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ۔ رومیون کے لشکر مین پہنچے تو دیکھا کہ خیمے مین دیبای زرین کا فرش بچھا ہے۔ وہین ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا مین تھام لیتا ہون، آپ دربار مین جاکر بیٹھیے۔ معاذ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے۔ اس لیے وہ واقعی انکی عزت کرنی چاہتے تھے اور انکا باہر کھڑا رہنا انکو گران گذرتا تھا

معاذ نے کہا کہ مین اس فرش پر جو غریبون کا حق چھین کر طیار ہوا ہے بیٹھنا نہین چاہتا، یہ کہکر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسایئون نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمھاری عزت کرنی چاہتے تھے لیکن تمکو خود اپنی عزت کا خیال نہین تو مجبوری ہے۔ معاذ کو غصہ آیا۔ گھٹنون کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ "جسکو تم عزت سمجھتے ہو مجھکو اُسکی پروا نہین۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلامون کا شیوہ ہے تو مجھسے بڑھکر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی انکی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے۔ یہان تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانون مین تم سے بھی کوئی بڑھکر ہے؟ اُنھون نے کہا "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ مین سب سے بدتر نہون"، رومی چُپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر تک انتظار کرکے مترجم سے کہا کہ "اِن سے کہدو کہ اگر تمکو مجھسے کچھ کہنا نہین ہے تو مین واپس جاتا ہون"، رومیون نے کہا ہمکو یہ پوچھنا ہے کہ تم اِس طرف کس غرض سے آئے۔ ابی سینیا کا مُلک تم سے قریب ہے۔ فارس کا بادشاہ مرچکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہات مین ہے، انکو چھوڑکر تم نے ہماری طرف کیون رُخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد مین ہم آسمان کے ستارون اور زمین کے ذرّون کے برابر ہین" معاذ نے کہا "سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑدو سُور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمھارے بھائی ہین۔ اگر اسلام لانا منظور نہین تو جزیہ دو۔ اِس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستارون کے برابر ہو تو ہمکو قلّت اور کثرت کی پروا نہین۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة تمکو اسپر ناز ہے کہ تم ایسے شاہنشاہ کی رعایا ہو جسکو تمھاری جان و مال کا اختیار ہے، لیکن ہمنے

جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات مین اپنے آپ کو ترجیح نہین دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اُسکو دُرّے لگائے جائین۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائین۔ وہ پردے مین نہین بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہمسے بڑا نہین سمجھتا۔ مال و دولت مین اُسکو ہم پر کوئی ترجیح نہین"۔ رومیون نے کہا۔ "اچھا ہم تمکو بلقا کا ضلع اور اردن کا وہ حصّہ جو تمھاری زمین سے متصل ہے دیتے ہین۔ تم یہ ملک چھوڑکر فارس جاؤ"۔ معاذ نے انکار کیا اور اُٹھکر چلے آئے۔ رومیون نے براہ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی، چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا۔ ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ مین تیر تھے جنکو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشم رکھتا ہوگا اور یہی اُسکی شناخت کا ذریعہ ہوگا لیکن وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ مین ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبراکر پوچھا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ لوگون نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے اُنکی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابو عبیدہ نے کہا "ہان"، قاصد نے کہا "ہم تمھاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیان دینگے تم یہان سے چلے جاؤ"۔ ابو عبیدہ نے انکار کیا قاصد برہم ہوکر اُٹھا، ابو عبیدہ نے اُسکے تیور دیکھکر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ "ثابت قدم رہو خدا تمھارا یار و مددگار ہے"۔

ابو عبیدہ نے اُسی دن کمر بندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے مین نہ آئے۔ اگلے دن

---

[1] فتوح الشام ازدی مین ہے کہ یہ خط ایک شامی لیکر گیا تھا اور حضرت عمرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا۔

تنہا خالد میدان مین گئے، صرف سوارون کا رسالہ رکاب مین تھا، رومیون نے بھی جنگ کی طیاری کی اور فوج کے تین حصّے کرکے باری باری سے میدان مین بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف باگین اُٹھائے چلا آتا تھا۔ کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر اُنکا آگا روکا اور سخت کشت وخون ہوا۔ یہ معرکہ ابھی سر نہین ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے سبرۃ بن مسروق کو اشارہ کیا، وہ اپنے رکاب کی فوج لے کر مقابل ہوئے۔ تیسرا لشکر بڑے سروسامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچکر خود ٹھہر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلے پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا، آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونون فوجین بھی آکر مل گئین۔ دیر تک معرکہ رہا، مسلمانون کی ثابت قدمی دیکھکر رومیون نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا، اور اُلٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیون کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چلے۔ اب ہماری باری ہے، اِس صدا کے ساتھ مسلمان دفعۃً ٹوٹ پڑے اور رومیون کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار مین لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالد اُنکی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ "رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہین۔ حملے کا یہی وقت ہے، چنانچہ اُسی وقت نقیب فوج مین جاکر پکار آئے کہ کل حملہ ہوگا، فوج سروسامان سے طیار رہے" رات کے پچھلے پہر ابو عبیدۃ بسترِ خواب سے اُٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالد

کی ماتحتی مین دیے گئے۔" فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ نے اس سرے سے اُس سرے تک ایک چکر لگایا، ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فانّ اللہ مع الصّابرین۔	یعنی "خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو، کیونکہ خدا ثابت قدمون کے ساتھ رہتا ہے"۔

رومیون نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے۔ آگے پیچھے پانچ صفین قائم کین جنکی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف مین ہر ہر سوار کے دائین بائین دُو دُو قدر انداز، میمنہ اور میسرہ پر سوارون کے رسالے پیچھے پیادہ فوجین۔ اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانون کی طرف بڑھے، خالد چونکہ ہراول پر تھے پہلے انھی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازون نے تیرون کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانون کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد اُدھر سے پہلو دیکر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اُسمین سوار ہی سوار تھے قدر انداز نہ تھے، رومیون کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہوکر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہان تک کہ رسالہ فوج سے دُور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفین کی صفین اُلٹ دین۔ گیارہ بڑے بڑے افسر اُنکے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُدھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کرکے رومیون کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازون کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے، علم ہلا کر کہا، خدا کی قسم جب تک اسکو قلب مین پہنچکر نہ گاڑ دونگا پھر کر نہ آؤنگا، یہ کہکر گھوڑے سے کُود پڑے اور ہاتھ مین سپر لیکر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گذر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور

تمام میدان خون سے رنگین ہوگیا۔ آخر رومیون کے پانون اُکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے[1]۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو نامۂ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے حضرت عمرؓ نے جواب مین لکھا کہ "رعایا ذمّی قرار دیجائے۔ اور زمین بدستور زمیندارون کے قبضے مین چھوڑ دیجائے۔

اِس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہوگئے اور ہر جگہ شرائطِ صلح مین یہ لکھدیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادتگاہین سب محفوظ رہینگی۔ صرف مسجدون کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائیگی۔

حمص سنہ ۱۴ ہجری

۶۳۵ء

شام کے اضلاع مین سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی مین اِسکو امیسا کہتے ہین۔ قدیم زمانے مین اِسکی شہرت زیادہ اِسوجہ سے ہوئی کہ یہان آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا۔ جسکے تیرتھ کے لیے دُور دُور سے لوگ آتے تھے اور اُسکا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جنکا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس۔ حمص۔ اور انطاکیہ جہان خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونون کی بہ نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان مین دونون سے کم تھا، اِس لیے لشکر اسلام

---

[1] واقعہ فحل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے طبری وغیرہ مین اسکو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت مین بھی اختلاف ہے ۱۲

نے اول اسی کا ارادہ کیا، راہ مین بعلبک پڑتا تھا، وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہوگیا۔ حمص کے قریب رومیون نے خود بڑھکر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ مین مسلمانون سے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملے مین اُنکے پانون اکھڑ گئے۔ خالد نے میسرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ مین رومیون کی ٹوٹی پھوٹی فوجون سے جو اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھین مٹ بھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے مین شرحبیل حمیری نے اکیلے سات سوارون کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہوکر جریدہ حمص کی طرف بڑھے، شہر کے قریب رومیون کے ایک رسالے نے اُنکو تنہا دیکھکر حملہ کیا، اُنھون نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی، یہان تک کہ جب دس گیارہ شخص اُنکے ہات سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا مین جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا مین ایک جماعتِ کثیر موجود تھی، یہ چارون طرف سے گھر گئے اور ڈھیلون اور پتھرون کی بوچھاڑ مین زخمی ہوکر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رُخ کیا اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیے، چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی، رومیون کو یقین تھا کہ مسلمان کُھلے میدان مین دیر تک اڑ نہ سکینگے اِسکے ساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے، چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی، لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے یہ خبر سُن کر کچھ فوجین بھیج دین جس نے اُن کو وہین رُوک لیا اور آگے

بڑھنے نہ دیا[1]۔ حمص والون نے ہر طرف سے مایوس ہوکر صلح کی درخواست کی، ابوعبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہان چھوڑا اور خود[2] حماۃ کی طرف روانہ ہوے حماۃ والون نے انکے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا، وہان سے روانہ ہوکر شیزر اور شیزر سے معرۃ النعمان پہونچے اور ان مقامات کے لوگون نے خود اطاعت قبول کرلی، ان سے فارغ ہوکر لاذقیہ کا رُخ کیا، یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے فینشن عہد مین اسکو انثا کہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ نے یہان سے کچھ فاصلے پر مقام کیا۔ اور اُسکی مضبوطی اور استواری دیکھکر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان مین بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اِس تدبیر اور احتیاط سے طیار ہوئے کہ دشمنون کو خبر تک نہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑکر حمص کی طرف روانہ ہوئے، شہر والون نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے۔ اور اُنکا تمام کاروبار بند تھا، اِسکو تائید غیبی خیال کیا اور شہرپناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار مین مصروف ہوئے۔ مسلمان اسی رات کو واپس آکر غارون مین چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمین گاہون سے نکل کر دفعتہ حملہ کیا اور دم کی دم مین شہر فتح ہوگیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابوعبیدہ نے خاص ہرقل کے پایۂ تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجین اس طرف بھیج بھی دین لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اِس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اِس ارشاد کے موافق فوجین واپس بلائی گئین[3]۔ اور بڑے بڑے شہرون مین افسر اور نائب بھیج دیے گئے کہ وہان کسی طرح کی ابتری نہونے پائے۔ خالد ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو

---

[1] کامل ابن الاثیر۔ [2] یہ ایک قدیم شہر حمص اور قنسرین کے درمیان مین واقع ہے۔ [3] فتوح ازدی صفحہ ۱۳۱

گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن مین مقام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود حمص مین اقامت کی۔

یرموک ۔ ۵ ۔ رجب سنہ ۱۵ ہجری ۶۳۶ء

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے۔ انطاکیہ پہنچے اور **ہرقل** سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا، ہرقل نے اُنین سے چند ہوشیار اور معزز آدمیون کو دربار مین طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور مین، جمعیت مین، سروسامان مین کم ہین، پھر تم اُنکے مقابلے مین کیون نہین ٹھہر سکتے، اِسپر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہین، وہ رات کو عبادت کرتے ہین، دن کو روزے رکھتے ہین، کسی پر ظلم نہین کرتے۔ آپس مین ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہین، بدکاریان کرتے ہین، اقرار کی پابندی نہین کرتے، اوروں پر ظلم کرتے ہین، اِسکا یہ اثر ہے کہ اُنکے ہر کام مین جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت شام سے نکل جانیکا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے مین صرف کر دیا جائے۔ روم۔ قسطنطنیہ۔ جزیرہ۔ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجین پایۂ تخت انطاکیہ مین ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائین۔ تمام اضلاع کے افسرون کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہان سے مہیا ہو سکین روانہ کیے جائین، اِن احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجون کا ایک طوفان اُمنڈ آیا، انطاکیہ کے چارون طرف جہان تک نگاہ جاتی تھی فوجون کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا

حضرت ابوعبیدہ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہان کے اُمرا اور رئیس انکے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالفِ مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے، چنانچہ اُنکے ذریعے سے حضرت ابوعبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ اُنھون نے تمام افسرون کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی۔ جسکا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تمکو بار بار جانچا اور تم اُسکی جانچ مین پورے اُترے۔ چنانچہ اِسکے صلے مین خدا نے ہمیشہ تمکو مظفر و منصور رکھا۔ اب تمھارا دشمن اس سر و سامان سے تمھارے مقابلے کے لیے چلا ہے کہ زمین کانپ اُٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری راے ہے کہ عورتون اور بچّون کو شہر مین رہنے دین اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہون، اسکے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جاے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئین۔ شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ راے دینی چاہیے، یزید نے جو راے دی بے شبہہ خیر خواہی سے دی لیکن مین اسکا مخالف ہون۔ شہر والے تمام عیسائی ہین ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دین یا خود مار ڈالین۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیون کو شہر سے نکال دین، شرجیل نے اُٹھکر کہا اے امیر! تجھکو ہرگز یہ حق حاصل نہین۔ ہم نے ان عیسائیون کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر مین اطمینان سے رہین، اس لیے نقضِ عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہین ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے؟۔ عام حاضرین نے راے دی کہ حمص مین ٹھہر کر۔ امدادی فوج کا انتظار کیا جاے، ابوعبیدہ نے

کہا اتنا وقت کہان ہے؟ آخر یہ راے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہون، وہان خالد موجود ہین اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیون سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ مین لیا جاتا ہے کہ ہم اُنکو۔ انکے دشمنون سے بچا سکین۔ لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم اُنکی حفاظت کا ذمہ نہین اُٹھا سکتے اس لیے جو کچھ اُن سے وصول ہوا ہے سب اُنکو واپس دیدو اور اُن سے کہدو کہ ہمکو تمھارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اسوقت تمھاری حفاظت کے ذمہ دار نہین ہو سکتے اس لیے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تمکو واپس کیا جاتا ہے" چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی ہے کل واپس کردی گئی۔ عیسائیون پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تمکو واپس لائے،، یہودیون پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، اُنھون نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہین۔ قیصر حمص پر قبضہ نہین کر سکتا، یہ کہکر شہرپناہ کے دروازے بند کردیے اور ہر جگہہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابو عبیدہ نے صرف حمص والون کے ساتھ یہ برتاؤ نہین کیا بلکہ جسقدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کردیجائے[1]۔

غرض ابو عبیدہ، دمشق کو روانہ ہوئے[2]۔ اور ان تمام حالات سے حضرت عمر کو اطلاع دی،

---

[1] ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان (صفحہ ۱۳۷) مین قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین (صفحہ ۸۱) ازدی نے فتوح الشام (صفحہ ۱۳۸) مین تفصیل لکھا ہے۔ [2] ہم نے یہ تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی سے لیے ہین لیکن ابو عبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخین نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت عمرؓ یہ سُنکر کہ مسلمان رومیون کے ڈر سے حمص سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب آنکو یہ معلوم ہوا کہ کُل فوج اور افسرانِ فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلّی ہوئی اور فرمایا کہ "خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانون کو اِس راے پر متفق کیا ہوگا" ابوعبیدہ کو جواب لکھا کہ "مین مدد کے لیے سعید بن عامر کو بھیجتا ہون لیکن فتح وشکست فوج کی قِلّت وکثرت پر نہین ہے" ابوعبیدہ نے دمشق پہنچکر تمام افسرون کو جمع کیا اور اُن سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان۔ شرجیل بن حسنہ معاذ بن جبل۔ سب نے مختلف رائین دین، اِسی اثنا مین عمرو بن العاص کا قاصد خط لیکر پہنچا جسکا یہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع مین عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیون کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔ ابوعبیدہ نے جواب مین لکھا کہ حمص کو ہمنے ڈر کر نہین چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجین جو جابجا پھیلی ہوئی ہین، یکجا ہو جائین۔ خط مین یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو مین وہین آکر تم سے ملتا ہون۔

دوسرے دن ابوعبیدہ دمشق سے روانہ ہوگئے اور اردن کی حدود مین یرموک پہنچکر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہین آکر ملے یہ موقع جنگ کی ضرورتون کے لیے اِس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہان سے قریب تھی، اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہان تک چاہین پیچھے ہٹتے جائین، حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہین پہنچی تھی۔ اُدھر رومیون کی آمد اور اُنکے سامان کا حال سُن سُنکر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابوعبیدہ نے

حضرت عمر کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہین اور جو کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گذرتی ہے، راہب- اور خانقاہ نشین- جنھون نے کبھ خلوت سے قدم باہر نہین نکالا تھا- نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہین- خط پہنچ حضرت عمر نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھکر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المومنین! خدا کے لیے ہمکو اجازت دے کہ ہم اپنے بھائیون جا کر نثار ہو جائین- خدانخواستہ اُنکا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے" مہاجرین و انصا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا یہان تک کہ عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ "امیر المومنین تو خود سپہ سا بن اور ہمکو ساتھ لے کر چل"- لیکن اور صحابہ نے اس راے سے اختلاف کیا اور راے یہ ٹھہ کہ امدادی فوجین بھیجی جائین- حضرت عمر نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہان تک آ ہین- اُسنے کہا یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہگیا ہے" حضرت عمر نہایت غمزدہ ہوئے ا فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصے مین کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے؟- ابو عبیدہ کے نا نہایت پُرتاثیر الفاظ مین ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف مین جا کر یہ خط سُنا اور زبانی کہنا کہ الا عمر یقرئک السلام و یقول لکم یا اهل الاسلام اصدقو اللقاء و شدوا علیهم شد اللیوث- ولتکونوا اهون علیکم من الذرّ فانا قد علمنا انکم علیهم منصورون-

یہ عجیب حُسنِ اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد- ابو عبیدہ کے پاس آیا، اُسی دن عامر بھی آدمی کے ساتھ پہنچ گئے- مسلمانون کو نہایت تقویت ہوئی- اور اُنھون نے نہایت استقلال

کے ساتھ لڑائی کی طیاریان شروع کین، رومی فوجین یرموک کے مقابل دیر الجبل مین اُترین خالد نے لڑائی کی طیاریان شروع کین۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی۔ اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کیے۔ ایک کو اپنی رکاب مین رکھا۔ باقی پر قیس بن ہبیرہ۔ میسرہ بن مسروق عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا، یہ تینون بہادر تمام عرب مین انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے، رومی بھی بڑے سرو سامان سے نکلے۔ دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۲۴ صفین تھین جنکے آگے آگے اُنکے مذہبی پیشوا ہاتھون مین صلیبین لیے جوش دلاتے جاتے تھے، فوجین بالکل مقابل آگئین تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ مین تنہا لڑنا چاہتا ہون میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحیّ فی حجالہا   الست یوم الحرب من ابطالہا

پردہ نشین عورتون سے پوچھ لو   کیا مین لڑائی کے دن بہادرون کے کام نہین کرتا

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتیار بھی نہین سنبھال چکا تھا کہ انکا وار چل گیا تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا، ساتھ ہی مسلمانون نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا، اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے۔ عیسائیون نے خالد کے ہمرکاب افسرون کے مقابلے مین جدا جدا فوجین متعین کی تھین لیکن سب نے شکست کھائی، اس دن یہین تک نوبت پہنچکر لڑائی ملتوی رہگئی۔

رات کو **باہان** نے سردارون کو جمع کرکے کہا کہ عربون کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑچکا، بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلاکر انکو یہان سے ٹالا جاے۔ سب نے اِس راے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابوعبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجدو، ہم اُس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہین، ابوعبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد جو پیغام لے کر آیا اُسکا نام جارج تھا۔ جس وقت وہ پہنچا شام ہوچلی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہکر کھڑے ہوے، اور جس محویت۔ سکون۔ وقار۔ ادب و خضوع۔ سے اُنھون نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہان تک کہ جب نماز ہوچکی تو اُسنے ابوعبیدہ سے چند سوالات کیے، جن مین ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسےٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابوعبیدہ نے قرآن کی یہ آیتین پڑھین۔ یا اھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمة القاھا الی مریم۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً لله ولا الملائکة المقربون مترجم نے اِن الفاظ کا ترجمہ کیا، تو جارج بے اختیار پکار اُٹھا کہ بے شک عیسےٰ کے یہی اوصاف ہین اور بیشک تمھارا پیغمبر سچا ہے۔ یہ کہکر اُسنے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہین چاہتا تھا لیکن حضرت ابوعبیدہ نے اِس خیال سے کہ رومیون کو بدعہدی کا گمان نہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہان سے جو سفیر جائیگا اُسکے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن **خالد** رومیون کی لشکرگاہ مین گئے۔ رومیون نے اپنی شوکت دکھانے

کے لیے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونون جانب دور تک سوارونکی صفین قایم کی تھین جو سر سے پانون تک لوہے مین غرق تھے۔ لیکن خالد اِس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے اُن پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریون کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے، باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اُسنے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد۔ قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہون کا شہنشاہ ہے۔ مترجم اِن الفاظ کا پورا ترجمہ نہین کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمھارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جسکو سردار بنا رکھا ہے اُسکو ایک لحظہ کے لیے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اُسکو معزول کر دین، باہان نے پھر تقریر شروع کی، اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ "اہل عرب! تمھاری قوم کے جو لوگ ہمارے ملک مین آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ اُنکے ساتھ دوستانہ سلوک کیے ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا، لیکن خلافِ توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہمکو ہمارے ملک سے نکال دو، تمکو معلوم نہین کہ بہت سی قومون نے بارہا ایسے ارادے کیے لیکن کبھی کامیاب نہین ہوئین، اب تمکو کہ تمام دنیا مین تم سے زیادہ کوئی قوم، جاہل، وحشی، اور بے سر و سامان نہین یہ حوصلہ ہوا ہے، ہم اسپر بھی درگذر کرتے ہین بلکہ اگر تم یہان سے چلے جاؤ تو انعام کی طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسرون کو ہزار ہزار اور عام سپاہیون کو سو سو دینار دلا دیے جائین گے"۔

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالدؓ اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہہ تم دولتمند ہو، مالدار ہو، صاحبِ حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربون کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہمکو معلوم ہے لیکن یہ تمھارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعتِ مذہب کی ایک تدبیر تھی جسکا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے مین تمھارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہین۔ یہ سچ ہے کہ تم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بر دوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا، قبائل آپس مین لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے اور اُنکو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بُت تراشتے تھے اور اُسکی عبادت کرتے تھے لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا۔ اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم مین سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، زیادہ پاک خو تھا، اُسنے ہمکو توحید سکھلائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہین، وہ بیوی اور اولاد نہین رکھتا۔ اور بالکل یکتا و یگانہ ہے،، اُسنے ہمکو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرین، جسنے اُنکو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جسنے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے اُسکے ہم حامی اور محافظ ہین، جسکو دونون سے انکار ہو اُسکے لیے تلوار ہے۔

باہان نے جزیہ کا نام سُنکر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ مر کر بھی جزیہ نہ دینگے۔ ہم جزیہ لیتے ہین دیتے نہین،، غرض کوئی معاملہ طے نہین ہوا اور خالدؓ اُٹھکر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی طیاریان شروع ہوئین جسکے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے۔ خالد کے چلے آنے کے بعد۔ باہان نے سردارون کو جمع کیا اور کہا کہ تمنے

سنا۔ اہل عرب کو دعویٰ ہے کہ جب تک تم اُنکی رعایا نہ بن جاؤ اُنکے حملہ سے محفوظ نہین رہ سکتے۔ ہمکو اُنکی غلامی منظور ہے؟ تمام افسرون نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائینگے مگر یہ ذلت گوارا نہین ہو سکتی۔"

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سر و سامان سے نکلے کہ مسلمانون کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھکر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اُسکے ۳۶ حِصّے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفین قائم کین۔ قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا، میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرحبیل مامور ہوئے۔ میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان مین تھا۔ انکے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کیے چُن کر اُن لوگون کو کیا جو بہادری اور فنونِ جنگ مین شہرتِ عام رکھتے تھے۔ خُطبا۔ جو اپنے زورِ کلام سے لوگون مین ہل چل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پُرجوش تقریرون سے فوج کو جوش دلائین۔ انھین مین ابو سفیان بھی تھے جو فوجون کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے اللہ۔ انکم ذادۃ العرب وانصار الاسلام۔ وانھم ذادۃ الروم وانصار الشرک۔ اللھم ان ھذا یومٌ من ایامک اللھم انزل نصرک علی عبادک

عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایھا النّاس غضوا ابصارکم واشرعوا الرماح والزموا مراکزکم فاذا حمل عدوکم فامھلو ھم حتیٰ اذا رکبوا اطرافَ الاسنّةِ فثبوا فی وجوھھم وثُوبَ الاُسَدِ	یارو! نگاہین نیچی رکھو برچھیان تان لو اپنی جگہ پر جمے رہو۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہون تو آنے دو۔ یہان تک کہ جب برچھیون کی نوک پر آ جائین تو شیر کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ لیکن تمام عرب مین انتخاب تھے۔ اِن مین سے خاص وہ بزرگ جنھون نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے۔ سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر مین رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے۔ عرب کے مشہور قبائل مین سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہمدان۔ خولان۔ لخم۔ جذام وغیرہ کے مشہور سوار تھے، اِس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتین بھی اِسمین شریک تھین اور نہایت بہادری سے لڑین، امیر معاویہ کی مان ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھین تو پکارتی تھین۔ عضدوا الغلفان بسیوفکم۔ امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے۔ فوج کے آگے آگے سورۂ انفال (جسمین جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

اُدھر رومیون کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیون نے پانون مین بیڑیان پہن لین کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے۔ جنگ کی ابتدا رومیون کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ کا ٹڈی دل ایک ساتھ بڑھا، ہزارون پادری اور بشپ ہاتھون مین صلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھکر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے"۔ خالد نے جھلّا کر کہا چپ رہ، خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو مین کہدیتا کہ "عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھا لین"۔

غرض عیسائیون نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیرون کا مینھ برساتے بڑھے۔

مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانون کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہوگیا، اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آگئے۔ عورتون کو یہ حالت دیکھکر سخت غصہ آیا، اور خیمہ کی چوبین اُکھاڑلین اور پکارین کہ نامردو! ادھر آئے تو چوبون سے تمھارا سر توڑ دینگے، خولہ یہ شعر پڑھکر لوگون کو غیرت دلاتی تھین۔

یاھاربا عن نسوۃٍ تقیات ۔ رُمیت بالسّھم و المنیات ۔

یہ حالت دیکھکر مُعاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصّے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ مین تو پیدل لڑتا ہون لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کرسکے تو گھوڑا حاضر ہے" انکے بیٹے نے کہا ہان۔ یہ حق مین ادا کرونگا، کیونکہ مین سوار ہوکر اچھا لڑسکتا ہون، غرض دونون باپ بیٹے فوج مین گھسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانون کے اُکھڑے ہوئے پانون پھر سنبھل گئے۔ ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے پانسو آدمی لیکر بڑھے اور عیسائیونکا جو مسلمانون کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، آگا روک لیا۔ میمنہ مین قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیون نے لڑائی کا سارا زور اُن پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج مین ہر طرف، سر، ہات، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پای ثبات کو لغزش نہین ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ "ازدیو! دیکھنا مسلمانون پر تمھاری وجہ سے داغ نہ آئے" نو بڑے بڑے بہادر انکے ہات سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعۃً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ

کیا کہ رومیون کی صفین ابتر کردین۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہکر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا عیسائیو! مین کسی زمانے مین (کفر کی حالت مین) خود رسول اللہ سے لڑچکا ہون۔ کیا آج تمھارے مقابلے مین میرا پانون پیچھے پڑسکتا ہے"؟ یہ کہکر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصون نے جن مین ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہین کٹ کر رہ گئے۔ عکرمہ کی لاش مقتولون کے ڈھیر مین ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالد نے اپنے زانو پر انکا سر رکھا اور گلے مین پانی ٹپکا کر کہا "خدا کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہوکر نہ مرین[1] گے"۔

غرض عکرمہ اور انکے ساتھی گو خود ہلاک ہوگئے لیکن رومیون کے ہزارون آدمی برباد کردیئے۔ خالد کے حملون نے اور بھی انکی طاقت توڑدی یہان تک کہ آخر انکو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد انکو دباتے ہوئے سپہ سالار (درنجار) تک پہنچ گئے۔ درنجار اور رومی افسرون نے آنکھون پر رومال ڈال لئے کہ "اگر یہ آنکھین فتح کی صورت نہ دیکھ سکین تو شکست بھی نہ دیکھین"۔

عین اس وقت جب ادھر میمنہ مین بازار قتال گرم تھا ابن قناطر[2] نے میسرہ پر حملہ کیا۔ بدقسمتی سے اس حصے مین اکثر لخم و غسان کے قبیلے کے آدمی تھے جو شام کے اطراف مین بودوباش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آئے تھے۔ رومیون کا رعب جو دلون مین سمایا ہوا تھا اسکا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے مین انکے پانون اکھڑ گئے۔ اور اگر افسرون نے

---

[1] تاریخ طبری واقعہ یرموک۔ [2] رومیون کے میمنہ کا سپہ سالار تھا ۱۲

بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی۔ بھاگتون کا پیچھا کرتے ہوئے خیمون تک پہنچ گئے۔ عورتین یہ حالت دیکھکر بے اختیار نکل پڑین اور اُنکی بامردی نے عیسائیون کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہوگئی تھی، لیکن افسرون مین سے قباث بن اشیم۔ سعید بن زید۔ یزید بن ابی سفیان۔ عمرو بن العاص۔ شرجیل بن حسنہ، داد شجاعت دے رہے تھے۔ قباث کے ہاتھ سے تلوارین اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر انکے تیور پر بل نہ آتا تھا۔ نیزہ ٹوٹکر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اُس شخص کو ہتیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدانِ جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا،، لوگ فوراً تلوار یا نیزہ اُنکے ہاتھ مین لا کر دیدیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابو الاعور۔ گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ صبر و استقلال دنیا مین عزت ہے اور عقبےٰ مین رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نجانے پائے،، سعید بن زید غصہ مین گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی اُنکی طرف بڑھے تو شیر کیطرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے، اتفاق سے اُنکے باپ ابوسفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے۔ اُنکی طرف آنکلے۔ بیٹے کو دیکھکر کہا "جان پدر! اس وقت میدان مین ایک ایک سپاہی۔ شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیون کی بہ نسبت تجھپر شجاعت کا زیادہ حق ہے، تیری فوج مین سے ایک سپاہی بھی اس میدان مین تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے،،۔ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیون کا چارون طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ مین پہاڑ کیطرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ

اموالھم بانّ لھم الجنّۃ۔ یُقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون۔ پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ خدا کے ساتھ سوداکرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہان ہین؟۔ یہ آواز جسکے کان مین پڑی، بے اختیار لوٹ پڑا یہان تک کہ اُکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرحبیل نے اُنگوے کر اِس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رُک گئے۔

اُدھر عورتین خیمون سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آکھڑی ہوین اور چلّا کر کہتی تھین کہ میدان سے قدم ہٹایا تو پھر "ہمارا مُنھ نہ دیکھنا"۔

لڑائی کے دونون پہلو اب تک برابر تھے۔ بلکہ غلبہ کا پلّہ رومیون کی طرف تھا۔ دفعۃً قیس بن ہبیرہ جنکو خالد نے فوج کا ایک حصّہ دیکر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سردارون نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفین ابتر ہوگئین اور گھبرا کر پیچھے ہٹین۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا، رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہان تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اُسکے کنارے تک آگئے تھوڑی دیر مین اُنکی لاشون نے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہوگیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا مین کسی نے اُنکے پاون پر تلوار ماری اور ایک پانون کٹ کر الگ ہوگیا۔ حباش کو خبر تک نہوئی تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈھتے پھرتے تھے کہ میرا پانون کیا ہوا؟ انکے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا۔

[1]ومنا ابن عتاب و ناشد رجله   ومنا الذي ادى الى الحي حاجبا

رومیون کے جس قدر آدمی مارے گئے، انکی تعداد مین اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے "ستر ہزار" لکھا ہے، مسلمانون کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا جنمین ضرار بن ازور، ہشام بن العاصی، ابان، سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ مین تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اُسی وقت قسطنطنیہ کی طیاری کی چلتے وقت شام کی طرف رُخ کر کے کہا "الوداع ای شام"

ابوعبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا۔ اور ایک مختصر سے سفارت بھیجی جسمین حذیفہ بن الیمان بھی تھے۔ حضرت عمر یرموک کی خبر کے انتظار مین کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعتہً سجدے مین گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابوعبیدہ یرموک سے حمص کو واپس گئے۔ اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والون نے اول مقابلہ کیا۔ لیکن پھر قلعہ بند ہوکر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہان عرب کے قبائل مین سے قبیلۂ تنوخ مُدت سے آکر آباد ہو گیا تھا، یہ لوگ برسون تک کمل کے خیمون مین بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدّن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالی شان عمارتین بنوا لی تھین۔ حضرت ابوعبیدہ نے ہمقومی کے اتحاد سے انکو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہو گئے صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قایم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا قبیلۂ طی کے بھی بہت سے لوگ یہان آباد تھے۔ انھون نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

---

[1] تمام واقعہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱ مین مذکور ہے۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابوعبیدہ نے حلب کا رُخ کیا۔ شہر سے باہر۔ میدان مین عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انھون نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنون کے بعد سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ حلب والون نے ابوعبیدہ کی آمد سُنکر قلعہ مین پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہرون کی طرح ان شرائط پر صلح ہوگئی کہ عیسائیون نے جزیہ دینا منظور کیا۔ اور انکی جان۔ مال۔ شہرپناہ۔ مکانات قلعے۔ اور گرجون کی حفاظت کا معاہدہ لکھدیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے۔ چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنتہ تھا۔ بہت سے رومیون اور عام عیسائیون نے یہان آکر پناہ لی تھی۔ ابوعبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیون نے مجبور ہوکر صلح کر لی، ان صدر مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا۔ عیسائی خود آکر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابوعبیدہ نے چارون طرف فوجین پھیلادین۔ بوقا۔ جومہ۔ سرمین۔ توزی۔ قورس۔ تل غزاز۔ دلوک۔ رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوتے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہین گرا۔ اسی طرح بالس اور قاصرین بھی پہلے دہلہ مین فتح ہوگئے۔ جرجومہ والون نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی مین مسلمانون کا ساتھ دینگے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے۔ انکی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات مین بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیای کوچک کی سرحد ملتی تھی۔ یہان عرب کے بہت سے قبائل غسان۔ تنوخ۔ ایاد۔ رومیون کے ساتھ ہرقل کے پاس

جانے کی طیاریان کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے اُن پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزارون قتل ہوئے۔ خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اِس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائین۔

بیت المقدس۔ سنہ ۱۶ھ ۶۳۷ء

ہم اوپر لکھ آئے ہین کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین۔ عمرو بن العاص کے حصے مین آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکر ہی کے عہد مین فتح کر لیے تھے اور فاروقی عہد تک نابلس۔ لد۔ عمواس۔ بیت جبرین تمام بڑے بڑے شہرون پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابوعبیدہ سے جا ملتے تھے اور اُنکو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام مین مشغول ہوتے تھے[1]۔ یہان تک کہ آس پاس کے شہرون کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے، اُس وقت حضرت ابوعبیدہ۔ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ اُدھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رُخ کیا۔ عیسائیون نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمرؓ خود یہان آئین اور معاہدۂ صلح انکے ہاتھون سے لکھا جائے۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپکی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰۔

مشورت کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہین۔ آپ انکی اس درخواست کو رد کر دین تو انکو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھکر کہ مسلمان انکو بالکل حقیر سمجھتے ہین۔ بغیر کسی شرط کے ہتیار ڈال دینگے، لیکن حضرت علی نے اسکے خلاف راے دی۔ حضرت عمر نے انھی کی راے کو پسند کیا۔ اور سفر کی طیاریان کین، حضرت علی[1] کو نائب مقرر کرکے خلافت کے کاروبار انکو سپرد کیے اور[2] رجب سنہ ۱۶ھ مین مدینہ سے روانہ ہوگئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظم کا سفر۔ اور سفر بھی وہ جس سے دشمنون پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا۔ کس سر و سامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہان نقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاو لشکر۔ ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری مین گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہان یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سردارون کو اطلاع دیجا چکی تھی کہ جابیہ مین آکر ان سے ملین، اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہین استقبال کیا۔ شام مین رہ کر ان افسرون مین عرب کی سادگی باقی نہین رہی تھی، چنانچہ حضرت عمر کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پر تکلف قبائین تھین اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر انکی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتین

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے یعقوبی نے حضرت علی کے بجاے حضرت عثمان کا نام لیا ہے۔ [2] یعقوبی صفحہ ۱۶۰۔

اختیار کرلین۔

ان لوگون نے عرض کی کہ قباؤن کے نیچے ہتیار ہین (یعنی سپہگری کا جوہر ہاتھ سے نہین دیا ہے) فرمایا "تو کچھ مضائقہ نہین"[1]۔ شہر کے قریب پہونچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہوکر چارون طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا عبرت کے لہجہ مین یہ آیت پڑھی کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ الخ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جابیہ مین دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہین لکھا گیا۔ وہان کے عیسائیون کو حضرت عمر کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی، چنانچہ رئیسانِ شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر فوج کے حلقے مین بیٹھے تھے کہ دفعۃً کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اُڑاتے آتے تھے اور کمر مین تلوارین چمک رہی تھین۔ مسلمانون نے فوراً ہتیار سنبھال لئے۔ حضرت عمر نے پوچھا خیر ہے؟ لوگون نے سوارون کی طرف اشارہ کیا حضرت عمر نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہین۔ فرمایا گھبراؤ نہین یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہین۔ غرض معاہدۂ صلح لکھا جاکر بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہوگئے[2]

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری مین تھا اُسکے سُم گھس کر بیکار ہوگئے تھے اور رُک رُک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمر یہ دیکھکر اُتر پڑے لوگون نے

---

[1] طبری صفحہ (۲۴۰۲)

[2] یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدۂ صلح بیت المقدس مین لکھا گیا اس معاہدے کو تماماً ہمنے اس کتاب کے دوسرے حصے مین نقل کیا ہے۔ دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ (۱۴۹)۔

ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اَٹیل کرنے لگا۔ فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تونے کہان سیکھی۔ یہ کہکر اُتر پڑے اور پیادہ پا چلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہ اور سردارانِ فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا۔ اُسکو دیکھکر مسلمانون کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل مین کیا کہین گے؟۔ چنانچہ لوگون نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "خدا نے ہمکو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے" غرض اِس حال سے بیت المقدس مین داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد مین گئے۔ محرابِ داؤد کے پاس پہنچکر سجدۂ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیون کے گرجا مین آئے اور اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہان اکثر افسرانِ فوج اور عمّال جمع ہوگئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیے۔ ایک دن بلال (رسولؐ اللہ کے موذن) نے آکر شکایت کی کہ امیرالمومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیان کھاتے ہین۔ لیکن عام مسلمانون کو معمولی کھانا بھی نصیب نہین۔ حضرت عمرؓ نے افسرون کی طرف دیکھا۔ اُنھون نے عرض کی کہ اِس ملک مین تمام چیزین ارزان ہین جتنی قیمت پر حجاز مین روٹی اور کھجور ملتی ہے یہان اُسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ افسرون کو مجبور نہ کرسکے لیکن حکم دیدیا کہ مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ۔ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کردیا جاے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا مین عزم

کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دونگا۔ لیکن آج (اور صرف آج) آپکا ارشاد بجا لاؤنگا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہوگئے۔ حضرت عمر کی ہچکی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصےٰ مین گئے اور کعب احبار کو بلایا اور اُنسے پوچھا کہ نماز کہان پڑھی جاے۔ مسجد اقصےٰ مین ایک پتھر ہے جو انبیاے سابقین کی یادگار ہے۔ اسکو صخرہ کہتے ہین اور یہودی اُسکی اُسی طرح تعظیم کرتے ہین جسطرح مسلمان حجر اسود کی۔ حضرت عمر نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ صخرہ کی طرف۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ تم مین اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تمنے صخرہ کے پاس آکر جوتی اُتار دی۔ اس واقعہ سے حضرت عمر کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگارون کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصّے کے صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔

حمص پر عیسائیونکی دوبارہ کوشش ۱۷ھ ۶۳۸ء

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ ایران اور روم کی مہمین جن اسباب سے پیش آئین وہ ہم اوپر لکھ آئے ہین لیکن اسوقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لیے کوئی خاص سبب نہین پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۴۰۰۔

چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھین اور حکومتِ اسلام کی حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتون کو خود بخود خوف پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والون نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجیے ہم ساتھ دینے کو موجود ہین۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی۔ ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔

ابو عبیدہ نے بھی اِدھر اُدھر سے فوجین جمع کر کے حمص کے باہر صفین جمائین، ساتھ ہی حضرت عمر کو تمام حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمر نے آٹھ بڑے بڑے شہرون مین فوجی چھاؤنیان قائم کر رکھی تھین۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت طیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجین یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائین۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دئے۔ قعقاع بن عمر کو جو کوفہ مین مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لیکر حمص پہنچ جائین۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچکر جزیرہ والون کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دین۔ عبد اللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچکر عرب کے اُن قبائل کو تھام رکھین جو جزیرہ مین آباد تھے۔ حضرت عمر نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق مین آئے جزیرہ والون نے جب سُنا کہ خود اُنکے مُلک مین مسلمانون کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیے عرب کے قبائل جو عیسائیون کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمھاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیون سے الگ ہو جائین۔ خالد نے کہلا بھیجا کہ افسوس! مین دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ مین ہون۔ اور وہ جلد کرنا پسند

نہین کرتا اور نہ مجھکو تمھارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پروا ہوتی تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔ ادھر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انھون نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا میری جو راے ہے معلوم ہے عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہین۔ اب کثرت بھی نہین رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے اسپر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پُر زور اور موثر تقریر کی کہ مسلمانو آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہات آئیگا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی۔ مین گواہی دیتا ہون (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہین) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت مین جائیگا"۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بیقرار تھی۔ ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعتہً سب نے ہتیار سنبھال لئے۔ ابو عبیدہ قلب فوج اور خالد و عباس میمنہ اور میسرہ کو لیکر بڑھے قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آتے تھے حمص سے چند میل پر راہ مین تھے کہ اس واقعہ کی خبر سُنی۔ فوج چھوڑ کر سو سوارون کے ساتھ ابو عبیدہ سے آملے۔ مسلمانون کے حملے کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹے انکے ہٹنے سے عیسائیون کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک انکے قدم نہ جمے۔ یہ اخیر معرکہ تھا جسکی ابتدا خود عیسائیون کی طرف سے ہوئی اور جسکے بعد انکو پھر کبھی پیشقدمی کا حوصلہ نہین ہوا۔

حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور سنہ ۱۷ھ ۶۳۸ء کے واقعات مین حضرت خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہات مین لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالدؓ کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آتے ہین لیکن یہ انکی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہین۔ خود ہی سنہ ۱۳ھ کے واقعات مین خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی سنہ ۱۷ھ کے واقعات مین انکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونون جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دئیے ہین۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالدؓ کی بعض بے اعتدالیون کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت مین ان سے کچھ تعرض کرنا نہین چاہا۔ لیکن چونکہ خالدؓ کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہین بھیجتے تھے اس لئے انکو تاکید لکھی کہ آیندہ سے اسکا خیال رکھین۔ خالد نے جواب مین لکھا کہ مین حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہون اور اب اسکے خلاف نہین کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو انکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہات مین دیکھتے تھے۔ چنانچہ خالدؓ کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالدؓ نے اس شرط کو نا منظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ مین حضرت خالدؓ کے حال مین بتفصیل لکھا ہے۔

بااینہمہ انکو بالکل معزول نہین کیا بلکہ ابوعبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اسکے بعد سنہ ۱۷ھ ۶۳۸ء مین یہ واقعہ

پیش آیا کہ حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیدیئے۔ پرچہ نویسون نے اُسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونون صورتون مین وہ معزولی کے قابل مین۔ خالدؓ جس کیفیت سے معزول کیئے گئے وہ سُننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لیکر آیا تھا مجمعِ عام مین خالدؓ سے پوچھا کہ یہ انعام تمنے کہان سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کرلیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ اُن سے درگذر کیجائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے مجبوراً قاصد نے۔ معزولی کی علامت کے طور پر اُنکے سر سے ٹوپی اُتارلی اور اُنکی سرتابی کی سزا کے لئے اُنھی کے عمامہ سے اُنکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہین کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جسکا نظیر تمام اسلام مین کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کردیا تھا اِس طرح ذلیل کیا جارہا ہے اور مطلق دَم نہین مارتا۔ اِس واقعہ سے ایک طرف تو خالدؓ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچکر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر مین یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھکو شام کا افسر مقرر کیا اور جب مَین نے تمام شام کو زیر کرلیا تو مجھکو معزول کردیا۔ اِس فقرے پر ایک سپاہی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چُپ رہ! اِن باتون سے فتنہ پیدا ہوسکتا ہے۔" خالد نے کہا ہان! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے؟[1]

---

[1] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۸۶ و تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۶۔

خالدؓ مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر کہا کہ عمرؓ! خدا کی قسم تم میرے معاملہ مین ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمھارے پاس اتنی دولت کہان سے آئی۔ خالدؓ نے کہا کہ مالِ غنیمت سے۔ اور یہ کہکر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ مین آپکے حوالہ کرتا ہون۔ چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال مین داخل کر دئے گئے حضرت عمرؓ نے خالدؓ کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ خالدؓ! واللہ تم مجھکو محبوب بھی ہو اور مین تمھاری عزت بھی کرتا ہون۔" یہ کہکر تمام عمالانِ ملکی کو لکھ بھیجا کہ "مین نے خالدؓ کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہین کیا۔ لیکن چونکہ مین یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اُنکے مفتون ہوتے جاتے ہین اس لیے مین نے اُنکا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لین کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے[1]"۔ ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالدؓ کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اسمین کیا مصلحتین تھین۔

عمواس کی وبا۔ ۱۸ھ ۶۳۹ء

اس سال شام و مصر و عراق مین سخت وبا پھیلی۔ اور اسلام کی بڑی بڑی یادگارین خاک مین چھپ گئین۔ وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر مین ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اُسکی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرغ[2] پہنچکر ابو عبیدہ وغیرہ سے جو اُنکے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بُلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگون نے مختلف

---

[1] طبری صفحہ [illegible]۔ [2] ایک مقام کا نام ہے۔

رائین دین۔ لیکن مہاجرین فتح نے یکزبان ہو کر کہا کہ آپکا یہان ٹھہرنا مناسب نہین۔ حضرت عمر نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ پکار دین کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے انکو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش مین آکر کہا

افرارًا من قدر الله	یعنی اے عمرؓ! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے انکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا

نعم افر من قضاء الله الی قضاء الله	یعنی ہان! تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہون مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کیطرف ہون

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہ کو لکھا کہ مجھکو تم سے کچھ کام ہے۔ کچھ دنونکے لئے یہان آجاؤ۔ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب مین لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر مین لکھا ہے وہ ہوگا۔ مین مسلمانون کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہان سے ٹل نہین سکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھکر روئے اور لکھا کہ فوج جہان اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے' اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے دہان اٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ مین جا کر مقام کیا جو آب و ہوا کی خوبی مین مشہور تھا۔

جابیہ پہنچکر ابو عبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگون کو جمع کیا اور نہایت پُر اثر الفاظ مین وصیت کی۔ معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائین۔ ادھر نماز ختم ہوئی اُدھر اُنھون نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیماری اُسی طرح زورون پر تھی اور فوج مین انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگون سے کہا کہ یہ وبا اُنھی بلاؤن مین سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے مین مصر

پر نازل ہوئی تھین اس لئے یہان سے بھاگ چلنا چاہئے۔ معاذ نے سُنا تو ممبر پر چڑھکر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا۔ بلا نہین ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے،،۔ خطبہ کے بعد خیمہ مین آئے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا یا ابت الحقُّ من ربّکَ فلا تکونن مِن الممترین۔ یعنی اے فرزند۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ دیکھ شبہہ مین نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب دیا ستجدنی ان شاء اللہ مِن الصّابرین۔ یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھکو صابر پائین گے،،۔ یہ کہکر انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی۔ بڑے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا وہ زور تھا اور ہزارون آدمی طعمۂ اجل ہوتے جاتے تھے۔ لیکن معاذ اُسکو خدا کی رحمت سمجھا کئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ انھون نے مجمع عام مین خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ اِس لئے تمام فوج کو یہان سے اُٹھکر پہاڑون پر جا رہنا چاہئے۔ اگرچہ انکی راے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہمخیال تھے ناپسند آئی یہان تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ ”تو جھوٹ کہتا ہے،، تاہم عمرو نے اپنی راے پر عمل کیا۔ فوج انکے حکم کے مطابق اِدھر اُدھر پہاڑون پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اسوقت عمل مین آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو آدمی دنیا کے فتح کرنے کے لئے کافی ہوسکتے تھے، موت کے مہمان ہوچکے تھے۔ انمین ابو عبیدہ۔ معاذ بن جبل۔ یزید بن ابی سفیان۔ حارث بن ہشام سہیل بن عمر۔ عتبہ بن سہیل۔ بڑے درجے کے لوگ تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات سے اطلاع

ہوتی رہتی تھی۔ اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرجیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہً رُک گیا۔ فوج بجاے اسکے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال مین گرفتار تھی۔ ہزارون لڑکے یتیم ہوگئے۔ ہزارون عورتین بیوہ بن گئین۔ جو لوگ مرے تھے اُنکا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفا انکا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اُسکے اونٹ پر سوار ہو لئے۔ راہ مین جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیرالمومنین کہان ہین؟ فرماتے کہ "تمھارے آگے"! اسی حیثیت سے ایلہ مین آئے اور یہان دو ایک روز قیام کیا۔ گزی کا کُرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا، اُسنے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے۔ اور اُسکے ساتھ ایک نیا کُرتہ طیار کرکے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کُرتہ پہن لیا اور کہا کہ اسمین پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق آئے۔ اور شام کے اکثر اضلاع مین دو دو چار چار دن قیام کرکے مناسب انتظامات کئے۔ فوج کی تنخواہین تقسیم کین۔ جو لوگ وبا مین ہلاک ہوے تھے اُنکے دور و نزدیک کے وارثون کو بلا کر اُنکی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیان قائم کین۔ جو اسامیان خالی ہوئی تھین اُنپر نئے عہدہ دار مقرر کئے (ان باتون کی پوری تفصیل دوسرے حصے مین آئیگی) چلتے وقت لوگون کو جمع کیا، اور جو انتظامات کئے تھے اُنکے متعلق تقریر کی۔

اِس سال عرب مین سخت قحط پڑا۔ اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزارون لاکھون آدمی بھوکون مرجاتے۔ اِسی سال۔ مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہین اور روزینے مقرر کیے۔ چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے مین آئیگی۔

قیساریہ کی فتح۔ شوال ۱۹ھ[1] ۶۴۰ء

یہ شہر بحرِ شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع مین شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے مین بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے۔ اِس شہر پر اول اول ۱۳ھ ۶۳۴ء مین عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مُدت تک محاصرہ کیے پڑے رہے لیکن فتح نہو سکا۔ ابوعبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو اُنکی جگہ مقرر کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی مہم پر جائین۔ وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن ۱۸ھ ۶۳۹ء مین جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کرکے دمشق چلے آئے اور یہین وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے سروسامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جسکا نام یوسف تھا۔ امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سُرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادرون نے اُسکی راہ قلعہ کے اندر پہنچکر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتون کے پشتے لگا دیے۔ مورخین کا بیان ہے

---

[1] بلاذری۔

کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسّی ہزار فوج تھی جسمین بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اِسکی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہوگیا۔

جزیرہ[1] سنہ ۱۶ ہجری
۶۳۷ء

مدائن کی فتح سے دفعتہً تمام عجم کی آنکھین کھل گئین عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب اُنکو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجاے خود عرب کے مقابلے کی طیاریان شروع کین سب سے پہلے جزیرہ نے ہتیار سنبھالا کیونکہ اُسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمر کو ان حالات سے اطلاع دی۔ وہان سے عبد اللہ بن المعتم مامور ہوے اور چونکہ حضرت عمر کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور اور افسرون کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل۔ میمنہ پر حارث بن حسان۔ میسرہ پر فرات بن حیان۔ ساقہ پر ھانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبد اللہ بن المعتم پانچہزار کی جمعیت سے تکریت کی طرف بڑھے[2] اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینے سے زیادہ زیادہ محاصرہ رہا۔ اور ۲۴ دفعہ حملے ہوے۔ چونکہ عجمیون کے ساتھ عرب کے چند قبایل یعنی ایاد۔ تغلب۔ نمر بھی شریک تھے۔ عبد اللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیون گوارا کرتے ہو؟ اِس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو۔ ہم

---

[1] جزیرہ اُس حصۂ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ مین ہے۔ اسکی حدود اربعہ یہ ہین۔ مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ۔ اور ایشیای کوچک جنوب شام۔ مشرق عراق۔ شمال آرمینیہ کے کچھ حصے۔ یہ مقام درج نقشہ ہے ۱۲

[2] تکریت۔ جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جسکی حد عراق سے ملی ہوئی ہے۔ دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے ۶ منزل پر ہے ۱۲

عین موقع پر عجمیون سے ٹوٹ کر رقہ سے آملین گے۔ یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا ہوا عجمی مقابلے کو نکلے تو خود اُنکے ساتھ کے عربون نے عقب سے اُنپر حملہ کیا۔ عجمی دونون طرف سے گھر کر بالکل پامال ہوگئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات مین شامل ہے لیکن چونکہ اِسکا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے مین آگیا تھا اِس لیے مورخینِ اسلام، جزیرہ کی فتوحات کو اِس واقعہ سے شروع نہین کرتے۔ اور خود اُس زمانے مین یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہین خیال کیا جاتا تھا سنہ ۱۷ ہجری مین جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو سعد کے نام حضرت عمر کا حکم پہونچا کہ جزیرہ پر فوجین بھیجی جائین۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اِس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے مین رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے۔ یہان کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی۔ رہا، کے بعد چند روز مین تمام جزیرہ اِس سرے سے اُس سرے تک فتح ہوگیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیان پیش آئین اُنکے یہ نام ہین۔ رقہ۔ حران۔ نصیبین۔ میارفارقین۔ سمساط۔ سروج۔ قرقیسیا۔ زوزان۔ عین الوردہ۔

خوزستان[1]

سنہ ۱۶ ہجری مین مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد

---

[1] خوزستان اُس حصۂ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے اُسمین ۱۲ بڑے شہر ہین جسمین سبسے بڑا شہر "اہواز" ہے جو نقشہ مین بھی درج کردیا گیا ہے ۱۲

بصرہ سے ملی ہوئی ہے۔ انھون نے خیال کیا کہ اسکے فتح کے بغیر بصرہ مین کافی طور سے امن وامان قایم نہین ہو سکتا۔ چنانچہ سنہ ۱۶ ہجری کے شروع مین اہواز پر جسکو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہان کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیرہ وہین تک گئے سنہ ۱۷ ہجری مین مغیرہ معزول ہو کر انکی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوے۔ اس انقلاب مین اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی۔ اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہان رہتی تھی اُسنے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزارون آدمی لونڈی غلام بنکر تقسیم کیے گئے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو اُنھون نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیے جائین چنانچہ وہ سب چھوڑ دیے گئے۔ ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رُخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والون نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس معرکہ مین مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوے۔ اور قلعہ والون نے اُنکا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ ابو موسےٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہان چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابو موسےٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ مین کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیسِ شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اُسکے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیے جائین۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اُسکو امن دیدیا جاتا تھا۔ بدقسمتی سے شمار مین رئیس نے خود اپنا نام نہین لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسےٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔

سوس کے بعد رامہرز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہوگئی۔ یزدگرد اُس وقت قم مین مقیم تھا اور خاندانِ شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازیون کی خبرین اُسکو برابر پہونچتی تھین۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا، یزدگرد کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت مین دیدیے جائین تو مین عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دون۔ یزدگرد نے اُسی وقت فرمانِ حکومت عطا کر کے ایک جمعیتِ عظیم ساتھ کردی۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیان جو کچھ تھین یہین تھین۔ ہرمزان نے وہان پہنچکر قلعہ کی مرمت کرائی۔ اور خندق اور برجون سے مستحکم کیا۔ اِسکے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیے کہ لوگون کو جوش دلا کر جنگ کیلیے آمادہ کرین۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہوگیا تھا پھر تازہ ہوگیا اور چند روز مین ایک جمعیتِ اعظم فراہم ہوگئی۔ ابو موسےٰ نے دربارِ خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہان سے عمار بن یاسر کے نام جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجین۔ لیکن غنیم نے جو سروسامان کیا تھا اُسکے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابو موسےٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب مین عمار کو حکم پہنچا کہ عبد اللہ بن مسعود کو آدھی فوج کے ساتھ کوفہ مین چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابو موسےٰ کی مدد کو جاؤ۔ اُدھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لیکر جلولا پہنچا۔ ابو موسےٰ نے اس سروسامان سے شوستر کا رُخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرتِ فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابو موسےٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ برا بن مالک کو دیا۔ (یہ حضرت انس (صحابی مشہور) کے بھائی تھے)

میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سوارون کا رسالہ حضرت انس کی رکاب مین تھا۔ دونون فوجین خوب جی توڑ کر لڑین۔ براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہرپناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ اُدھر ہرمزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونون کا سامنا ہوا۔ براء مارے گئے۔ ساتھ ہی مجزاۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھکر وار کیا۔ لیکن ہرمزان نے انکا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانون کے ہاتھ رہا عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو مین شہر پر قبضہ کرا دون۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اسنے ایک عرب کو جسکا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہ خانے کی راہ شہر مین داخل ہوا اور اشرس کے مُنھ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچون سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل مین آیا۔ ہرمزان رئیسون اور درباریون کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے انکو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابو موسیٰ کی خدمت مین حاضر ہوا کہ مین اپنا فرض ادا کر چکا آگے تمھاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اُسکے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہون تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو بہادرون نے بڑھکر کہا کہ خدا کی راہ مین ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اُسی تہ خانے کی راہ شہرپناہ کے دروازے پر پہنچے۔ اور پہرہ دارون کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیے

ادھر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر مین ہل چل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے مین پناہ لی مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اُسنے برج پر چڑھکر کہا کہ میرے ترکش مین اب بھی سَو تیر ہین اور جب تک اتنی ہی لاشین یہان نہ بچھ جائین مین گرفتار نہین ہو سکتا۔ تاہم مین اس شرط پر اُتر آتا ہون کہ تم مجھکو مدینہ پہونچادو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو،، ابو موسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اُسکے ساتھ جائین۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب مین لیے۔ مدینہ کے قریب پہنچکر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی۔ اور شاہانِ عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے۔ کمر سے مُرصع تلوار لگائی۔ غرض شوکت و شان کی تصویر بنکر مدینے مین داخل ہوا اور لوگون سے پوچھا کہ امیرالمومنین کہان ہین؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبہ نے تمام دنیا مین غلغلہ ڈال رکھا ہے اسکا دربار بھی بڑے سروسامان کا ہوگا۔ حضرت عمر اسوقت مسجد مین تشریف رکھتے تھے اور فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد مین داخل ہوا تو سیکڑون تماشائی ساتھ تھے جو اسکے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگون کی آہٹ سے حضرت عمر کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''یہ دنیاے دون کی دلفریبیان ہین''۔ اسکے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اسوقت تک ترجمان نہین آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اسلیے

انھون نے ترجمانی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہ، وطن کی فارسی نہین جانتے تھے۔ اِس لیے کہا کہ۔ از کدام ارضی؟۔ پھر اور باتین شروع ہوئین۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا[1]۔ شوستر کے معرکے مین دو بڑے مسلمان افسر اسکے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتونکا اس قدر رنج تھا کہ انھون نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اسنے کہا کہ عمرؓ! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمھارے ساتھ ہے اور ہم تمھارے غلام ہین۔ یہ کہکر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ مین لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لون مارا نجاؤن۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اسنے پیالہ ہات سے رکھدیا اور کہا کہ مین پانی نہین پیتا اور اِس لیے شرط کے موافق، تم مجھکو قتل نہین کرسکتے۔ حضرت عمرؓ اِس مغالطے پر حیران رہگئے۔ ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا اور کہا کہ مین پہلے ہی اسلام لاچکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ یہ نہ کہین کہ مین نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا[2]۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوے" اور خاص مدینہ مین رہنے کی اجازت دی، اسکے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کردیا۔ حضرت عمرؓ فارس وغیرہ کی مہمات مین اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا جو شوستر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والون نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ

---

[1] ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ [2] عقد الفرید لابن عبد ربہ۔ باب المکیدۃ فی الحرب۔

تمام لوگ اپنے کاروبار مین مصروف ہوئے۔ مسلمانون کو انکے اطمینان پر تعجب ہوا اور اسکا سبب دریافت کیا۔ شہر والون نے کہا تم ہمکو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے۔ اب کیا جھگڑا رہا۔ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگون سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی خود رائی حجت نہین ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہین جانتے۔ آخر حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ انھون نے جواب مین لکھا کہ مسلمانون کا غلام بھی مسلمان ہے اور جسکو اُسنے امان دیدی تمام مسلمان امان دیچکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان مین اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور فتوحات کی فہرست مین ایک اور نیا ملک اضافہ ہو گیا۔

عراق عجم[۱] ۔ سنہ ۲۱ ہجری

جلولا کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہین یزدگرد، رَی چلا گیا۔ لیکن یہان کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا یہان پہنچکر مرو مین اقامت کی۔ آتشِ پارسی ساتھ تھی اسکے لئے آتشکدہ تیار کرایا اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دئے۔ یہین خبر لگی کہ عربون نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سُنکر نہایت

---

[۱] سرزمین عراق دو حصون پر منقسم ہے مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہین اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہین کہ شمال مین طبرستان، جنوب مین شیراز، مشرق مین خوزستان، اور مغرب مین شہرزور واقع ہے۔ اسوقت اسکے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رَی سمجھے جاتے تھے۔ اسوقت رَی بالکل ویران ہو گیا اور اسکے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہان قاجار کا دار السلطنت ہے ۱۲

طیش مین آیا - اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اسکا وہ پہلا رعب وداب باقی نہین رہا تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعۃً نہین مٹ سکتا تھا - ایرانی اسوقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچکر رُک جائیگی - اِس لیئے اُنکو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا لیکن خوزستان کے واقعہ سے اُنکی آنکھین کھُلین - ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے اِس سے دفعۃً طبرستان، جرجان، دماوند، رے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان - اور سندھ تک تلاطم مچ گیا - اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹِڈی دَل قم مین آکر ٹھہرا - یزدگرد نے مردان شاہ کو (ہرمز کا فرزند تھا) سر لشکر مقرر کرکے نہاوند کی طرف روانہ کیا - اِس معرکہ مین درفشِ کاویانی جسکو عجم فالِ ظفر سمجھتے تھے مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا - چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اِس مبارک عَلَم کا پھریرا اُسپر سایہ کرتا جاتا تھا - عمار بن یاسر نے جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی - حضرت عمرؓ عمار کا خط لیئے ہوئے مسجد نبوی مین آئے اور سب کو سُنا کے کہا کہ گروہ عرب! اِس مرتبہ تمام ایران کمربستہ ہوکر چلا ہے کہ مسلمانون کو دنیا سے مٹا دے - تم لوگونکی کیا راے ہے؟ طلحہ بن عبید اللہ نے اُٹھکر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپکو تجربہ کار بنا دیا ہے ہم اِسکے سوا کچھ نہین جانتے کہ آپ جو حکم دین بجا لائین،، - حضرت عثمان نے کہا کہ ،،میری راے ہے کہ شام - یمن - بصرہ کے افسرون کو لکھا جاے کہ اپنی اپنی فوجین لیکر عراق کو روانہ ہون - اور آپ خود اہلِ حرم کو لیکر مدینہ سے اُٹھین - کوفہ مین تمام فوجین آپکے علم کے نیچے جمع ہون اور پھر نہاوند کی طرف رُخ کیا جائے،، - حضرت عثمان کی اِس راے کو سب نے پسند کیا - لیکن حضرت علی چپ تھے - حضرت عمرؓ نے اُنکی طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجین

ہٹین تو اِن مقامات پر سرحد کے دشمنون کا قبضہ ہو جائیگا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب مین ہر طرف قیامت برپا ہو جائیگی اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہوگا۔ میری راے ہے کہ آپ یہان سے نہ ہلین اور شام۔ یمن۔ بصرہ وغیرہ مین فرمان بھیجدیے جائین کہ جہان جہان جس قدر فوجین ہین ایک ایک ثلث اِدھر روانہ کردیجائین"۔ حضرت عمر نے کہا میری بھی یہی راے تھی لیکن مین تنہا اسکا فیصلہ کرنا نہین چاہتا تھا۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم مین سپہ سالار بنکر کون جاے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہین آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور اور مہمات مین مصروف تھے۔

حضرت عمر کے مراتب کمال مین یہ بات بھی داخل ہے کہ اُنھون نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف اُنکی نگاہ مین تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اسکا فیصلہ آپ سے بڑھکر کون کرسکتا ہے؟۔ حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی۔ نعمان۔ تیس ہزار کی جمعیت لے کر کوفہ سے روانہ ہوے۔ اس فوج مین بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جنمین سے حذیفہ بن الیمانؓ عبد اللہ بن عمرؓ۔ جریر بجلی۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو معدی کرب۔ زیادہ مشہور ہین۔ نعمان نے جاسوسون کو بھیجکر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے نو میل اِدھر اسپیدہان ایک مقام تھا وہان پہنچکر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمر نے یہ کی کہ فارس مین جو اسلامی فوجین موجود تھین اُنکو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائین۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بنکر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا۔ مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زر پر بٹھایا۔ تخت کے داہنے بائین ملک ملک کے شاہزادے، دیبائے زرکش کی قبائین سر پر تاج زر، ہاتھون مین سونے کے کنگن، پہنکر بیٹھے۔ اُنکے پیچھے دُور دُور تک سپاہیون کی صفین قائم ہوئین جنکی برہنہ تلوارون سے آنکھین خیرہ ہوئی جاتی تھین۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا۔ اہل عرب! سب سے زیادہ بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہوسکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہین ابھی تمھارا فیصلہ کردیتے۔ لیکن مجھکو یہ گوارا نہ تھا کہ اِنکے تیر تمھارے ناپاک خون مین آلودہ ہون۔ اب بھی اگر تم یہان سے چلے جاؤ تو مین تمکو معاف کردونگا"۔ مغیرہ نے کہا ہان ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے لیکن اس ملک مین آکر ہمکو دولت کا مزہ پڑگیا اور یہ مزے ہم سے اُسی وقت چھوٹین گے جب ہماری لاشین خاک پر بچھ جائین"۔ غرض سفارت بیحاصل گئی۔ اور دونون طرف جنگ کی طیاریان شروع ہوگئین۔ نعمان نے میمنہ اور میسرہ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع متعین ہوئے۔ اُدھر میمنہ پر زردک۔ اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیون نے میدان جنگ مین پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دئے تھے جسکی وجہ سے مسلمانون کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھکر افسرون کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجین آراستہ ہوکر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہرین۔ اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دیکر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہون

عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اِس بندوبست کے لیے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے پیچھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے۔ قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہان تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر جو فوجین جما رکھی تھین موقع کا انتظار کر رہی تھین۔ جون ہی عجمی زد پر آئے انھون نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے اُس سے سیکڑون ہزارون مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اِس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی، تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے نعرہ پر فوج سروسامان سے درست ہوگئی۔ دوسرے پر لوگون نے تلوارین تول لین۔ تیسرے پر دفعتہً حملہ کیا اور اِس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتون کے پشتے لگ گئے۔ میدان مین اس قدر خون بہا کہ گھوڑون کے پانون پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخمون سے چور ہوگئے۔ انکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے مین پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جون ہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن انکے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور اُنکی کلاہ اور قبا پہن کر اُنکے گھوڑے پر سوار ہوگئے۔ اِس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہوا اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اِس مبارک زمانے مین مسلمانون کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اُسکا اندازہ

ذیل کے واقعہ سے ہوسکتا ہے نعمان جس وقت زخمی ہوکر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ مَین مر بھی جاؤن تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی انکے پاس سے نکلا، دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہین۔ گھوڑے سے اُتر کر انکے پاس بیٹھنا چاہا کہ اُنکا حکم یاد آگیا۔ اُسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا۔ انھون نے آنکھین کھولین اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اسنے کہا مسلمانون کو فتح ہوئی''۔ خدا کا شکر ادا کرکے کہا کہ فوراً عمر کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجمیون کے پانون اُکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانون نے ہمدان تک تعاقب کیا۔

حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچکر مقام کیا۔ یہان ایک مشہور آتشکدہ تھا، اسکا موبد حذیفہ کی خدمت مین حاضر ہوا کہ مجھکو امن دیا جاے تو مین ایک متاع بے بہا کا پتہ دون۔ چنانچہ کسرے پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کیے جسکو کسرے نے مشکل وقتون کے لیے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچوان حصہ مع جواہرات کے حضرت عمر کی خدمت مین بھیجا۔ حضرت عمر کو ہفتون سے لڑائی کی خبر نہین پہنچی تھی۔ قاصد نے مژدۂ فتح سُنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سُنا تو بے اختیار رو پڑے۔ اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھکر روتے رہے۔ قاصد نے اَور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنکو مَین نہین جانتا۔ حضرت عمر پھر روئے اور فرمایا کہ عمر نجانے تو نہ جانے خدا اُنکو جانتا ہے"۔ جواہرات کو دیکھکر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لیجاؤ اور حذیفہ سے

کہوکہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دین۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کرور درہم کو فروخت ہوئے۔

اس لڑائی مین قریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے۔ اس معرکے کے بعد عجم نے پھر کبھی زور نہین پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جسکے ہاتھ پر حضرت فاروقؓ کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی مین گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۲۱ھ ۶۴۲ء

اسوقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہین کیا تھا۔ ابتک جو لڑائیان ہوئین وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھین۔ عراق البتہ ممالک محروسہ مین اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اسکے ہر حصہ مین عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھکر جو لڑائیان ہوئین وہ عراق کے سلسلہ مین خودبخود پیدا ہوتی گئین۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے بیچ مین آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہمپر حملہ کرسکتے نہ ہم اُنپر چڑھکر جا سکتے۔"

لیکن ایرانیون کو کسی طرح چین نہین آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجین تیار کرکے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانون کے قبضے مین آچکے تھے وہان غدر کروا دیا کرتے تھے۔ نہاوند کے معرکے سے حضرت عمرؓ کو اِسپر خیال ہوا اور اکابرِ صحابہ کو بلاکر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ مین بار بار بغاوت کیون ہوجاتی ہے"؟ لوگون نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نجائے یہ فتنہ فرو نہین ہوسکتا کیونکہ جب تک ایرانیون کو یہ خیال رہیگا کہ تختِ کیان کا وارث موجود ہے

اُسوقت تک اُنکی امیدین منقطع نہین ہوسکتین۔

اس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام لشکرکشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کرکے مشہور افسرون کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو، سابور و اردشیر کا۔ مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا۔ عثمان بن العاص الثقفی کو، فسا کا۔ ساریہ بن رہم الکنانی کو۔ کرمان کا۔ سہیل بن عدی کو سیستان کا۔ عاصم بن عمر کو۔ مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو۔ آذربیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ سنہ ۲۱ھ مین یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم انکو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہین۔

فتوحات کے اس سلسلے مین سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ سنہ ۲۱ھ مین عبد اللہ بن عبد اللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی۔ یہان کے رئیس نے جسکا نام استندار تھا اصفہان کے نواحی مین بڑی جمعیت فراہم کی تھی۔ جسکے ہراول پر شہرباز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونون فوجین مقابل ہوئین تو جادویہ نے میدان مین آکر پکارا کہ جسکو دعوے ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ عبد اللہ خود مقابلے کو نکلے۔ جادویہ مارا گیا۔ اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ استندار نے معمولی شرایط پر صلح کرلی عبد اللہ نے آگے بڑھکر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہان کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسرون کی جانین کیون ضایع ہون ہم تم لڑکر خود فیصلہ کرلین۔ دونون حریف میدان مین آئے۔ فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا۔ عبد اللہ نے اس پامردی سے اُسکے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے مُنھ سے بے اختیار آفرین نکلی اور کہا کہ مین تم سے لڑنا نہین چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہون کہ باشندون مین سے

جو چاہے جزیہ دیکر شہر مین رہے' اور جو چاہے نکل جاے۔ عبد اللہ نے یہ شرط منظور کی اور معاہدۂ صلح لکھدیا۔

اسی اثنا مین خبر لگی کہ ہمدان مین غدر ہو گیا۔ حضرت عمر نے نعیم بن مقرن کو ادھر روانہ کیا انھون نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچکر محاصرہ کے سامان کئے لیکن جب محاصرہ مین دیر لگی تو اضلاع مین ہر طرف فوجین پھیلا دین۔ یہان تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھکر محصورون نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا لیکن دیلم نے رَے و آذربیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کرکے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبدی جو رَے کا رئیس تھا انبوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربیجان سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود مین یہ فوجین جمع ہوئین۔ اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگون کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا۔ آخر دیلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جسر مین حضرت عمر کے پاس شکست کی خبر لیکر گئے تھے اس فتح کا پیام لے کر گئے کہ اس دن کی تلافی ہو جائے حضرت عمر۔ دیلم کی تیاریان سُنکر نہایت تردد مین تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے۔ کہ دفعتہً عروہ پہنچے۔ حضرت عمر کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہین۔ بے ساختہ زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ نکلا۔ عروہ نے کہا آپ گھبرائین نہین۔ خدا نے مسلمانون کو فتح دی۔

حضرت عمر نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے رَے کو روانہ ہون رَے کا حاکم اُس وقت سیاوُش تھا جو بہرام چوبین کا پوتا تھا۔ اُسنے دنیاوند۔ طبرستان۔ قوس۔ جرجان کے رئیسون سے مدد طلب کی۔ اور ہر جگہ سے امدادی فوجین آئین۔ لیکن زینبدی جسکو سیاوش

سے کچھ ملال تھا نعیم بن مقرن سے آملا - اُسکی سازش سے شہر پر حملہ ہوا اور حملہ کے ساتھ دفعۃً شہر فتح ہوگیا - نعیم نے زینبدی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سر سے آباد کیا جائے - حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے مین قیام کیا - اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہوگیا - اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہوگیا -

آذربیجان[1] - سنہ ۲۲ھ

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہین حضرت عمرؓ نے آذربیجان کا علم عتبہ (بن فرقد) اور بکیر کو بھیجا تھا اور اُنکے بڑھنے کی سمتین بھی متعین کردی تھین - بکیر جرمیدان مین پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا - اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہوگیا - دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کا سد راہ ہوا - لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا - اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سُنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی - اور مین جزیہ پر تم سے صلح کرلیتا ہون - چونکہ آذربیجان ابھی دونون بھائیون کے قبضے مین تھا - عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ آذربیجان

---

[1] نقشہ دیکھنے سے آذربیجان کا پتہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز کو اسکا صدر مقام سمجھنا چاہیے (سابق مین شہر مراغہ دارالصدر تھا) بردعہ اور اردبیل اسی صوبہ مین آباد ہین - آذربیجان کی وجہ تسمیہ مین دو روایتین ہین ایک یہ کہ موبد آذرباد نے ایک آتشکدہ بنایا تھا جسکا نام آذرآبادگان تھا - دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی مین آذر کے معنی آتش کے ہین اور بایگان کے معنی ہین محافظ یعنی نگاہ دارندۂ آتش چونکہ اس صوبہ مین آتشکدون کی کثرت تھی اس وجہ سے یہی نام ہوگیا جسکو عربون نے اپنی زبان مین آذربیجان کرلیا -

کا رئیس رہکر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربیجان کا علَم حذیفہ بن یمان ملا تھا۔ وہ نہاوند سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہان کے رئیس نے باجروان میمند۔ سراۃ۔ سبز۔ میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کرکے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہوگئی۔ حذیفہ نے اسکے بعد موقان و جیلانی پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اڑائے۔

اسی اثنا مین دربارِ خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد انکی جگہ پر مقرر ہوے۔ عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربیجان کے تمام اطراف مین بغاوت پھیل چکی تھی چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان۔ سنہ ۲۲ھ[1]

ہم اوپر لکھ آئے ہین کہ نعیم نے جب رَے فتح کرلیا تو انکے بھائی سوید۔ قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ مین آگیا۔ یہان سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہان کے رئیس رزبان سے نامہ و پیام کیا۔ اُسنے جزیہ پر صلح کرلی اور معاہدۂ صلح مین تصریح لکھدیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہین اور ملک والون مین جو لوگ بیرونی حملون کے روکنے مین مسلمانون کا ساتھ دینگے وہ جزیہ سے بری ہین۔ جرجان کی خبر سنکر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کرلی کہ پانچ لاکھ درہم

---

[1] نقشہ مین صوبۂ طبرستان فتوحات عثمانی مین ملیگا اسلیے کہ خلافت فاروقی مین جزیہ لیکر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسکی حدود اربعہ یہ ہین۔ مشرق مین خراسان، جرجان، مغرب مین آذربیجان، شمال مین بحر جرجان اور جنوب مین بلاد جبل۔ بسطام اور استرآباد اسکے مشہور شہر ہین۔

سالانہ دیا کریگا۔ اور مسلمانون کو اُنپر یا اُنکو مسلمانون پر کچھ حق نہوگا۔

آرمینیہ[1]

بکیر جو آذربیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربیجان فتح کرکے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کرکے اُنکی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جسکا نام شہر براز تھا مجوسی تھا اور سلطنتِ ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانون کی آمد سنکر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھکو آرمینیہ کے کمینون سے کچھ ہمدردی نہین ہے۔ مین ایران کی نسل سے ہون اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو مین بھی تمہارا مطیع ہون۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھسے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امداد لیجائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرفِ محافظت کا معاوضہ ہے اِس لیے یہ شرط منظور کرلی گئی۔ اس سے فارغ ہوکر فوجین آگے بڑھین۔ عبد الرحمن بن ربیعہ بلنجر کی طرف جو مملکت خزر کا پای تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اُسنے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد مین اِسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہمپر چڑھکر نہ آئین۔ عبد الرحمن نے کہا لیکن مین جب تک اُسکے جگر مین گھُس جاؤن باز نہین آسکتا۔ چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافتِ فاروقی کا زمانہ تمام ہوگیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہان سے ایران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کرکے اسلام کی سلطنت مین ملا لیا۔ حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان کا رُخ کیا۔ لیکن قبل اِسکے کہ وہان اسلام کا پھریرا اُڑتا

---

[1] صوبۂ آرمینیہ کو بلادِ ارمن بھی کہتے ہین جو ایشیای کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال مین بحرِ اسود، جنوب مین کوہی اور صحرائی حصہ دور تک چلا گیا ہے شرق مین گرجستان اور مغرب مین بلادِ روم واقع ہین۔ چونکہ صوبہ خلافتِ عثمانی مین کامل فتح ہوا تھا اِس لیے نقشہ مین فاروقی رنگ سے جدا ہے۔

حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ ہو چکا۔ چنانچہ یہ ناتمام مہمات حضرت عثمان کے عہد مین انجام کو پہنچین۔

فارس[۱]۔ سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ع

فارس پر اگرچہ اول اول سنہ ۱۴ھ مین حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمر کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اُسوقت چندان کامیابی ہوئی ہمنے اُس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکو لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے اور فارس کے بیچ مین آتشین پہاڑ حایل ہوتا تو اچھا تھا" لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علاء بن الحضرمی سنہ ۱۴ھ مین بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہر میدان مین اُن سے بڑھکر قدم مارنا چاہتے تھے۔ سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا۔ یہان تک کہ دربار خلافت سے اجازت تک نہ لی اور فوجین طیار کرکے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کردی۔ خلید بن منذر سرلشکر تھے اور جارود بن المعلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجین تھین۔ اصطخر پہنچکر جہاز نے لنگر کیا اور فوجین کنارے پر اُترین۔ یہان کا حاکم ایک ہیربد تھا۔ وہ ایک انبوہ کثیر لیکر پہنچا اور دریا اُتر کر اس پار صفین قایم کین کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائین۔ اگرچہ مسلمانون کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ مین آگئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی مین فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ

---

[۱] حال کے جغرافیہ مین عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھا دیگئی ہین مگر ہمنے جسوقت کا نقشہ دیا ہے اُس وقت فارس کے حدود یہ تھے شمال مین اصفہان، جنوب مین بحر فارس، مشرق مین کرمان اور مغرب مین عراق عرب اسکا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے"

کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ مسلمانو! بیدل نہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازون [illegible] نے چاہا تو جہاز کے ساتھ۔ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزارون کو تہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز یہ تھا۔

یاآل عبدالقیس للنزاع　　قد حفل الامداد بالجراع
وکلهم فی سنن المصاع　　بحسن ضرب القوم بالقطاع

[illegible] دیکھیے

اُدھر بھی راہین بند تھین۔ ایرانیون نے پہلے سے ہر طرف نالے روک رکھے تھے اور جابجا فوجین متعین کردی تھین۔

حضرت عمر کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانون کے بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جاے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جسکے سپہ سالار ابو سبرہ تھے طیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہان رُکے پڑے تھے وہان پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ اُدھر مجوسیون نے ہر طرف نقیب دوڑا دئے تھے اور ایک انبوہِ کثیر جسکا سر لشکر شہرک تھا اکھٹا کر لیا تھا۔ دونون حریف دل توڑ کر لڑے بالآخر ابو سبرہ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعۂ نہاوند کے بعد جب حضرت عمر نے ہر طرف فوجین روانہ کین تو فارس پر بھی چڑ [illegible] اور جدا جدا فوجین متعین

۔ پارسیون نے **توج** کو صدر مقام قرار دیکر یہان بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجین ملف مقامات مین پھیل گیئن تو اُنکو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ اُنکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور، اردشیر وج۔ اصطخر سب باری باری فتح ہوگئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی سنہ ۲۳ھ مین جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی **حکم** کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرۂ ابرکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اسکو فتح کر کے وہین چھاونی

[illegible] تمرکہ ۔ اور [illegible]

بہت سے حصے دبا لیے۔ شہرک یہ دیکھکر نہایت طیش مین آیا اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا۔ راشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھکر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پانون ہٹائے تو وہین قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیون کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اسکے بعد عثمان نے ہر طرف فوجین بھیجدین۔ اس معرکہ سے تمام فارس مین دھاک پڑگئی۔ عثمان نے جس طرف رُخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازرون۔ نوبندجان۔ ارجان۔ شیراز۔ سابور۔ جو فارس کے صدر مقامات ہین خود عثمان کے ہات سے فتح ہوئے۔ فسا۔ دارابجرد وغیرہ پر فوجین گیئن اور کامیاب آئین ۔

کرمان - سنہ ۲۳ھ

۶۴۴ء

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوے تھے چنانچہ سنہ ۲۳ھ مین ایک فوج لے کر ہراول بشیر بن عمر العجلی کی افسری مین تھا کرمان پر حملہ آور ہوے۔ یہان کے مرزبان نے ن وغیرہ سے مدد طلب کرکے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ مین نسیر کے ہاتھ سے یا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی جیرفت اور سیرجان تک فوجین بڑھتی چلی گئین اور بشیار ے اور بکریان غنیمت [illegible]

سیستان - سنہ ۲۳ھ

۶۴۴ء

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر براے نام لڑ کر بھاگ نکلے۔ ہ برابر بڑھتے چلے گئے یہان تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا۔ رون نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ انکی تمام اراضی حمی

سکا قدیم نام کرمانیہ ہے حدود اربعہ یہ ہین۔ شمال مین کوہستان، جنوب مین بحر عمان، مشرق مین سیستان اور مغرب مین فارس ہے۔ زمانہ ن اسکا دارالصدر کواشیر (بردسیر) تھا جسکی جگہ اب جیرفت آباد ہے ۱۲

[۲] سیستان کو عرب سجستان کہتے ہین۔ حدود اربعہ یہ شمال مین ہرات، جنوب مین مکران، مشرق مین سندھ اور مغرب مین کوہستان ہے۔ مشہور شہر زرنج ہے جہان میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ رقبہ ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے ۱۲

ہی جائے۔ مسلمانون نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف چلتے تھے تو جلدی سے گذر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جاے۔ اس ملک کے قبضہ مین آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لیکر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے انکی فتح کی کل اتھ مین آگئی چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکون پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

مکران[1] سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی [illegible]

[illegible]

[illegible] بہت سے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے [illegible] کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ مین آئے تھے دربار خلافت مین بھیجے۔ صحار عبدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمر نے ان سے مکران کا حال پوچھا۔ انھون نے کہا ارض سہلہا جبل وماءہا وشل وتمرہا دقل وعدوہا بطل وخیرہا قلیل وشرہا طویل والکثیر بہا قلیل حضرت عمر نے فرمایا واقعات کے بیان مین قافیہ بندی کا کام ہے۔ انھون نے کہا مین واقعی حالات بیان کرتا ہون۔ حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ فوجین جہان تک پہنچ چکی ہین وہین رک جائین چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران

---

[1] آجکل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے۔ اگرچہ مورخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے مگر طبری [illegible] ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے اسلیے ہمنے بھی نقشہ مین فتوحات فاروقی کی وہین تک حد قرار دی ہے ۱۲

ہن یہ طبری کا بیان ہے۔ مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک
ائین۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر کے عہد مین اسلام کا قدم سندھ ہند مین بھی آچکا تھا۔

خراسان[۱] کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء

و پر ہم لکھ آئے ہین کہ حضرت عمر نے جن جن افسرون کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے انمین
بن قیس بھی تھے اور اُنکو خراسان کا عَلَم عنایت ہوا تھا احنف نے سنہ ۲۲ھ مین خراسان کا
طبسین ہو کر ہرات پہنچے اور اُسکو فتح کر کے مرو شاہجہان پر بڑھے۔ یزدگرد شاہنشاہ فارس
نیم تھا۔ انکی آمد سنکر وہ مرو رود چلا گیا اور خاقانِ چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے
لکھے۔ احنف نے مرو شاہجہان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرو رود کی طرف
۔ یزدگرد یہان سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اس اثنا مین کوفہ سے امدادی فوجین
جنکے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النضری۔ ربعی بن عامر التمیمی۔ عبداللہ بن ابی
الثقفی۔ ابن ام غزال الہمدانی۔ تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لیکر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد
ست کھائی اور دریا اُتر کر خاقان کی حکومت مین چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پاکر ہر طرف
بھیجدین اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کر لیا۔ مرو رود کو تختگاہ قرار دیکر مقام کیا۔ اور

علامۂ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر، فرغانہ، خوارزم، طخارستان اور سیستان رقبۂ خراسان مین داخل
اصل یہ ہے کہ اسکے حدود ہر زمانے مین مختلف رہے ہین۔ اسکے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، فسا اور
ابی ورد وغیرہ تھے جنمین سے پچھلے دو اب بالکل ویران ہین ۱۲

حضرت عمر کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ مین آگیا۔ حضرت عمر فتوحات کی وسعت کو چندان پسند نہین کرتے تھے خط پڑھکر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ مین آگ کا دریا حایل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلون کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیون کا سرتاج ہے تاہم جواب مین جو نامہ لکھا اسمین لکھا کہ جہان تک پہنچ چکے ہو وہان سے آگے نہ بڑھنا۔ اُدھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا تو اُسنے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لیکر یزدگرد کے ساتھ ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ مین مقیم تھے خاقان کی آمد سُنکر مرورود کو روانہ ہوئے اور وہان پہنچکر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرورود پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہوکر مرو شاہجہان کی طرف بڑھا۔ احنف نے کُھلے میدان مین مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہر اُتر کر ایک میدان مین جسکی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونون فوجین مدت تک آمنے سامنے صفین جمائے پڑی رہین۔ عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہوکر میدانِ جنگ مین جاتے تھے اور چونکہ اُدھر سے کچھ جواب نہین دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس آجاتے تھے۔ ترکون کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدانِ جنگ مین باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہین پھر سارا لشکر جنبش مین آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدانِ جنگ مین گئے۔ اُدھر سے معمول کے موافق ایک ترک طبل و علم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک ردّ و بدل رہی آخر احنف نے ایک برچھی ماری۔ ترک زمین پر گرکر مرگیا۔ احنف نے جوش مین آکر کہا۔

ان علی کل رئیس حقا
ان یخضب الصعدة او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان مین آئے۔ اور احنف کے ہات سے مارے گئے۔

خاقان جب خود میدان مین آیا تو اپنے بہادرون کی لاشین میدان مین پڑی دیکھین۔ چونکہ شگون بُرا تھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بیفائدہ، پرایا جھگڑا کیون مول لین چنانچہ اُسی وقت کوچ کا حکم دیدیا۔

یزدگرد۔ مرو شاہجہان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور جواہرخانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریون نے یہ دیکھکر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے رُوکا اور جب اُسنے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سروسامان، خاقان کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت تک فرغانہ مین جو خاقان کا دار السلطنۃ تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح کا نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے تمام آدمیون کو جمع کر کے مژدۂ فتح سنایا اور ایک پُر اثر تقریر کی۔ آخر مین فرمایا کہ آج مجوسیون کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہین پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسرون کے ہاتھ مین دیدیگا۔

مصر کی فتح۔ سنہ ۲۰ھ ۶۴۱ء

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارنامون مین داخل ہے لیکن اسکے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر اُنکی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اُس زمانے مین مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی انکے دل مین نہ گزرا ہو گا لیکن اُسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ انکی نظر مین پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُسمین

یہ اُن سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے۔ احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر انکے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی، اسپر بھی اُنکا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لیکر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اِسمین آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد مین آچکے[1]۔

غرض عریش سے چل کر فرما پہنچے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے مین آباد تھا اور جالینوس کی زیارتگاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہان سرکاری فوج رہتی تھی۔ اُسنے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکۂ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیون نے شکست کھائی۔ عمرو۔ فرما سے چل کر بلبیس۔ اور اُم دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے فسطاط۔ اُس زمانے مین کف دست میدان تھا اور اُس قطعۂ زمین کا نام تھا جو دریاے نیل اور جبل مقطم کے بیچ مین واقع ہے اور جہان اُس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہان سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر مین رہتے تھے یہین رہا کرتے تھے اِسکے علاوہ چونکہ دریاے نیل پر واقع تھا اور جہازات و کشتیان قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھین اِن وجوہ سے

---

[1] مقریزی وغیرہ مین لکھاہے کہ قاصد مقام رفح مین عمرو سے ملا۔ انھون نے اِس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہوگا قاصد سے خط نہین لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچکر لے لونگا۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لیکر کھولا اور پڑھکر کہا کہ امیرالمومنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچ چکے ہو تو رک جانا۔ لیکن ہم تو مصر کی حد مین آچکے" لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے۔ اوّلاً تو بلاذری نے تصریح کی ہے کہ خط اُنکو عریش ہی مین ملا۔ لیکن رفح مین ملا ہو تب بھی کچھ ہرج نہین۔ کیونکہ رفح خود مصر مین داخل ہے۔

سرکاری ضرورتون کے لیے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو تاکا۔ اور محاصرہ کی طیاریان شروع کین۔

مقوقس جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا باج گزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ مین پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھکر عمرو نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی۔ انھون نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط مین لکھا کہ ان افسرون مین ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام۔ عبادہ بن الصامت۔ مقداد بن عمر۔ سلمہ بن مخلد تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اُسکے لحاظ سے عمرو نے انکو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات انکے ہاتھ مین دیدیے، انھون نے گھوڑے پر سوار ہوکر خندق کے چارون طرف چکر لگایا اور جہان جہان مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیۓ اسکے ساتھ منجنیقون سے پتھر برسانے شروع کیے۔ اسپر پورے سات مہینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج مین مسلمانون پر فدا ہوتا ہون۔ یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھ مین لی اور سیڑھی لگاکر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے انکا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اُٹھی۔ عیسائی یہ سمجھکر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔ بدحواس ہوکر بھاگے اِدھر زبیر نے فصیل سے اُترکر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام فوج اندر گھس آئی مقوقس نے یہ دیکھکر صلح کی درخواست کی اور اُسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیون نے عمرو بن العاص اور اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی، عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگون کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے اُن لوگون کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک واحتشام سے آئے اور مخملی کرسیون پر بیٹھے۔ کھانے مین خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیدیا تھا۔ سادہ عربی لباس مین تھے اور عربی انداز اور عادت کے موافق کھانے پر بیٹھے۔ کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربون نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیان شوربے مین ڈبو کر اس زور سے دانتون سے نوچتے تھے کہ شوربہ کی چھینٹین اُڑکر رومیون کے کپڑون پر پڑتی تھین۔ کھانے کے بعد رومیون نے کہا وہ لوگ کہان ہین جو کل ہماری دعوت مین شریک تھے۔ یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا "وہ اہل الرای تھے اور یہ سپاہی ہین"۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لیے معاہدۂ صلح لکھوایا تھا لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اُس نے نہایت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربون کا مقابلہ نہین کرسکتے تھے تو رومیون کی تعداد کیا کم تھی۔ اُس وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچکر مسلمانون کے مقابلے کیلیے مہیا ہو۔

اسکندریہ کی فتح۔ سنہ ۲۱ ھ

۶۴۱-۴۲ع

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہان قیام کیا اور یہین سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہوچکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجین بڑھائی جائین۔ وہان سے منظوری آئی۔ عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ مین ایک کبوتر نے گھونسلا لگایا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہین رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہونے پاے۔ چونکہ عربی مین خیمہ کو فسطاط کہتے ہین اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لیے خود شہر

بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہوگیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہرحال سنہ ۲۱ھ مین عمروؓ نے اسکندریہ کا رُخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان مین رومیون کی جو آبادیان تھین اُنھون نے سدِّ راہ ہونا چاہا چنانچہ ایک جماعت عظیم جسمین ہزارون قبطی بھی شامل تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانون کو وہین روک لین۔ مقام کریون مین دونون حریفون کا سامنا ہوا۔ مسلمانون نے نہایت طیش مین آکر جنگ کی اور بیشمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمروؓ نے اسکندریہ پہنچکر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیون کے ڈر سے نہین کرسکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مُدتِ معین کے لئے صلح ہوجائے۔ عمروؓ نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانون کے مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیون کو حکم دیا کہ ہتیار لگا کر شہرپناہ کی فصیل پر مسلمانون کے آمنے سامنے صف جما کر کھڑے ہون۔ عورتین بھی اِس حکم مین داخل تھین اور اِس غرض سے کہ پہچانی نہ جاسکین اُنھون نے شہر کی طرف منھ کر لیا تھا۔ عمروؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم تمھارا مطلب سمجھے لیکن تمکو معلوم نہین کہ ہمنے اب تک جو ملک فتح کیے کثرتِ فوج کے بل پر نہین کیے۔ تمھارا بادشاہ ہرقل جس سروسامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تمکو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہین[لہ]’’۔ مقوقس نے کہا سچ ہے یہی عرب ہین جنھون نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا’’۔ اِسپر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت بُرا بھلا کہا اور لڑائی کی طیّاریان شروع کین۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اُسنے عمروؓ سے اقرار لیا تھا کہ چونکہ مین رومیون سے

[لہ] فتوح البلدان صفحہ ۲۲۰۔

الگ ہون۔ اِس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمھارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے"، قبطیون نے صرف یہی نہین کیا کہ اِس معرکہ مین دونون سے الگ رہے۔ بلکہ مسلمانون کو بہت کچھ مدد دی فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلون کی مرمت کرتے اور سڑکین بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرہ مین بھی رسد وغیرہ کا انتظام اِنھی کی بدولت ہوسکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعوے ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے اُنکو زمین پر دے پٹکا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمرو کو اسپر اِس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کرکے کہا کہ "زنخون کو میدانِ جنگ مین آنے کی کیا ضرورت ہے"، مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اِسی طرح قائم تھا۔ آخر مسلمانون نے اِس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیون کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن مین معرکہ رہا۔ آخر مین رومیون نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانون کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن عاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیون نے اِن لوگون کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب اِن لوگون نے مردانہ جان دینی چاہی تو اُنھون نے کہا دونون طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا۔ تو ہم تمکو چھوڑ دینگے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمھارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتیار ڈال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیے

نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آنچ آئی تو انتظام مین خلل ہوگا۔ یہ کہکر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہین ڈھیر ہوکر رہگیا۔ رومیون کو یہ معلوم نہ تھا کہ اِنمین کوئی سردار ہے۔ انھون نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور اُنھون نے نہایت صاف دلی سے معاف کردیا[1]۔

محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمر کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہان رہکر عیسائیون کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح مین اس قدر دیر نہوتی۔ جس دن میرا خط پہنچے۔ تمام فوج کو جمع کرکے جہاد پر خطبہ دو اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جنکو مین نے افسر کرکے بھیجا تھا فوج کے آگے ہون اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کرکے خطبہ پڑھا اور ایک پُر اثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہوگئے۔ عبادہ بن صامت کو جو برسون رسول اللہ کی صحبت مین رہے تھے بُلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھکو دیجیے خود سر سے عمامہ اُتارا اور نیزہ پر لگا کر اُنکو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا عَلَم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہین۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا غرض اس سر و سامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ مین شہر فتح ہوگیا۔ عمرو نے اُسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جس قدر تیز جاسکو جاؤ اور امیر المومنین کو مژدۂ فتح سناؤ۔ معاویہ اوٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہِ خلافت مین

---

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۵ جلد اول۔

سیدھے مسجدِ نبوی کا رُخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی اُدھر آنکلی اور اُنکو مسافر کی ہیئت مین دیکھکر پوچھا کہ کون ہو اور کہان سے آئے ہو؟ اُنھون نے کہا۔ اسکندریہ سے۔ اُسنے اُسی وقت جاکر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تمکو امیر المومنین بُلاتے ہین۔ حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہین کرسکتے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچگئے۔ فتح کا حال سُنکر زمین پر گرے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ اُٹھکر مسجد مین آئے اور منادی کرادی کہ الصلوٰۃ جامعۃ سُنتے ہی تمام مدینہ اُمنڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے۔ وہان سے اُٹھکر حضرت عمرؓ کے ساتھ اُنکے گھر پر گئے۔ حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغنِ زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیون نہین چلے آئے؟ اُنھون نے کہا مین نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے۔ شاید آپ سوتے ہون! فرمایا کہ افسوس! تمھارا۔ میری نسبت یہ خیال ہے۔ مین دن کو سوؤن گا تو خلافت کا بار کون سنبھالیگا۔[1]

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہان شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قطعے متعین کئے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتین تیار کرائین تفصیل اسکی دوسرے حصے مین آئیگی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہین رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع مین رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجین روانہ کین کہ آیندہ کسی خطرے کا احتمال

---

[1] یہ تمام تفصیل مقریزی سے لی گئی ہے۔

نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن حذافہ العدوی نے فیوم۔ اشمونین۔ اخمیم۔ بشرودات۔ صعید اور اسکے تمام مضافات مین چکر لگائے اور ہر جگہ کے لوگون نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنیس۔ دمیاط۔ تونہ۔ دمیرہ۔ شطا۔ دقہلہ۔ بنا۔ بوصیر کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کئے[1]۔

چونکہ ان لڑائیون مین نہایت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے۔ عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ انکی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمر نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہدو کہ انکو اختیار ہے مسلمان ہوجائین یا اپنے مذہب پر قائم رہین۔ اسلام قبول کرینگے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانونکو حاصل ہین۔ ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیون سے لیا جاتا ہے۔ عمرو نے تمام قیدی جو تعداد مین ہزارون سے زیادہ تھے۔ ایک جا جمع کیے۔ عیسائی سردارون کو بھی طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے۔ بیچ مین قیدیون کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیون نے جو مسلمانون مین ملکر اسلام کے ذوق سے آشنا ہوگئے تھے۔ اسلام قبول کیا۔ اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے۔ اور خوشی سے بچھے جاتے تھے۔ اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیون مین مبارکباد کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اس قدر غمزدہ ہوتے تھے کہ بہتون کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونون فریق اپنے اپنے حصۂ رسدی کے موافق کامیاب آئے[2]۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۰۔ [2] طبری صفحہ ۲۵۸۲ و ۲۵۸۳۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶- ذوالحجہ سنہ ۲۳ھ مطابق سنہ ۶۴۴ع

(کل مدتِ خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن)

مدینۂ منورہ مین **فیروز** نام ایک پارسی غلام تھا جسکی کنیت ابو لولو تھی۔ اُسنے ایک دن حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھپر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجیے۔ حضرت عمر نے تعداد پوچھی۔ اُسنے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمر نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے، بولا کہ "نجاری۔ نقاشی۔ آہنگری" فرمایا کہ "ان صنعتون کے مقابلہ مین یہ رقم کچھ بہت نہین ہے"۔ فیروز دل مین سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کے لیے نکلے تو فیروز خنجر لیکر مسجد مین آیا حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفین درست کرین۔ جب صفین سیدھی ہو چکتی تھین تو حضرت عمر تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفین درست ہو چکین تو حضرت عمر امامت کے لئے بڑھے اور جون ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعتہً گھات مین سے نکل کر چھ وار کئے جن مین سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر نے فوراً عبد الرحمن بن عوف کا ہات پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبد الرحمن بن عوف نے اس حالت مین نماز پڑھائی کہ حضرت عمر سامنے بسمل پڑے تھے۔ فیروز نے اور لوگون کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اُسنے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر کو لوگ اُٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے اُنھون نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا؟"

لوگون نے کہا۔ فیروز۔ فرمایا کہ "الحمد للہ کہ مین ایسے شخص کے ہات سے نہین مارا گیا جو اسلام کا دعوے رکھتا تھا" لوگون کو خیال تھا کہ زخم چندان کاری نہین ہے۔ غالباً شفا ہو جائے چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اُسنے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونون چیزین زخم کی راہ باہر نکل آئین۔ اُسوقت لوگون کو یقین ہو گیا کہ وہ اِس زخم سے جانبر نہین ہو سکتے۔ چنانچہ لوگون نے اُن سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے"۔

حضرت عمرؓ نے عبد اللہ اپنے فرزند کو بُلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمرؓ آپسے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہؐ کے پہلو مین دفن کیا جائے"۔ عبد اللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ وہ رُو رہی تھین۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ "اس جگہ کو مین اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج مین عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دونگی"، عبد اللہ واپس آئے۔ لوگون نے حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ اُنھون نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے"، فرمایا کہ "یہی سب سے بڑی آرزو تھی"۔

اُس وقت اسلام کے حق مین جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملے پر مدتون غور کیا تھا اور اکثر اسکو سوچا کرتے تھے۔ بارہا لوگون نے اُنکو اِس حالت مین دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہین اور کچھ سوچ رہے ہین۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب مین غلطان پیچان ہین۔

مدت کے غور و فکر پر بھی اُنکے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا اُنکے مُنھ سے

بیساختہ آہ نکل گئی کہ "افسوس اس بارگران کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہین آتا"، تمام صحابہ مین اُسوقت چھ شخص تھے جنپر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعد وقاصؓ عبد الرحمن بن عوفؓ۔ لیکن حضرت عمر ان سب مین کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے[1] اور اسکا انھون

---

[1] حضرت عمرؓ نے اور بزرگون کی نسبت جو خردہ گیریان کین اگو ہمنے انکو ادب سے نہین لکھا لیکن ان مین جای کلام نہین البتہ **حضرت علی** کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخون مین منقول ہے یعنی یہ کہ "انکے مزاج مین ظرافت ہے" یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اُسی قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُنکے آگے سر نہین جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت مین نقل کئے ہین ہم انکو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہین کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا، مکالمہ عبد اللہ ابن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر۔ کیون عبد اللہ ابن عباس، **علی** ہمارے ساتھ کیون نہین شریک ہوئے؟۔

عبد اللہ ابن عباس۔ مین نہین جانتا۔

حضرت عمر۔ تمھارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمھاری قوم تمھاری طرفدار کیون نہین ہوئی؟۔

عبد اللہ ابن عباس۔ مین نہین جانتا۔

حضرت عمر۔ لیکن مین جانتا ہون تمھاری قوم۔ تمھارا سردار ہونا گوارا نہین کرتی تھی

عبد اللہ ابن عباس۔ کیون؟۔

نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں انکے ریمارک تفصیل مذکور ہیں، مذکورۂ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے

متعلقہ صفحہ (۲۰۴) **حضرت عمر**۔ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوّت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہوگے کہ حضرت ابوبکر نے تمکو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تمکو خلافت دینا بھی چاہتے تو اُنکا ایسا کرنا تمھارے حق میں کچھ بھی مفید نہوتا۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ ابن عباس! تمھاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا لیکن مَیں نے اس خیال سے اُسکی تحقیق نہیں کی کہ تمھاری عزت میری آنکھوں میں کم نہو جائے۔

عبداللہ ابن عباس۔ وہ کیا باتیں ہیں؟۔

حضرت عمر۔ مَیں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ ابن عباس۔ ظلماً کی نسبت تو مَیں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن حسداً۔ تو اسکا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟۔

حضرت عمر۔ افسوس۔ خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پُرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ ابن عباس۔ ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر۔ اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ ابن عباس۔ بہت مناسب۔ (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۰ تا ۲۷۷۱)

اِن مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے۔ تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکوگے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری

اُنکی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہین کرسکتے تھے[۱]

غرض وفات کے وقت جب لوگون نے اصرار کیا تو فرمایا کہ "ان چھہ شخصون مین جسکی نسبت کثرت راے ہو وہ خلیفہ منتخب کرلیا جائے"۔

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اُسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ عین کرب وتکلیف کی حالت مین جہان تک اُنکی قوت اور حواس نے یاری دی اسی دُھن مین مصروف رہے۔ لوگون کو مخاطب کرکے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اُسکو مین وصیت کرتا ہون کہ پانچ فرقون کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین۔ انصار۔ اعراب۔ وہ اہل عرب جو اور شہرون مین جاکر آباد ہوگئے ہین۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق مین جو الفاظ کہے وہ یہ تھے "مین خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہون کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے اُنکے دشمنون سے لڑا جاے اور اُنکو اُنکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"۔

قوم کے کام سے فراغت ہوچکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبد اللہ اپنے بیٹے کو بلاکر کہا کہ "مجھپر کس قدر قرض ہے؟" معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہوسکے

حاشیہ متعلقہ صفحہ (۲۰۴) اور بیباکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ خود آزادی اور حق گوئی کو قوم مین پھیلانا چاہتے تھے۔

[۱] طبری صفحہ ۲۷۷۷۔

تو بہتر ورنہ خاندانِ عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل **قریش** سے۔ لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا"۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان)۔ لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ مین بسند صحیح روایت کی ہے کہ **نافع** جو حضرت عمر کے غلام تھے کہتے تھے کہ "عمر پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ اُنکے ایک وارث نے اپنے حصۂ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا"[1]۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر پر چھیاسی ۸۶ ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ انکا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جسکو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ مین واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اُس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک **دار القضا** کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ مین یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے[2]۔

حضرت عمر نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی۔ حضرت عبد الرحمٰن۔ حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ طلحہ۔ سعد وقاص۔ عبد الرحمٰن بن عوف نے قبر مین اُتارا۔ اور وہ آفتاب عالمتاب خاک مین چھپ گیا ؎۔

---

[1] دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۰۔ [2] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۹ و ۱۲۹۔

سلسلہ

ناموران اسلام

الفاروق

یعنی حضرت رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری کا

حصۂ دوم

جسمیں اول حضرت عمرؓ کے تمام ملکی، مالی اور فوجی انتظامات کی تفصیل ہے پھر انکے ذاتی
اخلاق و عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہے اور خصوصاً انکے مجتہدانہ کارناموں کو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے

مؤلفہ

شبلی نعمانی

محمد رحمت اللہ رعد کے

نامی پریس کانپور میں چھپی

حصۂ دوم

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے مین تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمھارے دل پر اُس عہد کے مسلمانون کے جوش، ہمت، عزم، و استقلال، کا قوی اثر پیدا ہوا ہوگا لیکن اسلاف کی داستان سُننے مین تم نے اسکی پروانہ کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفۂ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جاے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل مین فوراً یہ سوالات پیدا ہونگے کہ چند صحرانشینون نے کیونکر فارس و روم کا دفتر اُلٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اسکے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر، و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہین دیجا سکتی؟ جو کچھ ہوا اُسمین فرمانرواے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انھی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہین لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اسکے حدود اربعہ کیا تھے؟

فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کُل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مُربع یعنی مکۂ معظمہ سے

شمال کی جانب ۱۰۳۶- مشرق کی جانب ۱۰۸۷- جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا- مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حدِ حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہین-

اسمین شام- مصر- عراق- جزیرہ- خوزستان- عراق عجم- آرمینیہ- آذربایجان- فارس- کرمان- خراسان اور مکران- جسمین بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا- ایشیای کوچک پر جسکو اہل عرب روم کہتے ہین- سنہ ۲ھ مین حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست مین شمار ہونیکے قابل نہین یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر کی فتوحات ہین اور اسکی تمام مدت- دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے-

فتح کے اسباب یورپین مؤرخون کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یوروپین مؤرخون نے یہ دیا ہے کہ اُسوقت فارس و روم دونون سلطنتین اوج اقبال سے گر چکی تھین- فارس مین خسرو پرویز کے بعد نظامِ سلطنت بالکل درہم و برہم ہو گیا تھا کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا- دربار کے عمائد وارکان مین سازشین شروع ہوگئی تھین اور انھی سازشون کی بدولت تخت نشینون مین اُدل بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصے مین عنانِ حکومت چھ سات فرمانرواؤن کے ہات مین آئی اور نکل گئی- ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیروان سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد و زندقہ کیطرف مائل تھا- نوشیروان نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا- اسلام کا قدم جب فارس مین پہنچا تو اس فرقے کے لوگون نے مسلمانون کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہین کرتے تھے- عیسائیون مین نسطورین فرقہ جسکو اور کسی حکومت مین پناہ نہین ملتی تھی- وہ بھی اسلام کے سایہ مین آکر

مخالفون کے ظلم وستم سے بچ گیا اسطرح مسلمانون کو ذرا بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت مین ہات آگئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اسکے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنون زورون پر تھے اور چونکہ اسوقت تک مذہب کو نظامِ حکومت مین دخل تھا اسلئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔

یورپین مؤرخون کی راے کی غلطی

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہین لیکن جس قدر واقعیت ہے اُس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اُسوقت فارس و روم کی سلطنتین اصلی عروج پر نہین رہی تھین لیکن اسکا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نکر سکتین۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جاتین۔ روم و فارس گو کسی حالت مین تھے تاہم فنون جنگ مین ماہر تھے۔ یونان مین خاص قواعد حرب پر جو کتابین لکھی گئی تھین اور جواب تک موجود ہین رومیون مین ایک مدت تک انکا عملی رواج رہا۔ اسکے ساتھ رسد کی فراوانی، سروسامان کی بہتات، آلات جنگ کے تنوّع، فوجون کی کثرت، مین کمی نہین آئی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ کسی ملک پر چڑھکر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک مین، اپنے قلعون مین، اپنے مورچون مین، رہکر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانون کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد مین جو ایران کی شوکت وشان کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیون نے چھین لیے تھے واپس لے اور

نئے سرسے نظم ونسق قائم کیا۔

ایران مین خسرو پرویز تک تو عموماً مسلّم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ وجلال حاصل تھا خسرو پرویز کی وفات سے۔ اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے عرصے مین ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہان تک کمزور ہوسکتی تھی! البتہ تخت نشینون کی ادل بدل سے نظام مین فرق آگیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزا یعنی خزانہ۔ فوج۔ اور محاصل مین کوئی کمی نہین آئی تھی۔ اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریون نے اصلاح کیطرف توجہ کی تو فوراً نئے سرسے وہی ٹھاٹھ قائم ہوگئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران مین موجود تھا لیکن ہمکو تمام تاریخ مین اُن سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہین ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسطوریہ کی کوئی اعانت ہمکو معلوم نہین۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ مین خود یورپین مؤرخون نے کہین نہین بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجین جو مصر وایران وروم کی جنگ مین مصروف تھین انکی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جسمین عرب نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود۔ زرہ۔ چلتہ۔ جوشن۔ بکتر۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے۔ جھلم۔ موزے۔ جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ تھا۔ اسمین سے عربون کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی تھی۔ آلات جنگ مین سے گرز وکمند سے عرب بالکل آشنا

---

[1] ابن قتیبہ نے اخبار الطوال مین لکھا ہے کہ یہ چیزین ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھین۔

نہ تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکہ مین ایرانیون نے جب پہلی پہل اُنکو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہین۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانون مین اُسوقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہوگئی تھی اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتین عین عروج کے زمانے مین بھی اُسکی ٹکر نہین اٹھا سکتی تھین۔ البتہ اسکے ساتھ اور بھی چیزین مل گئی تھین جنھون نے فتوحات مین نہین بلکہ قیامِ حکومت مین مدد دی۔ اِن مین سب سے مقدم چیز مسلمانون کی راستبازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہان کے لوگ مسلمانون کی راستبازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے انکی سلطنت کا زوال نہین چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے مین مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تمکو پھر اس ملک مین لائے۔ اور یہودیون نے توریت ہاتھ مین لیکر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہان نہین آسکتا۔

رومیون کی حکومت جو شام و مصر مین تھی وہ بالکل جابرانہ تھی اس لئے رومیون نے مسلمانون کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا انکے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانون نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی، وہان سلطنت کے

نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبون کے مالک تھے؛ وہ سلطنت کے لئے نہین بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لئے لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پایۂ تخت کے فتح کرلینے پر بھی فارس مین ہر قدم پر مسلمانون کو مزاحمتین پیش آئین۔ لیکن عام رعایا وہان بھی مسلمانون کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لئے فتح کے بعد بقاے حکومت مین اُن سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانون کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ ان دونون مقامات مین کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام مین دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق مین لخمی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کی طور پر کچھ دیتے تھے۔ ان عربون نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہوگئے تھے اول اول مسلمانون کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائگان نہین جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہوگئے اور مسلمان ہوجانے پر وہ مسلمانون کے دست و بازو بن[1] گئے۔ شام مین بھی آخر عربون نے اسلام قبول کرلیا اور رومیون کی حکومت سے آزاد ہوگئے۔

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہان بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونون نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کین۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم، اور قتل عام، کی بدولت چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اُسنے شام کیطرف

---

[1] آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے اُنکے نام بھی تفصیل سے لکھے ہین ۱۲

سکند
فتوحا

شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہان کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریون کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دئے۔ اسکے ساتھ ۳۰ ہزار باشندون کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے اُنمین ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس مین جب اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردون کو قتل کرادیا اسطرح کی اور بھی بے رحمیان اُسکے کارنامون مین مذکور ہین۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقا نہین چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتین بھی دیرپا نہوئین۔ لیکن فوری فتوحات کے لئے اس قسم کی سفاکیان کارگر ثابت ہوئی ہین، انکی وجہ سے مُلک کا مُلک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اسلئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہین رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز۔ بخت نصر۔ تیمور۔ نادر۔ جتنے بڑے بڑے فاتح گذرے ہین سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمر کی فتوحات مین کبھی سر مو قانون انصاف سے تجاوز نہین ہو سکتا تھا۔ آدمیون کا قتل عام ایک طرف۔ درختون کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچون اور بوڑھون سے بالکل تعرض نہین کیا جا سکتا تھا۔ بجز عین معرکۂ کارزار کے کوئی شخص قتل نہین کیا جا سکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہین کیجا سکتی تھی افسرون کو تاکیدی احکام جاتے تھے کہ فان قاتلوکم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا[۴]۔ یعنی دشمن تم سے لڑائی کرین تو ان سے فریب نکرو۔ کسی کی ناک

۴ [illegible]

کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نکرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے اُن سے دوبارہ اقرار لیکر، درگذر کی جاتی تھی۔ یہانتک کہ جب عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کرکے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ انکو وہان سے جلاوطن کردیا لیکن اسکے ساتھ انکی کل جائداد مقبوضہ کی قیمت ادا کردی۔ خیبر کے یہودیون کو سازش اور بغاوت کے جرم مین نکالا تو اُن کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دیدیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیے کہ جدھر سے اُن لوگون کا گذر ہو انکو ہر طرح کی اعانت دیجاے اور جب یہ کسی شہر مین قیام اختیار کرین تو ایک سال تک اُن سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات **فاروقی** کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہین کہ دنیا مین اور بھی ایسے فاتح گذرے ہین، انکو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط، اس قید، اس پابندی، اس درگذر، کے ساتھ دنیا مین کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اسکے علاوہ۔ سکندر۔ اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ مین شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بنکر فوج کو لڑاتے تھے۔ اسکی وجہ سے علاوہ اسکے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہات آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان مین بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت **عمر** تمام مدت خلافت مین ایک دفعہ بھی کسی جنگ مین شریک نہین ہوے، فوجین ہر جگہ کام کر رہی تھین البتہ انکی باگ حضرت عمر کے ہات مین رہتی تھی۔

ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات، گذرنے والے بادل کیطرح

تھین کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ اِن لوگون نے جو ممالک فتح کیے وہان کوئی نظم حکومت نہین قایم کیا، برخلاف اِسکے فتوحات فاروقی مین یہ استواری تھی کہ جو ممالک اُسوقت فتح ہوے۔ تیرہ سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے مین ہین۔ اور خود حضرت عمرؓ کے عہد مین ہر قسم کے ملکی انتظامات وہان قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات مین حضرت عمرؓ کا اختصاص

اخیر سوال کا جواب عام راے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات مین خلیفۂ وقت کی چندان تخصیص نہ تھی۔ اسوقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہین۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے مین بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوت ہین لیکن یہ قوت اُسی وقت کام دیسکتی ہے جب کام لینے والا بھی اُسی زور و قوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی ضرورت نہین۔ واقعات خود اِسکا فیصلہ کرسکتے ہین، فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھکر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشارون پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم ونسق تھا وہ خاص اُنکی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اِسی کتاب مین آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھوگے کہ حضرت عمر نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقین، بارکون کی تعمیر، گھوڑون کی پرداخت، قلعون کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملون کی تعیین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اِس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کیے اور اُنکو کس عجیب و غریب زور و قوت

کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لوگے کہ حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کُل مطلق کام نہین دیسکتی تھی۔

عراق کی فتوحات مین حضرت عمرؓ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اسکے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج، قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اسکے لحاظ سے فوج کی ترتیب، اور صف آرائی کے متعلق ہدایتین بھیجین۔ جس قدر افسر جن جن کامون پر مامور ہوئے تھے انکے خاص حکم کے موافق مامور ہوے تھے۔

تاریخ طبری مین عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار، دُور سے تمام فوجون کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُس کے اشارون پر ہوتا ہے۔

ان تمام لڑائیون مین جو دس برس کی مدت مین پیش آئین سب سے زیادہ خطرناک دَو موقعے تھے۔ ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیون نے فارس کے صوبجات مین ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک مین آگ لگا دی تھی اور لاکھون فوج مہیا کر کے مسلمانون کی طرف بڑھے تھے۔

دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والون کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونون معرکون مین صرف حضرت عمرؓ کی حُسن تدبیر تھی جسنے ایک طرف ایک اُٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہ گران کے پرخچے اُڑا دیے چنانچہ

ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے مین لکھ آئے ہین۔

ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعوی صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص **فاروق اعظم** کے برابر فاتح اور کشورستان نہین گذرا۔

نظام حکومت

اسلام مین خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد مین پڑی لیکن نظام حکومت کا دَور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی دوسالہ خلافت مین اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدون کا خاتمہ ہوگیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئین، تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہین قائم ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اسکے لئے کافی ہوسکتا تھا، حضرت عمر نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصر وکسریٰ کی وسیع سلطنتین ٹوٹ کر عرب مین مل گئین، دوسری طرف حکومت وسلطنت کا نظام قائم کیا اور اُسکو اس قدر ترقی دی کہ انکی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہین سب وجود مین آچکے تھے،

لیکن قبل اسکے کہ ہم حکومت کے قواعد وآئین کی تفصیل بتائین پہلے یہ بتانا چاہیے کہ اُس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی؟ یا جمہوری؟۔ اگرچہ اسوقت عرب کا تمدّن جس حد تک پہونچا تھا اسکے لحاظ سے حضرت عمر کی خلافت پر، جمہوری یا شخصی دونون مین سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہین ہوسکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف

اِس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریّت سے ملتا تھا یا شخصیت سے، یعنی سلطنت کا میلان، ذاتی اختیارات پر تھا یا عام راے پر۔

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریقِ حکومت مین جو چیز سب سے بڑھکر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدمِ مداخلت ہے، یعنی حکومت مین جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اُسی قدر اسمین جمہوریّت کا عنصر زیادہ ہوگا یہان تک کہ سلطنتِ جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہوجائین اور وہ جماعت کا رکن کا صرف ایک ممبر رہجائے۔ برخلاف اِسکے شخصی سلطنت مین تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اِس بنا پر، شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہین

(۱) بجاے اِسکے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتین کام مین آئین صرف چند ارکانِ سلطنت کی عقل وتدبیر پر کام چلتا ہے،

(۲) چونکہ بجز چند عہدہ دارون کے اور لوگون کو مُلکی انتظامات سے کچھ سروکار نہین ہوتا۔ اِس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوّت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے،

(۳) مختلف فرقون اور جماعتون کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہین ہوتی کیونکہ جن لوگون کو اُن حقوق سے غرض ہے اُنکو انتظام سلطنت مین دخل نہین ہوتا اور جن لوگون کو دخل ہوتا ہے اُنکو غیرون کے حقوق سے اِس قدر ہمدردی نہین ہوسکتی جتنی خود اربابِ حقوق کو ہوسکتی ہے۔

چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کامون مین دخل دینے کا مجاز نہین ہوتا۔ اس لئے قوم مین ذاتی اغراض کے سوا قومی کامون کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہین اور کبھی اُس سے جدا نہین ہو سکتے۔ برخلاف اسکے جمہوری سلطنت مین اسکے برعکس نتائج ہونگے۔ اس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو اسکی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ نہین خیال کرنا چاہیئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب مین جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب مین مدّت سے تین وسیع حکومتین موجود تھین۔ لخمی۔ حمیری۔ غسّانی۔ لیکن یہ سب شخصی تھین، قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن اُنکو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی، بلکہ انکی حیثیت سپہ سالارون یا قاضیون کی ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہین کیا کیونکہ گو اُنکا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ فلا یغترنّ امرءٌ ان یقول انما کانت بیعة ابی بکر فلتة وتمت الا وانها قد کانت کذلک لکن الله وقّی شرها

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش جو سلطنتین تھین وہ بھی جمہوری نہ تھین۔ ایران مین تو سرے سے

سلہ دیکھو صحیح بخاری مطبوعۂ مطبع احمدی میرٹھ بار دوم صفحہ ۱۰۰۹۔

حضرت عمرؓ کی خلافت مین مجلس شوریٰ (کونسل)

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اُسکے انعقاد کا طریقہ

کبھی یہ مذاق ہی نہین پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے مین اِس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہان شخصی حکومت قایم ہو چکی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانے مین تو وہ بالکل ایک جابرانہ خودمختار سلطنت رہگئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اُسکے تمام اصول و فروع مرتب نہو سکے تاہم جو چیزین حکومت جمہوری کی روح ہین سب وجود مین آگئین۔ اِنمین سب کے اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شورے کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت راے کے عمل مین نہین آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام مین اُسوقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جنکو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کرلیا تھا یعنی مہاجرین و انصار مجلس شوریٰ مین ہمیشہ لازمی طور پر اِن دونون گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلون مین منقسم تھے۔ اوس و خزرج چنانچہ اِن دونون خاندان کا مجلس شوریٰ مین شریک ہونا ضرور تھا مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہین بتا سکتے تاہم اِسقدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ عبدالرحمن۔ بن عوف۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب زید بن ثابت اِسمین شامل تھے[1]۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ۔ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہوجائین۔ جب

---

[1] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ حیدر آباد۔

لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمر مسجد نبوی مین جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے، نماز کے بعد ممبر پر چڑھکر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا[1]۔

مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار مین اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر مین دیدیے جائین تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس مین تمام قدماے مہاجرین اور انصار مین سے عام لوگون کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم مین ممتاز تھے اور جنمین سے ۵ شخص قبیلۂ اوس اور ۵ قبیلۂ خزرج کے تھے شریک ہوے۔ کئی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگون نے تقریرین کین۔ اِس موقع پر حضرت عمر نے جو تقریر کی[2] اُسکے جستہ جستہ فقرے ہم اِس لحاظ سے نقل کرتے ہین کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفۂ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم ازعجکم الا لان تشرکوا فی امانتی فیما حملتُ من امورکم فانی واحد کاحدکم ✦ ولست ارید ان تتبعوا ھذا الذی ھوای

سنہ ۲۱ھ مین جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیون نے اِس سروسامان سے طیاری کی کہ لوگون کے نزدیک خود خلیفۂ وقت کا اِس مہم پر جانا ضروری ٹھیرا تو بہت

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۷۰۔

[2] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴ و ۱۵ مین ہے ۱۲

بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی - حضرت عثمان، طلحہ بن عبد اللہ - زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوف، وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریرین کین اور کہا کہ آپکا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہین - پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور ان لوگون کی تائید مین تقریر کی - غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر موقع جنگ پر نہ جائین۔ اسیطرح **فوج کی تنخواہ - دفتر کی ترتیب - عمّال کا تقرر - غیر قومون کو تجارت کی آزادی اور اُنپر محصول کی تشخیص** - اس قسم کے بہت سے معاملات ہین جنکی نسبت تاریخون مین تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ مین پیش ہو کر طے پائے - ان امور کے پیش ہونیکے وقت ارکانِ مجلس نے جو تقریرین کین وہ بھی تاریخون مین مذکور ہین -

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت، استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمر نے مختلف موقعون پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہین اُنکے خاص الفاظ یہ ہین - لا خلافة الا عن مشورة[1]

مجلس شورے کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتون کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا - لیکن اسکے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہان روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی - یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی مین منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس مین شریک ہوتے تھے - صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبرین جو دربار خلافت مین پہونچتی تھین حضرت عمر انکو اس مجلس مین بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اسمین

---

[1] کنز العمال بحوالہ مصنف بن ابی شیبۃ - جلد ۳ - صفحہ ۱۳۹ -

لوگون سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیون پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس مین پیش ہوا تھا۔ مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے مین ان الفاظ مین لکھا ہے۔

كان للمهاجرين مجلس فى المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه ويحدثهم عما ينتهى اليه من امر الآفاق فقال يوما ما ادرى كيف اصنع بالمجوس

عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی امور مین مداخلت حاصل تھی، صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل مین آتا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اور شام مین جب عُمّالِ خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمر نے ان تینون صوبون مین احکام بھیجے کہ وہان کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجین جو انکے نزدیک تمام لوگون سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزید کو لوگون نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر نے انھین لوگون کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ مین بیان کیا ہے یہ ہین۔

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلا من اخيرهم واصلحهم والى اهل البصرة كذلك والى اهل الشام كذلك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرقد وبعث اليه اهل الشام معن بن يزيد و

بعث الیہ اهل البصرۃ الحجاج بن علاط کلهم سلمیّون قال فاستعمل کل واحدٍ منهم علی خراج ارضه[1]

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پای تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جب لوگون نے اُنکی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر کی حکومت مین ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتین آتی تھین جنکو وفد کہتے تھے اِس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربارِ خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے۔ حضرت عمر نے خود بار بار مختلف موقعون پر اِس حق کا اعلان کر دیا تھا یہان تک کہ خاص اسکے لئے مجمع عام مین خطبہ پڑھا۔ فرمانون مین تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالِ سلطنت کو حج کے مجمع عام مین طلب کر کے اسکا اعلان کیا، چنانچہ اِسکی پوری تفصیل عمالون کے بیان مین آئیگی۔

خلیفہ کا عام حقوق مین سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق مین، عام آدمیون کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنے نہ ہو، ملک کی آمدنی مین سے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ٦٤

ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت مین اُسکی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جاے، اُسکے اختیارات محدود ہون، ہر شخص کو اُسپر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمرؓ کی خلافت مین اس درجے تک پہنچے تھے کہ اُس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمرؓ کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ اُنھون نے متعدد موقعون پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے اُنکی کیا حیثیت ہے۔ اور ان کے کیا اختیارات ہین؟ ایک موقع پر اُنھون نے اسکے متعلق جو تقریر کی تھی اُسکے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہین۔

انما انا وما لكم كولي اليتيم ان استغنيت	مجھکو تمھارے مال (یعنی بیت المال) مین اسقدر حق ہے، جتنا
استعففت وان افتقرت اكلت بالمعروف۔	یتیم کے مربی کو یتیم کے مال مین۔ اگر مین دولتمند ہونگا تو کچھ نہ لونگا۔
لكم علي ايها الناس خصال فخذوني	اور ضرورت پڑیگی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لونگا۔ صاحبو!
بها۔ لكم علي ان لا اجتبي شيئا من	میرے اوپر تم لوگون کے متعدد حقوق ہین جنکا تمکو مجھسے
خراجكم ولا مما افاء الله عليكم الا من	مواخذہ کرنا چاہئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت
وجهه ولكم علي اذا وقع في يدي ان لا	بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے۔ ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ مین
يخرج مني الا في حقه ولكم علي	خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہونے پائے۔ ایک یہ
ان ازيد في اعطياتكم واسد ثغوركم	مین تمھارے روزینے بڑھاؤن اور سرحدون کو محفوظ رکھون۔
ولكم علي ان لا القيكم في المهالك	ایک یہ کہ تمکو خطرون مین نہ ڈالون۔

---

[1] دیکھو کتاب الخراج صفحہ ۔۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر کو مخاطب کر کے کہا کہ اِتَّقِ اللّٰہَ یا عمر یعنی اے عمر خدا سے "ڈر"۔ حاضرین مین سے ایک شخص نے اُسکو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر نے فرمایا "نہین کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہین تو یہ بے مصرف ہین۔ اور ہم لوگ نہ مانین تو ہم[1]"۔ ان باتون کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگون پر ظاہر ہوگئے تھے۔ اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلون سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل نے رومیون کی سفارت مین حضرت عمر کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصلی تصویر ہے۔ اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہین بیان کئے جا سکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔

حکومت کے نظم و نسق مین جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہون اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت مین مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتون کے لئے کافی ہوتا ہے، پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے، پڑھنے، اور دیگر ضروریات کے لئے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہین۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے، ابتدائی تمدن مین انتظام

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۔۔

کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہین، جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے، مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے، جرائم کی تعزیر مین وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے، جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہین اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزکٹیو۔ اختیارات اب تک ملے جلے ہین، یعنی کلکٹر ضلع مالگزاری بھی وصول کرتا ہے۔ اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع مین تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔ حضرت عمرؓ کے عجیب و غریب کارنامون مین ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اسکے کہ اسوقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت مین تھا اور سلسلۂ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گذرے تھے تاہم اُنھون نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کرکے جداگانہ محکمے قائم کئے۔ چنانچہ اُن تمام شعبون کو ہم تفصیل سے لکھتے ہین۔

ملک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عہدہ داران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جسپر تمام انتظامات متفرع ہین، ملک کا مختلف حصون مین تقسیم ہونا ہے جنکو صوبہ، ضلع، اور پرگنہ، سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام مین حضرت عمرؓ پہلے شخص ہین جسنے اسکی ابتدا کی اور اُس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور

تناسب سے اسکے حدود قائم کئے۔ تمام مورخین نے اسکی تصریح کی ہے کہ انھون نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبون پر تقسیم کیا مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے ۸ کے بجاے ۶ صوبے لکھے ہین۔ اور لکھا ہے کہ "یہ انتظام حضرت عمر نے ۲۰ھ مین کیا تھا" مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اسمین ایک اجمال ہے جسکی تفصیل تبا دینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل ہوئی اُسکے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہین ہو سکتے تھے۔ فارس۔ خوزستان۔ کرمان۔ وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت عمر کے مقرر کردہ صوبے

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے اُنکی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلعے تھے اکثر جگہ حضرت عمر نے اُسی طرح رہنے دیے۔ اس لئے مورخین نے اُنکا نام نہین لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمر نے قائم کئے اُنکا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے پچھلی تقسیم ملکی مین بھی تصرفات کئے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اُسمین ۱۰ ضلعے شامل تھے۔ ۱۵ھ مین جب حضرت عمر نے خود فلسطین جاکر معاہدۂ امن لکھا تو اِس صوبے کے دو حصے کردئے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا، اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونون صوبون مین متعین[1] کیا۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۳ و ۲۴۰۷۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فصارت فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیا ونصف مع اہل الرملۃ وہم عشر کور و فلسطین تعدل الشام کلہا ۔۔ وفرق فلسطین علی رجلین۔ فنزل کل واحد منہما فی عملہ۔

مصر کی نسبت ہمکو معلوم نہین کہ فتح سے پہلے اسکی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اُسکو دو صوبون مین تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جسکو عربی مین صعید کہتے ہین اور جسمین ۲۰ ضلعے شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دیکر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہان کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصہ جسمین ۱۵ ضلعے شامل تھے اُسپر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس وغیرہ مین چونکہ حضرت عمرؓ نے قریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دئے تھے۔ اسلئے صرف یہ بتادینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد مین یہ ممالک کتنے حصّون مین منقسم تھے۔

مورخ یعقوبی[1] نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبون مین منقسم تھی۔

خراسان۔ اسمین مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرو رود فاریاب۔ طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ باذعیس۔ باورد۔ غرشستان۔ طوس۔ سرخس۔ جرجان۔

آذربایجان۔ اسمین مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ طبرستان۔ رے۔ قزوین۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسبندان۔ مہرجان قذق۔ شہرزور۔ صامغان۔ آذربیجان۔

فارس۔ اسمین مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور۔

---

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲ جلد اول

کازرون - فسا - دارابجرد - اردشیر خرہ - سابور - اہواز - جندیسابور - سوس - نہر تیری - مناذر - تستر - ایذج - رام ہرمز -

صوبون کے افسر

صوبون مین مفصلۂ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے - والی یعنی حاکم صوبہ کاتب یعنی میر منشی - کاتبِ دیوان یعنی دفترِ فوج کا میر منشی - صاحب الخراج یعنی کلکٹر - صاحب احداث یعنی افسر پولیس - صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ قاضی یعنی صدر الصدور و منصف - چنانچہ کوفہ مین عمار بن یاسر والی عثمان بن حنیف کلکٹر عبد اللہ بن مسعود افسر خزانہ - شریح قاضی - عبد اللہ بن خلف الخزاعی کاتبِ دیوان تھے [1] -

ہر صوبے مین ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتون مین صوبے کا عامل ہی اِس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا - پولیس کا محکمہ بھی جہان تک ہمکو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا - اکثر کلکٹر یا عامل اِس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً عمار بن یاسر جسوقت کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی اُنہی کے سپرد تھا - بحرین مین قدامۃ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے - والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اُسکے ممبر خود دربارِ خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے - عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کرکے بھیجا تو دس معزز آدمی انکے اسٹاف مین دئے جن مین ایک قرظہ خزرجی بھی تھے [2] -

---

[1] طبری ۲۶۴۷ - و ابن خلکان صفحہ ۲۵۳ - [2] اسد الغابۃ تذکرۂ قرظہ - ۱۲

میر منشی قابل اور تقریر اور تحریر مین یکتا ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جسکی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمر حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اسکے علم کے نیچے آجاتا۔

اضلاع مین بھی عامل، افسر خزانہ، اور قاضی، وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر صوبہ کے ماتحت اور اُسکے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنون مین غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اُسکے ساتھ اُسکا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ داران کا انتخاب اور اُنکی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضا و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل، لائق، راستباز، اور متدین نہون اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہین ہو سکتی، حضرت عمر نے اس باب مین جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزارون ورق اُلٹ کر بھی اسکی نظیر نہین ملتی، اس مرحلے مین اس بات سے بڑی مدد ملی کہ انکی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی یعنی جس شخص مین جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اُسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اسکے ساتھ اُنھون نے ملک کے تمام قابل آدمیون سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ اُنھون نے جس شخص کو جو کام دیا اُس کے

حضرت عمر کی جوہر شناسی

انجام دینے کے لئے اُس سے بڑھکر آدمی نہین مل سکتا تھا، عرب مین چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے۔ امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ[1]۔ زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینون کو بڑے بڑے ملکی عہدے دئے۔ اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح اُن پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نکرنے پائے، زیاد اُنکے زمانے مین شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لئے اُسکو کوئی بڑا عہدہ نہین دیا لیکن اُسکی قابلیت اور استعداد کی بناپر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت مین اُسکو مشیر کار بنائین۔ فن حرب مین عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست مین انکو دخل نہ تھا حضرت عمرؓ نے ان دونون کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی مین عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ انکو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے[2]۔ عبد اللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے پاس کہین سے ایک جواب طلب تحریر آئی، آپ نے فرمایا کہ اسکا جواب کون لکھے گا؟ عبد اللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "مین"، یہ کہکر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھکر لائے، آنحضرتؐ نے سُنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ اُنکی اس قابلیت پر اُنکو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر اُنکے دل مین ہمیشہ قائم رہا یہان تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو اُنکو میر منشی مقرر کیا،

---

[1] اسد الغابۃ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ ۱۲ [2] استیعاب قاضی ابن عبد البر و طبری صفحہ ۲۶۱۶۔

نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمر نے راے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپکو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہین کیا، چنانچہ حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یکزبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے" عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقدس مین بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے، قبولیتِ عام اور بعض مصلحتون کے لحاظ سے حضرت عمر نے اُنکو کوفہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب اُن سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا اور اُنکے طرفدارون کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزون نہ تھے، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جنکا استقصا نہین کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابون سے عرب کے تمام لایق آدمیون کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمر نے ان پرزون کو حکومت کی کل مین کیسے مناسب موقعون پر لگایا تھا۔

تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہین جا سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر آپ لوگ میری مدد نکرینگے تو کون کریگا[1]؟" حضرت ابوہریرۃ نے کہا کہ ہم آپکو مدد دینگے" لیکن اُسوقت ملکی انتظام مین حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال اذا لم تعینونی فمن یعیننی الخ ۱۲

عہدہ دارون کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوری

فرمایا کہ اے عمرؓ تم رسول اللہ کے اصحاب کو دنیا مین آلودہ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا مین ان بزرگون سے مدد نہ لون تو کس سے لون،، ابو عبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہین بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہونے پائین[1]۔ غرض حضرت عمرؓ نے لوگون کی رای و مشورت سے نہایت دیانت دار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور اُنکو ملکی خدمتین سپرد کین۔ زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس مین انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکانِ مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اُس خدمت پر مامور ہوتا تھا چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگون کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگون سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، اُسکو انتخاب کرکے بھیجو چنانچہ اُنہی منتخب لوگون کو وہان کا عامل مقرر کرتے تھے عثمان بن فرقد۔ معن بن زید حجاج بن غلاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ ہم اسکی تفصیل اوپر لکھ آئے ہین۔

تنخواہ کا معاملہ

ایک دقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے مین تنخواہ لینا پسند نہین کرتے تھے اور اسکو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہ اسطرح جس طرح آجکل کے مقدس واعظون کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتون کو انجام دین اور مشاہرہ لین تو اُنکو نہایت ناگوار ہوگا، لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو رقمین ملتی ہین اُس سے اُنکو احتراز نہین ہوتا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے مین بھی بہت سے لوگ اس غلطی مین مبتلا تھے لیکن یہ امر تمدن اور

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۴۔

اصولِ انتظام کے خلاف تھا، اس لئے حضرت عمر نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہین مقرر کین، ایک موقع پر حضرت ابوعبیدہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمر نے بڑی مشکل سے اُنکو راضی کیا[1]۔ حکیم بن حزام نے حضرت عمر کے بار بار اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا[2]۔

عاملون کے فرامین مین اُنکے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اُسکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس مین اُسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا[3]۔ اسکے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی، عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگون کو جمع کرکے یہ فرمان پڑھتا تھا، جسکی وجہ سے لوگ اُسکے اختیارات اور فرائض سے واقف ہوجاتے تھے، اور جب وہ اُن اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگون کو اُسپر گرفت کا موقع ملتا تھا، حضرت عمر کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملون کے جو فرائض ہین ایک ایک اُن سے واقف ہوجائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعون پر اُسکے متعلق خطبے دیے، ایک خطبے مین جو مجمع عام مین دیا تھا عاملون کو مخاطب کرکے یہ الفاظ فرمائے۔

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمة الهدی یهتدی بکم فادروا علی	یاد رکھو کہ مین نے تم لوگون کو امیر اور سخت گیر مقرر کرکے نہین بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمھاری تقلید کرین۔ تم لوگ

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۰۰۔ [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۳۲۲۔ [3] طبری صفحہ ۲۷۴۷۔ اُسد الغابۃ (تذکرہ حذیفہ بن الیمان) سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے اُسکے الفاظ یہ ہین کان عمر اذا استعمل عاملاً کتب عهده وقد بعثت فلانا وامرته بکذا + + فلما قدم المداین استقبله الدهاقین فلما قرء عهده الخ،

المسلمین حقوقهم ولا تضربوهم فتذلوهم	مسلمانون کے حقوق ادا کرو، اُنکو زدوکوب نہ کرو، کہ وہ ذلیل ہون،
ولا تحمدوهم فتفتنوهم ولا تغلقوا	اُنکی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی مین پڑین - اُن کے لئے اپنے دروازے
الابواب دونهم فیاکل قویهم ضعیفهم	نہ بند رکھو کہ زبردست کمزورون کو کھا جائین - اُنسے کسی بات مین
ولا تستاثروا علیهم فتظلموهم	اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ اُن پر ظلم کرنا ہے -

جب کوئی شخص کہین کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے اُسکو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے[1] جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اُسکی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے -

عاملون سے جن باتون کا عہد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہوگا - باریک کپڑے نہ پہنے گا - چھنا ہوا آٹا نہ کھائیگا - دروازے پر دربان نہ رکھے گا - اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا[2] - یہ شرطین اکثر پروانۂ تقرری مین درج کی جاتی تھین اور اُنکو مجمع عام مین پڑھکر سنایا جاتا تھا -

عاملون کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اُسکے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا اُسکی مفصل فہرست طیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور عامل کی مالی حالت مین غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اُس سے مواخذہ کیا جاتا تھا[3] - ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا مین

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ مین ہے کان عمر اذا استعمل رجلا اشهد علیه رهطا من الانصار

[2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ - [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ مین ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عماله اذا ولاهم ثم یقاسمهم ما زاد علی ذلك ۱۲

بتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمر کو اسکی اطلاع دی حضرت عمر نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال مین داخل کر دیا۔ اشعار مین سے چند شعر یہ ہین۔ اسمین اُن عاملون کے نام بھی تفصیل سے بتائے ہین۔

ابلغ امیر المؤمنین رسالۃ   فانت امین اللہ فی المال والامر
فلا تدعن اهل الرساتیق والقری   یسیغون مال اللہ فی الادم الوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابه   وارسل الی جزء وارسل الی بشر
ولا تنسین النافعین کلیهما   ولا ابن غلاب من سراة بنی نصر
وما عاصم منها بصفر عیابه   وذاك الذی فی السوق مولی بنی بدر
وشبلا فسله المال وابن محرش   فقد کان فی اهل الرساتیق ذا ذکر
نؤب اذا ابوا ونغزو اذا غزوا   فانی لهم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارة   من المسك راحت فی مفارقهم تجری

زمانۂ حج مین تمام عاملون کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے مین حاضر ہون، حج کی تقریب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔ حضرت عمر کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے[1]۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتین پیش ہوتی تھین

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۰۰ مین ہے وکان من سنة عمر وسیرته ان یاخذ عماله بموافاة الحج فی کل سنة للسیاسة ولیحجزهم بذلك عن الرعیة ولیکون لشکاة الرعیة وقتا وغایة ینهونها فیه الیه ۱۲

تحقیقات ہوکر اُسکا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کرکے خطبہ دیا اور کہا کہ صاحبو! عمّال جو مقرر کرکے بھیجے جاتے ہین اس لیئے نہین بھیجے جاتے کہ تمکو طمانچے مارین یا تمھارا مال چھین لین، بلکہ مین انکو اس لیئے بھیجتا ہون کہ رسول اللہ صلعم کا طریقہ سکھائین، سو اگر کسی عامل نے اسکے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تاکہ مین اُسکا انتقام لون،” عمرو بن العاص نے جو مصر کے گورنر تھے اُٹھکر کہا کہ ” اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو ماریگا تب بھی آپ اُسکو سزا دینگے؟ حضرت عمرؓ نے کہا ” اُس خدا کی قسم جسکے ہات مین میری جان ہے ضرور مین سزا دونگا کیونکہ مین نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، خبردار مسلمانون کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہوجائینگے، اُنکے حقوق تلف نکرو ورنہ وہ کفران نعمت پر مجبور ہونگے[1]۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمّال حاضر تھے ایک شخص اُٹھا اور کہا کہ آپکے عامل نے مجھکو بے قصور سو کوڑے مارے ہین، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہین مجمع عام مین عامل کو سو کوڑے لگائے، عمرو بن العاص نے کھڑے ہوکر کہا کہ یہ امر عمّال پر گران ہوگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا ” لیکن یہ نہین ہوسکتا کہ مین ملزم سے انتقام نہ لون“ عمرو بن العاص نے منت کرکے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض مین دو دو اشرفی لیکر اپنے حق سے بازآئے“[2]۔

وقتاً فوقتاً عمّال کی جو شکایتین پیش ہوتی تھین اسکی تحقیقات کے لئے ایک خاص

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔

عاملون کی تحقیقات

عہدہ قائم کیا جسپر محمد بن مسلمۃ انصاری مامور تھے، یہ بزرگ اکابر صحابہ مین سے تھے۔ تمام غزوات مین رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ مین اپنا نائب مقرر کرتے گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عمر نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا، جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے[1] اور موقع پر جاکر مجامع عامہ مین لوگون کا اظہار لیتے تھے۔ سنہ ۲۱ھ مین سعد وقاص جنھون نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگون نے حضرت عمر کے پاس جاکر شکایت کی، یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیون نے بڑے زور شور سے لڑائی کی طیاریان کی تھین اور ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر نہاوند کے قریب آپہنچے تھے۔ مسلمانون کو سخت تردد تھا اور اُنکے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجین روانہ ہورہی تھین، عین اسی حالت مین یہ لوگ پہنچے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پرخطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھکو سعد وقاص کی تحقیقات سے نہین روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا اُنھون نے کوفہ کی ایک ایک مسجد مین جاکر لوگون کے اظہار لئے اور سعد بن وقاص کو ساتھ لیکر مدینے مین آئے یہان حضرت عمر نے خود انکا اظہار لیا[2]۔

---

[1] اسد الغابۃ تذکرہ محمد بن مسلمہ مین ہے وھو کان صاحب العمال ایام عمر کان عمر اذا شکی الیہ عامل ارسل محمداً لیکشف الحال وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم طبری نے مختلف مقامات مین تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔

[2] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۶۰۶ تا ۲۶۰۸ مین ہے۔ صحیح بخاری مین بھی اس واقعہ کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ میرٹھ ۱۲

کمیشن

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخون مین مذکور ہین۔ بعض اوقات ابتداءً عامل کو مدینہ مین بُلاکر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اُسوقت ہوتا تھا جب عامل، صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا چنانچہ ابوموسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے انکی نسبت جب شکایت گذری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہات سے قلمبند کیا اور ابوموسیٰ کو اپنے حضور مین بُلوا کر تحقیقات کی۔ الزامات یہ تھے کہ ابُوموسیٰ نے اسیرانِ جنگ مین سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہین، اُنکی ایک لونڈی ہے جسکو دونون وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانون کو میسر نہین آسکتی۔ کاروبار حکومت، زیاد بن سمیتہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ وسپید کا مالک ہے، تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا، تیسرے الزام کا ابوموسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست وتدبیر کا آدمی ہے اس لئے مین نے اُسکو اپنا مشیر بنا رکھا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت مین قابل آدمی تھا اِس لئے خود بصرہ کے حُکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائین، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابوموسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی اُن سے چھین لی گئی[1]۔

عاملون کی خطاؤن پر سخت گرفت کی جاتی تھی خصوصاً اُن باتون پر جن سے ترفّع اور امتیاز یا نمود وفخر ثابت ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا

---

[1] طبری صفحہ ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۲۔

کہ بیمار کی عیادت نہین کرتا یا کمزور اُسکے دربار مین بار نہین پاتا وہ فوراً موقوف کردیا جاتا تھا[1]

ایک دفعہ حضرت عمر بازار مین پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر! کیا عاملون کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے، تمکو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اُسکے دروازے پر دربان مقرر ہے،، حضرت عمر نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت مین پاؤ ساتھ لواؤ، محمد بن مسلمہ نے وہان پہنچکر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے، اسی ہیئت اور لباس مین ساتھ لے کر مدینے آئے حضرت عمر نے وہ کرتہ اُتروا کر بالون کا کرتہ پہنایا اور بکریون کا ایک گلّہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل مین لیجا کر چراؤ،، عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے، حضرت عمر نے فرمایا تجھکو اس سے عار کیون ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریان چراتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے[2]۔

حضرت سعد وقاص نے کوفہ مین اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا جسمین ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمر نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاؤ ہوگا محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جاکر ڈیوڑھی مین آگ لگا دین چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے دیکھا کئے۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ٦٦۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ٦٦۔

اس قسم کی باتین اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہین کیونکہ لوگون کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تمام ملک مین مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اسکے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور اُنکے دست و بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ مین ڈوبے نظر آئین، عام آدمیون کو اختیار ہے جو چاہین کرین، انکے افعال کا اثر بھی انھی تک محدود رہیگا، لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہین اُنکے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگون کے دلون مین اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتون سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتین پیدا ہو جاتی ہین جسکے یہ معنی ہین کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہین، اسکے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتین، پولٹیکل مصالح سے خالی نہ تھین، مساواۃ اور عدم ترجیح جسکو آجکل کی اصطلاح مین سوشیلزم کہتے ہین، عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب مین جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیون مین محدود تھے۔ ورنہ امیر معاویہ، شام مین بڑے سر و سامان سے رہتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے کچھ تعرض نہین کرتے تھے۔ شام کے سفر مین حضرت عمرؓ نے اُنکے خدم و حشم کو دیکھکر اسقدر کہا اکسروانیة یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب اُنھون نے جواب دیا کہ یہان رومیون سے سابقہ رہتا ہے اور اُنکی نظر مین بغیر اسکے سلطنت کا رعب و داب نہین قائم رہ سکتا تو

حضرت عمر نے پھر تعرض نہین کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہین بیش قرار مقرر کی تھین۔ یورپ نے مدتون کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتین تو اب تک اس راز کو نہین سمجھین جسکی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتون کا خاصہ ہوگیا ہے، حضرت عمر کے زمانے مین اگرچہ معاشرت نہایت ارزان اور روپیہ گران تھا تاہم تنخواہین علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھین صوبہ دارون کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ، چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی[1]۔

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہین جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمر نے حکومت کی کل مین کس قسم کے پرزے استعمال کئے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ مین داخل ہین۔
یزید بن ابی سفیان	"	"	تمام بنو امیہ مین انسے بڑھکر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہ	"	"	سیاست و تدبیر مین مشہور ہین۔
عمرو بن العاص	مصر	"	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	"	آنحضرت صلعم کے ماموں تھے۔

---

[1] استیعاب قاضی بن عبدالبر اور ازالۃ الخفاء، جلد دوم صفحہ ۱۷۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
عتبہ بن غزوان	بصرہ	والی	مہاجرین مین سے ہین۔ بصرہ انھی نے آباد کرایا۔
ابوموسیٰ اشعری	"	"	مشہور جلیل القدر صحابی ہین۔
عتاب بن اسید	مکۂ معظمہ	"	آنحضرتؐ نے انکو مکۂ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالحارث	"		فضلای صحابہ مین سے ہین۔
خالد بن العاص	"		ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاص	طائف		آنحضرتؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگونکو انھی نے تھاما۔
یعلی بن امیہ	یمن		صحابہ مین سے تھے اور فیاضی مین شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرمی	"		بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرتؐ نے انکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا
نعمان	مداین	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیف	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمایش کے کام مین نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنم	جزیرہ	والی	جزیرہ انھی نے فتح کیا۔
عمیر بن سعد	حمص	"	حضرت عمر انکی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمان	مداین	"	مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے رازدار تھے۔
نافع بن عبدالحارث			بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
خالد بن حرث دہانی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرۃ بن جندب	سوق الاہواز		اکابر صحابہ مین ہین۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
نعمان بن عدی	میسان		صحابہ مین سے اول انھی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہ	موصل	کمشنر مالگزاری	موصل مین انھی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

صیغۂ محاصل

خراج

خراج کا طریقہ عرب مین حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم ونسق، عرب کی تاریخ تمدن مین ایک نیا اضافہ تھا، اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان، تاج وتخت کے مالک ہوئے جنھون نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کردئے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز مین اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیون نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہین اسلئے زمین ہمارے ہی قبضے مین چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ نے انکی درخواست منظور کرلی اور بٹائی پر معاملہ ہوگیا۔ اسکے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہوگئے تھے انکی زمین پر عشر مقرر کردیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابوبکر کے عہد مین عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کردی گئی۔

حضرت عمر کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی ۱۶ھ مین ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہوگیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیونکی قوت کا استیصال کردیا۔ تو حضرت عمر نے خراج کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے مین پہلی یہ مشکل پیش

آئی کہ امراے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر اُنکی جاگیر مین عنایت کیئے جائین، اور باشندون کو اُنکی غلامی مین دیدیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کے فتح کے ساتھ سعد بن وقاص کو وہان کی مردم شماری کے لئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کرکے بھیجا۔ کل باشندون اور اہلِ فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصے مین تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ کی راے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندون کے قبضے مین رہنے دی جائے اور اُنکو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے[1] لیکن اکابر صحابہ مین سے عبد الرحمن بن عوف وغیرہ اہلِ فوج کے ہمزبان تھے۔ حضرت بلال نے اس قدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا "اللھم اکفنی بلالا" یعنی اے خدا مجھکو بلال سے نجات دے"، حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ، فوج کو تقسیم کردیے جائین تو آیندہ افواج کی طیاری، بیرونی حملون کی حفاظت، ملک کے امن وامان، قائم رکھنے کے مصارف کہان سے آئینگے؟ عبد الرحمن بن عوف کہتے تھے کہ "جنکی تلوارون نے ملک کو فتح کیا ہے اُنکی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آیندہ نسلین مُفت کیونکر پا سکتی ہین"۔ چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت راے پر ہوتا تھا، اس لئے ایک عام اجلاس ہوا جسمین تمام قدماء مہاجرین۔ اور انصار مین سے پانچ قبیلۂ اوس اور پانچ قبیلۂ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر شریک ہوئے[2]۔ حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ اور طلحہ نے حضرت

---

[1] طبری ۲۴۶۷، وفتوح البلدان صفحہ ۲۶۶ وکتاب الخراج صفحہ ۱۴۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۴۔

عمر کی رائے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمر کو دفعتہً قرآنِ مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اس بحث کے لئے نص قاطع تھی۔ یعنی لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ الخ اس آیت کے اخیر فقرے وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ سے حضرت عمر نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات مین آیندہ نسلون کا بھی حق ہے، لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلون کے لئے کچھ باقی نہین رہتا،

حضرت عمر کا استدلال

حضرت عمر نے کھڑے ہو کر نہایت پُر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال مین پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے''۔ اس استدلال کی بنا پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائین وہ فوج کے مِلک نہین ہین بلکہ حکومت کے مِلک قرار پائینگے اور پہلے قابضین کو بیدخل نہین کیا جائیگا، اس اُصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربون کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا، سب سے پہلے اُس سے شروع کیا۔ حضرت عمر کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام مین وہان کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتون مین کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق مین اسوقت مالگزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر قسم کی مزروعہ پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطون مین ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیروان نے اسکی تکمیل کی تھی۔ نوشیروان تک تعین لگان

مین یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اُسپر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے مین اور بھی تبدیلیان ہوئین[1]۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمایش کا حکم دیا، اس کام کے لیے چونکہ دیانت کے ساتھ فن مساحۃ سے واقف ہونا ضرور تھا اور عرب مین اس قسم کے فنون اُسوقت تک رائج نہ تھے، اس لئے فی الجملہ دقت پیش آئی، آخر دو شخص انتخاب کیے گئے، عثمان بن حنیف اور حذیفۃ بن الیمان، یہ دونون بزرگ اکابر صحابہ مین سے تھے اور عراق مین زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کامون سے واقف ہوگئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن مین پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین لکھا ہے کہ اُنھون نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمایش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمر نے پیمایش کا پیمانہ خود اپنے دستِ مبارک سے طیار کر کے دیا، کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمایش کا کام جاری رہا۔ کل رقبہ طول مین ۳۷۵ میل اور عرض مین ۲۴۰ میل یعنی کل ۳۰۰۰۰ میل مکسّر ٹھیرا۔ اور پہاڑ۔ صحرا۔ اور نہرون کو چھوڑ کر قابلِ زراعت زمین تین کرور ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندان شاہی کی جاگیر۔ آتشکدون کے اوقاف۔ لاوارثون۔ مفرورون۔ اور باغیون کی جائداد۔ وہ زمینین جو سڑکون کی طیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھین، دریا برآورد۔ جنگل۔ ان تمام زمینون کو حضرت عمر نے خالصہ قرار دیکر انکی آمدنی جسکی

افسرانِ بندوبست

عراق کا کل رقبہ

---

[1] کتاب الاوایل ذکر اول من غیر سنۃ ساسان و ذکر اول من وضع الخراج ۱۲

تعداد سالانہ ستر لاکھ تھی رفاہ عام کے کامون کے لئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششون کے صلے مین جاگیر عطا کی جاتی تھی تو اِنھی زمینون سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیرین کسی حال مین خراج یا عُشر سے مستثنیٰ نہین ہوتی تھین۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ دارون کو دیدی گئی اور حسبِ ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح

گیہون	فی جریب یعنی پون بیگھہ پختہ	۲ درہم سال
جو	"	۱ درہم سال
نیشکر	"	۶ درہم سال
روئی	"	۵ درہم سال
انگور	"	۱۰ درہم سال
نخلستان	"	"
تل	"	۸ درہم سال
ترکاری		۳ درہم سال

عراق کا خراج

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اِس شرح مین تفاوت بھی ہوا یعنی گیہون پر فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے، افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اِس طرح کُل عراق کا خراج ۸ کرور ساٹھ لاکھ درہم ٹھیرا۔ چونکہ پیمایش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے اِس لئے تشخیص جمع مین بھی فرق رہا تاہم جہان جس قدر جمع مقرر کی گئی اُس سے زیادہ مالکانِ اراضی کے لئے

چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو ذمّی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونون افسرون کو بلا کر کہا کہ "تم نے تشخیص جمع مین سختی تو نہین کی؟ عثمان نے کہا کہ نہین۔ بلکہ ابھی اسیقدر اور گنجائش ہے"[۵۱]

زمیندار اور تعلقدار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان مین مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُنکی حالت اُسی طرح قائم رہنے دی، اور اُن کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔

پیداوار اور آمدنی مین ترقی

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اِسکے کہ لگان کی شرحین نوشیروان کی مقرر کردہ شرحون سے زائد تھین تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینین آباد ہوگئین اور دفعتہً زراعت کی پیداوار مین ترقی ہوگئی۔ چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کرور سے، دس کرور بیس ہزار درہم تک پہنچگئی[۵۲]۔ سالہائے مابعد مین اور بھی اضافہ ہوتا گیا، اِسپر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب

ہر سال مالگزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا

عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اِسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ انکو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگزاری کسی ذمّی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہین لی گئی ہے[۵۳]۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن

---

[۵۱] کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ [۵۲] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۴۔ [۵۳] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے۔ ان عمر الخطاب کان یجبی العراق کل سنة مایة الف الف اوقیة ثم یخرج الیه عشرة من اهل الکوفة وعشرة من اهل البصرة یشهدون اربع شهادات بالله انه من طیب، ما فیه ظلم مسلم ولا معاهد ۱۲

حضرت عمر کے زمانے مین جس قدر خراج وصول ہوا زمانۂ مابعد مین کبھی نہین ہوا

جس قدر مالگزاری اِنکے عہد مین وصول ہوئی زمانۂ مابعد مین کبھی وصول نہین ہوئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ "حجاج پر خدا لعنت کرے کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی، عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کرور ۲۸ لاکھ درہم وصول کی، زیاد نے ۱۰ کرور ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۱ کرور ۸ لاکھ وصول کئے"[1]، مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اُسکے عہد مین بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کرور ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہین بڑھی۔

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان مین تھا

جہان تک ہمکو معلوم ہے، عراق کے سوا حضرت عمر نے اور کسی صوبے کی پیمایش نہین کرائی بلکہ جہان جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے طیار رکھے تھے اُنکو اُسی طرح قائم رکھا، یہان تک کہ دفتر کی زبان تک نہین بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی مین، شام کا رومی مین، مصر کا قبطی مین، تھا حضرت عمر کے عہد مین بھی اُسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے مین جس طرح قدیم سے پارسی یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر نے قدیم طریقۂ انتظام مین جہان جو کچھ غلطی دیکھی اُسکی اصلاح کردی چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر مین فرعون کے زمانے مین جو بندوبست ہوا تھا، ٹالومیز (البطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن امپایر مین بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمایش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقۂ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیے تھے۔

---

[1] معجم البلدان ذکر سواد ۱۲

مصر مین فرعون کے زمانے کے قواعد مالگزاری

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونون طریقے سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالون کی پیداوار کا اوسط نکال کر، اسکے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

(۳) بندوبست چار سالہ ہو[1]۔

رومیون کا اضافہ

حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

رومیون نے اپنے عہد حکومت مین اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ، مصر سے غلّے کی ایک مقدار کثیر پایۂ تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے مین فوج کی رسد کے لئے یہین سے غلہ جاتا تھا جو خراج مین محسوب نہین ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دونون جابرانہ قاعدے موقوف کر دئے۔ یورپ کے مورخون نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد مین بھی یہ رسم جاری رہی، چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے موافق بھیجا گیا،، لیکن یہ انکی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے،۔ بے شبہ عام القحط مین مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتون تک جاری رہی، لیکن یہ وہی غلّہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا، کوئی نیا خراج یا ٹکس نہ تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان مین صاف صاف تصریح کر دی ہے[2]۔ اِس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج مین صرف نقدی کا

---

[1] پروفیسر FAVAN BERCHEM نے ایک کتاب فرنچ زبان مین مسلمانون کے قانون مالگزاری پر لکھی ہے۔ یہ حالات مین نے اسی کتاب سے لئے ہین آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئینگے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے LA PROPRIE TE TERRITORIAL ET L' IMPOT FONCIER SONS LES PREMIERS CALIFES

[2] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔

طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا، چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اسکی تصریح کی ہے[سلہ]۔ حضرت عمر نے ہر صوبہ مین فوج کی رسد کے لئے غلے کے گھتون کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر مین وصول مالگزاری کا طریقہ

حضرت عمر نے مالگزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونون ملک کے قدیم قاعدون مین فی الجملہ ترمیم کر دی، مصر ایک ایسا ملک ہے جسکی پیداوار کا مدار دریاے نیل کی طغیانی ہے اور چونکہ اُسکی طغیانی کے مدارج مین نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہین ہو سکتا، چند سالون کے اوسط کا حساب اس لئے مفید نہین کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہین کر سکتے کہ خشک سالی مین اوسط حساب کے لحاظ سے اُنکا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمر کے زمانے مین مالگزاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگزاری کی قسطین کھلتی تھین تو تمام پرگنہ جات سے رئیس، اور زمیندار، اور عرّاف، طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے، اسکے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جسمین مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم ان لوگون کے مشورے سے ہر ہر گانون پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اسمین سے اوّل گرجاؤن اور حمامون کے

[سلہ] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۹۔

مصارف اور مسلمانون کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا، باقی جو بچتا تھا اسمین سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی، ہر گانون پر جو جمع مشخص ہوتی تھی پڑتے سے اسکا ایک حصہ گانون کے پیشہ وردن سے بھی وصول کیا جاتا تھا[1]۔

اس طریقہ مین اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضا تھا اور مصر مین یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ لکھدیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہین کیا جائیگا۔

مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر کے زمانے مین جو خراج وصول ہوتا تھا اُسکی تعداد ایک کرور ۲۰ لاکھ دینار تھی جسکے تقریباً پانچ کرور چھ لاکھ رُپے ہوتے ہین، علامۂ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی، خراج اسکے علاوہ تھا، ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے مین قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے۔ لیکن میرے نزدیک دونون نے غلطی کی ہے، خود علامۂ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلی سال ایک کرور دینار وصول کیے تو حضرت عمر نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کرور وصول کیے تھے

---

[1] مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۷، علامۂ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۲۱۲ سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے ۱۲

عمرو بن العاص سے بازپرس کی"۔ یہ مسلّم ہے کہ مقوقس کے عہد مین جزیے کا دستور نہ تھا اس لئے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اسکا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اِسکے علاوہ تمام مورّخین نے اور خود مقریزی نے جہان خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانون کا مقابلہ کیا ہے اِسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہرحال حضرت عمر کے عہد مین خراج کی مقدار جہان تک پہنچی زمانۂ مابعد مین کبھی اِس حد تک نہین پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے مین تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہین ہوئی۔ ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمایش کرائی جو تین کرور فدّان ٹھیری، تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہوگئے۔ البتہ حضرت عثمان کے زمانے مین عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ۱ کرور ۴۰ لاکھ دینار وصول کئے تھے، لیکن جب حضرت عثمان نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا، تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ "ہان لیکن بچہ بھوکا رہا"[1] امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی مین یادگار ہے اِنکے عہد مین مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی[2]۔ فاطمیین کے عہد مین خلیفہ المعز لدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کردی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہوئے[3]۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے مین

شام

شام مین اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے

---

[1] دیکھو مقریزی صفحہ ۹۸ جلد اول۔ [2] معجم البلدان ذکر مصر۔ [3] ابن حوقل ذکر مصر ۱۲

تمام ممالکِ مقبوضہ مین قائم کیا تھا، اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کیے تھے، یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز مین یونانی زبان سے شامی زبان مین ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک مین جاری تھا[1]۔ قراین اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے مصر کی طرح یہان بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا، حضرت عمر کے زمانے مین۔ شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اُسکی کل تعداد ۱-کرور ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۵ کرور ۰۰ لاکھ رُوپے تھی۔

عراق، مصر، اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ، وغیرہ کے بند وبست اور تشخیصِ خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مورخین اِن ملکون کے حالات فتح مین صرف اِس قدر لکھتے ہین کہ وہان کے لوگون پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہین کہین کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اُسکی تعداد لکھدی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہات نہین لگایا ہے، اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلون سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہین اِسلئے ہم بھی اُسکی چندان پروا نہین کرتے۔

قانون مالگزاری مین حضرت عمر کی اصلاحات

ابتہ ایک محقق کی نگاہ اِس بات پر پڑسکتی ہے کہ اِس صیغے مین فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحین کیا ہین اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہین۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر نے اس صیغے مین کیا اور جسکی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی

---

[1] دیکھو پروفیسر برخیم فرانسیسی کی کتاب مسلمانون کے قانون مالگزاری پر۔"

دفعتہً نہایت ترقی کرگئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیتِ زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رومیون نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندون سے چھین کر کچھ افسرانِ فوج اور کچھ اراکینِ دربار کو دیدین، کچھ شاہی جاگیر قرار پائین، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کردی گئین۔ اصلی باشندون کے ہات مین ایک چپہ زمین بھی نہین رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالکِ زمین اُنکی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہات منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہوجاتے تھے اخیر اخیر مین باشندون کو بھی کچھ زمینداریان ملنے لگین۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اُس سے متمتع ہونے کے لئے، رومی زمیندارون سے اعانت لینی پڑتی تھی، اِس بہانے سے زمیندار خود اُس زمین پر متصرف ہوجاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہجاتا تھا، یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جہان تک ہمکو معلوم ہے تمام دنیا مین قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ، افسرانِ فوج یا ارکانِ دولت کی جاگیر مین دیدیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ، اِس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا، رومی تو اکثر ملک سے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے اُنکے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اُن تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھین یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگانِ ملک کے حوالے کردین، اور بجاے اِسکے کہ وہ مسلمان افسرون یا فوجی سردارون کو عنایت کی جاتین قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت مین اِن زمینون

پر قابض نہین ہو سکتے، یعنی مالکانِ اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہین تو خرید بھی نہین سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا چنانچہ لیث بن سعد نے مصر مین کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید، ابن لہیعہ، نے اُن پر سخت اعتراض کیا[1]، حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک مین پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی، چنانچہ تمام فوجی افسرون کے نام احکام بھیج دیے کہ "لوگون کے روزینے مقرر کر دیے گئے ہین اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے"، یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر مین کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اُسکو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ مین تجھکو ایسی سزا دونگا کہ اورون کو عبرت ہو[2]۔

ان قاعدون سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اُس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا جسکی نظیر دنیا مین کہین موجود نہ تھی کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہین برتی تھی، دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اسلئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کامون مین مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدوؤ انکی برابری نہین کر سکتے تھے، سب سے بڑھکر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت مین بڑا کام دیا، فرانس کے ایک نہایت لایق مصنف نے لکھا ہے کہ "یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام کی فتوحات مین خراج اور مالگزاری کے معاملے کو بہت دخل ہے، رومن سلطنت

---

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۵۔

[2] حسن المحاضرہ صفحہ ۹۳۔

مین باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اُسنے مسلمانون کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا، مسلمانون کے حملون کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا، مصر مین خود قبطی کاشتکارون نے یونانیون کے برخلاف مسلمانون کو مدد دی، دمشق، اور حمص مین، عیسائی باشندون نے ہرقل کی فوج کے مقابلے مین شہرپناہ کے دروازے بند کردیے اور مسلمانون سے کہدیا کہ ہم تمھاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیون کے بہت زیادہ پسند کرتے ہین"۔

یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمر نے غیر قومون کے ساتھ انصاف کرنے مین اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی اُنکو زراعت اور فلاحت سے روک دیا، درحقیقت اس سے حضرت عمر کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت، عزم، اُسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے جس دن اُنھون نے زمین کو ہاتھ لگایا، اُسی دن یہ تمام اوصاف بھی اُن سے رخصت ہوگئے۔

بندوبست مالگزاری مین ذمیون سے راے لینا

اس معاملے مین ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمر نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اُسکے متعلق تمام امور مین ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ راے طلب کرتے تھے اور اُن کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسون کو ہمارے پاس بھیجو جنکے ساتھ مترجم بھی ہون[1] پیمایش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس بڑے بڑے

---

[1] دیکھو مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴ و ۷۵۔

زمیندار عراق سے بلوائے اور اُنکے اظہار لئے[1]۔ اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہان کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے مین راے لو، اسپر نہ تسلی ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے مین طلب کیا اور اسکا اظہار لیا[2]، یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتون کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جسکا بیان ہم بندوبست کے شروع مین کر آئے ہین۔

ترقی زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی، عام حکم دیدیا کہ تمام ملک مین جہان جہان افتادہ زمینین ہین جو شخص انکو آباد کرے اُسکی مِلک ہو جائینگی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے مین لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرلے تو زمین اُسکے قبضے سے نکلجائیگی“ اس طریقے سے افتادہ زمینین نہایت جلد آباد ہوگئین، حملے کے وقت جہان جہان کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی اُنکے لئے اشتہار دیدیا کہ واپس آجاے اور اپنی زمینون پر قابض ہوجاے، زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمر کو جو خیال تھا اُسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آکر شکایت کی کہ شام مین میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج اُدھر سے گذری اور اُسکو برباد کردیا، حضرت عمر نے اُسی وقت اُسکو

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔

[2] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴، ۷۵۔

دس ہزار درہم معاوضے مین دلوائے[1]، تمام ممالکِ مفتوحہ مین نہرین جاری کین۔ اور بند باندھنے، تالاب طیار کرانے، پانی کے تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہرون کے شعبے نکالنے، اس قسم کے کامون کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر مین ۱ لاکھ ۲۰ ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام مین لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے[2]۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع مین جزء بن معاویہ نے حضرت عمر کی اجازت سے بہت سی نہرین کھدوائین جنکی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینین آباد ہوگئین۔ اسی طرح اور سیکڑون نہرین طیار ہوئین جنکا پتہ جستہ جستہ تاریخون مین ملتا ہے۔

محکمۂ آبپاشی

خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری خراجی کا بیان اوپر گذر چکا، عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانون کے قبضے مین ہوتی تھین اور جسکے اقسام حسب ذیل تھے۔

(۱) عرب کی زمین جسکے قابضین اوائلِ اسلام مین مسلمان ہوگئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

(۲) جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانون کے قبضے مین آئی تھی مثلاً وہ لاوارث مرگیا یا مفرور ہوگیا، یا بغاوت کی، یا استعفا دیدیا۔

(۳) جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہین ہوتی تھی اور اسکو کوئی مسلمان آباد کرلیتا تھا۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۰۔ [2] مقریزی صفحہ ۷۶ جلد اول۔

ان اقسام کی تمام زمینین عشری کہلاتی تھین اور چونکہ مسلمانون سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوۃ کی مد مین داخل تھا اس لئے ان زمینون پر بجاے خراج کے زکوۃ مقرر تھی جسکی مقدار اصل پیداوار کا، دسوان حصہ ہوتا تھا، یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلعم نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد مین بھی قائم رہی۔ حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینین مسلمانون کے قبضے مین آئین۔ اگر وہ ذمیون کی قدیم نہرون یا کنوون سے سیراب ہوتی تھین۔ تو ان پر خراج مقرر کر دیا، چنانچہ اس قسم کی زمینین، عبد اللہ بن مسعود و خباب وغیرہ کے قبضے مین تھین اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا نیا کنوان کھود کر اسکی آبپاشی کرتے تھے تو اسپر رعایۃً عشر مقرر کیا جاتا تھا[۱]۔

مسلمانون کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہین ہے، اولاً تو مسلمانون کو بمقابلہ ذمیون کے بہت سی زائد رقمین ادا کرنی پڑتی تھین مثلاً مویشی پر زکوۃ۔ گھوڑون پر زکوۃ۔ روپے پر زکوۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولون سے بالکل مستثنے تھے۔ اس بنا پر خاص زمین کے معاملے مین جو نہایت اقل قلیل مسلمانون کے قبضے مین آئی تھی، اس قسم کی رعایت بالکل مقتضای انصاف تھی، دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت مین کم یا معاف نہین ہو سکتی تھی، یہان تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہین کر سکتا تھا، بخلاف اسکے خراج مین تخفیف اور معافی دونون جائز تھی۔ اور وقتاً فوقتاً اسپر عملدرآمد بھی ہوتا تھا۔ اسکے علاوہ

---

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۳۵ و صفحہ ۳۷۔

خراج سال مین صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا بخلاف اِسکے عُشر کا یہ حال تھا کہ سال مین جتنی فصلین ہوتی تھین سب کی پیداوار سے الگ الگ عُشر وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیان

گھوڑون پر زکوٰۃ

عُشور

خراج و عُشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ عُشور جزیہ، مالِ غنیمت کا خُمس۔ زکوٰۃ مسلمانون کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانون کی کسی قسم کی جائداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی یہان تک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ سبھی پر زکوٰۃ تھی، زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام، خود جناب رسول اللہ کے عہد مین مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر کے عہد مین جو اضافہ ہوا، یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑون پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرتؐ نے گھوڑون کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے عیاذاً باللہ یہ نہین خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہ کی مخالفت کی۔ آنحضرتؐ نے جو الفاظ فرمائے تھے، اُس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہین اور حضرت عمر نے اسی مفہوم کو قائم رکھا، آنحضرتؐ کے وقت مین تجارت کے گھوڑے وجود نہین رکھتے تھے۔ اس لئے اُنکے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہین تھی، بہرحال زکوٰۃ کی مد مین یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اوّل حضرت عمر ہی کے عہد مین شروع ہوئی۔ عُشور، خاص حضرت عمر کی ایجاد ہے جسکی ابتدا یون ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکون مین تجارت کے لئے جاتے تھے اُن سے وہان کے دستور کے موافق مالِ تجارت پر فی صدی ۱۰ روپیہ ٹکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمر کو اس واقعہ سے اطلاع دی

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اِن ملکون کے تاجر جو ہمارے ملک مین آئین اُن سے بھی اِسیقدر محصول لیا جاے۔ منبج کے عیسائیون نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہین ہوے تھے خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہمکو عُشر ادا کرنے کی شرط پر عرب مین تجارت کرنے کی اجازت دی جاے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کرلیا اور پھر ذمیون اور مسلمانون پر بھی یہ قاعدہ جاری کردیا گیا۔ البتہ تعداد مین تفاوت رہا یعنی حربیون سے فی صدی ۱۰۔ ذمیون سے ۵۔ مسلمانون سے ڈھائی۔ لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالکِ مفتوحہ مین یہ قاعدہ جاری کرکے اسکا ایک خاص محکمہ قائم کردیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہوگئی، یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اسکی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی یعنی تاجر ایک سال جہان جہان چاہے مال لیجائے اُس سے دوبارہ محصول نہین لیا جاتا تھا، یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہین لیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے محصّلون کو یہ بھی تاکید کردی تھی کہ کھلی ہوئی چیزون سے عُشر لیا جاے یعنی کسی کی اسباب تلاشی نہ کی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئیگی۔

صیغۂ عدالت

یہ صیغہ بھی اسلام مین، حضرت عمرؓ کی بدولت وجود مین آیا۔ ترقی تمدّن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغۂ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا مین جہان جہان حکومت وسلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدّتون کے بعد ان دونون صیغون مین تفریق ہوئی لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چندہی روز بعد اس صیغے کو الگ کردیا۔ حضرت ابوبکرؓ

کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتدا مین یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔ حکومت کا نظم ونسق جب تک کامل نہین ہو لیتا۔ ہر صیغے کا اجرا رعب وداب کا محتاج رہتا ہے۔ اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہین دے سکتا جسکو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہو یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے۔ بلکہ اسی بنا پر عبد اللہ بن مسعود کو فصل قضایا سے روک دیا۔[1]

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کردیا۔ و تمام اضلاع مین عدالتین قائم کین، اور قاضی مقرر کئے اسکے ساتھ قضا کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس مین صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اسکو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہین۔[2] رومن امپایر کے دوازدہ گانہ قواعد[3] جو رومیون کے بڑے مفاخر خیال کئے جاتے ہین

---

[1] اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع

[2] اس فرمان کو علامہ ابو اسحق شیرازی نے طبقات الفقہا مین اور علامہ بیہقی و ماوردی و جاحظ، و ابن عبد ربہ اور بہت سے محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے۔

[3] ۴۵۱ قبل مسیح رومن امپایر نے یونان مین سفرا بھیجے کہ وہان قانون کی تعلیم حاصل کرکے آئین و سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنائین۔ یہ سفرا یونان گئے اور وہان سے واپس آکر ایک دستور العمل طیار کیا جسمین بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قواعد تھے۔ یہ تمام قواعد سیسہ کی تختی پر کندہ کئے گئے۔ اور مدت تک رومن امپایر کا یہی شاہی قانون

اور جنکی نسبت سیسرو، روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین، تمام فلاسفرون کی تصنیفات سے بڑھکر ہین وہ بھی ہمارے سامنے ہین، ان دونون کا موازنہ کرکے ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ دونون مین سے تمدن کے وسیع اصول کا کس مین زیادہ پتہ لگتا ہے۔

رومن امپایر کے قواعد عدالت

بقیہ حاشیہ صفحہ (٦٠) انمین صیغۂ قضا کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہین۔

(١) جب تم عدالت مین طلب کئے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

(٢) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(٣) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اسکو پکڑ سکتے ہو۔

(٤) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اسکو سواری دو ورنہ اسپر حاضری کیلئے جبر نہین کیا جا سکتا۔

(٥) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اسکو چھوڑ دو۔

(٦) دولتمند کا ضامن دولتمند ہونا چاہئے۔

(٧) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہئے۔

(٨) جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا۔

(٩) فیصلہ دوپہر کے بعد۔ فریقین کی حاضری مین ہوگا۔

(١٠) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

(١١) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہین تو انکو ضامن دینا چاہئے۔

(١٢) جو شخص گواہ نہین پیش کرسکتا۔ مدعا علیہ کے دروازے پر دعوے کو پکار کرے۔

یہ قواعد ہین جنکو یاد کرکے یورپ۔ رومن امپایر پر ناز کرتا ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمر کی تحریر

حضرت **عمر** کا فرمان بعبارتہا ذیل مین درج ہے۔

اما بعد فان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة اس بين الناس في وجهك و مجلسك وعدلك حتى لا ياس الضعيف من عدلك ولا يطمع الشريف في حيفك البينة على من ادعى واليمين على من انكر والصلح جائز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا لا يمنعك قضاء قضيته بالامس فراجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق- الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك و اجعل لمن ادعى بينة امدا ينتهى اليه فان احضر بينة اخذت له بحقه والا وجهت القضاء عليه- والمسلمون عدول بعضهم على بعض الا مجلودا في حد او مجربا في شهادة زور او ظنينا في ولاء او وراثة-

خدا کی تعریف کے بعد۔ **قضا** ایک ضروری فرض ہے۔ لوگون کو اپنے حضور مین، اپنی مجلس مین، اپنے انصاف، مین برابر رکھو تاکہ کمزور، انصاف سے مایوس نہو، اور زوردار کو تمھاری رُو رعایت کی اُمید نہ پیدا ہو، جو شخص دعوے کرے اُسپر بار ثبوت ہے۔ اور جو شخص منکر ہو اُس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اُس سے حرام، حلال۔ اور حلال، حرام نہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اُس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلے مین شبہہ ہو اور قرآن و حدیث مین اسکا ذکر نہ ہو تو اُسپر غور کرو اور پھر غور کرو۔ اور اُس کی مثالون اور نظیرون پر خیال کرو، پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اُسکے لئے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اُسکا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہین باستثنای اُن اشخاص کے جن کو حد کی سزا مین دُرّے لگائے گئے ہون۔ یا جنھون نے جھوٹی گواہی دی ہو۔ یا ولا اور وراثت مین مشکوک ہون۔

اس فرمان مین قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہین حسب ذیل ہین۔

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگون کے ساتھ یکسان برتاؤ کرنا چاہیئے۔

(۲) بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہین رکھتا تو اس سے قسم لیجائیگی۔

(۴) فریقین ہر حالت مین صلح کر سکتے ہین لیکن جو امر خلافِ قانون ہے اُسمین صلح نہین ہوسکتی ہے۔

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنیکے بعد اسمین نظرثانی کرسکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیئے۔

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصل کیا جائیگا۔

(۸) ہر مسلمان قابلِ ادای شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جسکا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابلِ شہادت نہین۔

صیغۂ قضا کی عمدگی یعنی فصلِ خصومات مین پورا عدل و انصاف تین باتون پر موقوف ہے۔

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جسکے مطابق فیصلے عمل مین آئین۔

(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

(۳) وہ اصول اور آئین جنکی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصلِ خصومات مین رُو رعایت نہ کرنے پائین۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا، تاکہ مقدمات کے انفصال مین

ہرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھکر نہین ہو سکتا تھا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا، البتہ چونکہ اسمین جزئیات کا احاطہ نہین، اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اسکی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان مین لکھا کہ مقدمات مین، اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن مین وہ صورت مذکور نہ ہو، تو حدیث اور حدیث نہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہین پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو[1]۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور اہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھکر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر انکو ترتیب دیا جائے

---

[1] کنز العمال صفحہ ۱۷۴، جلد ۳۔ مسند دارمی مین بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ اسکی اصلی عبارت یہ ہے عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاءك شيء في کتاب الله فاقض به فان جاءك ما ليس في کتاب الله فانظر سنة رسول الله فاقض بها فان جاءك ما ليس في کتاب الله ولم يكن في سنة رسول الله ولم يتكلم فيه احد قبلك فاختر ای الامرين شئت۔ ان شئت ان تجتهد برايك ثم تقدم فتقدم وان شئت تتاخر فتاخر ولا ارى التاخر الا خيرا لك۔

تو ایک مختصر مجموعۂ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہین کر سکتے، اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفا وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ مین بھی متعدد فتاوی مذکور ہین۔

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب مین جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب مین انتخاب تھے۔ پای تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی۔ زید بن ثابت[51] تھے جو رسول اللہ کے زمانے مین کاتب وحی رہے تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ مین سے فرائض کے فن مین تمام عرب مین ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام بن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہین[52]۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ اُن پانچ شخصون کے ہین جنھون نے رسول اللہ کے عہد مین تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے انکو اہل صُفّہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ انکا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے انکو امیر معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر لیا[53]۔

---

[51] اخبار القضاۃ مین ہے ان عمر استعمل زیداً علی القضاء وفرض لہ رزقاً۔

[52] دیکھو اسد الغابۃ فی احوال الصحابۃ۔ واستیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی

[53] استیعاب قاضی ابن عبد البر

حضرت عمر کے زمانے کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعود تھے جنکا فضل وکمال محتاج بیان نہین۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہین۔ عبداللہ بن مسعود کے بعد سنہ ۱۹ھ مین قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ مین سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب مین انکا جواب نہ تھا، چنانچہ انکا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ انکو اقضی العرب کہا کرتے تھے، ان بزرگون کے سوا۔ جمیل بن معمر الجمحی۔ ابومریم الحنفی۔ سلمان بن ربیعۃ الباہلی۔ عبدالرحمن بن ربیعۃ۔ ابو قرۃ الکندی۔ عمران بن الحصین جو حضرت عمر کے زمانے کے قضاۃ ہین۔ انکی عظمت وجلالت شان رجال کی کتابون سے معلوم ہوسکتی ہے۔

قاضی۔ اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا اوران لوگون کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگون کو انتخاب کرکے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدوارون کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمر اسپر اکتفا نہین کرتے تھے بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگون کو انتخاب کرتے تھے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری مین چوٹ کھا کر داغی ہوگیا۔ حضرت عمر نے اسکو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا، اسپر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے۔ انھون نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے

کے مالک سے اجازت لیکر سواری لی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے، ورنہ نہین، حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اور اسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا[1]۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گذرا۔

ناجائز وسایل آمدنی کے روکنے کے لئے بہت سی بندشین کین۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

(۱) تنخواہین بیش قرار مقرر کین کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعۃ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانسو درہم ماہوار تھی[2]۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہو قاضی مقرر نہونے پائے۔ ابوموسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس مین اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے مین کسی کے رعب وداب کا اثر نہوگا[3]۔

ان باتون کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتون کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک مین اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف مین مساوات

عدالت وانصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوانِ عدالت مین شاہ وگدا، امیر وغریب، شریف ورذیل، سب ہم رتبہ سمجھے جائین۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اسکے تجربہ اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت

---

[1] کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ۔ [2] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۴۴۔ [3] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع۔

مین فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ اِن میں اور اُبَی بن کعب مین کچھ نزاع تھی۔ اُبی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دایر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمھارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہکر اُبیؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا۔ اُبیؓ نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے اُنکے رُتبے کا پاس کرکے اُبیؓ سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمھارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونون برابر نہ ہون تم منصب قضا کے قابل نہین سمجھے جاسکتے"۔

قضاۃ اور اُنکی کارروائیون کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کئے اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ اُنکے عہدِ خلافت مین بلکہ بنوامیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابوہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی برد تھے (یہ بنوامیہ کے زمانے مین تھے)۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع، قاضی سے خالی نہیں تھا اور چونکہ غیر مذہب والون کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کرین اس لئے اسلامی عدالتوں مین اُن کے مقدمات کم آتے تھے اور اِس

بناپر ہر ضلع مین ایک قاضی کا ہونا بہرحال کافی تھا۔

ماہرین فن کی شہادت

صیغۂ قضا اور خصوصاً اصولِ شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتین ایجاد کین اور جن کا بیان اُنکے اجتہادات کے ذکر مین آئیگا، ان مین ایک ماہرین فن کی شہادت بھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اسمین خاص اُس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہین ظاہر ہوتی تھی، زبرقان نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا چونکہ یہ شعر وشاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحین اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہین۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلاکر پوچھا اور اُنکی راے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسیطرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسون کے اظہار لئے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہین۔

فصلِ خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن یہ سب وہین تک تھا جہان تک انصاف کی ارزانی اور آسانی مین کوئی خلل نہین پڑسکتا تھا، ورنہ سب سے مقدم اُنکو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزان اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکون نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ دادخواہون کو دعوے سے باز آنا اُسکی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت

عدالت کا مکان

نہین ہوسکتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔ یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتین نہین بنوائین بلکہ مسجدون پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم مین جو تعمیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت مین پیدا نہین ہوسکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے مین کوئی صرف برداشت کرنا نہین پڑتا تھا، عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بنکر آئے تو اُس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئین تاکہ اظہار مدعا مین اُسپر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

افتا

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام مین قائم ہوا اور جسکی مثال، اسلام کے سوا اور کہین پائی نہین جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہین ان مین ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہئے کہ قانون سے واقف ہے، یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اسکا یہ عذر کام نہین آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہین جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا مین مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکون نے اسپر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ یہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قومون نے اسکے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہین کی، یورپ مین تعلیم اس قدر عام ہوچکی ہے لیکن اس درجے کو نہین پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اُسکے لئے کوئی تدبیر نہین۔ لیکن اسلام مین اسکا

ایک خاص محکمہ تھا جسکا نام محکمۂ افتا تھا۔ اِسکا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لایق قانون دان یعنی فقہا ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کرسکتا تھا، اُن پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ اُن مسائل کو تبائین۔ اس صورت مین گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہوسکتا تھا اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہین کرسکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام مین خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمر کے عہد مین جس پابندی کے ساتھ اسپر عمل رہا زمانہ مابعد بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکر کے عہد مین بھی نہین رہا

حضرت عمر کے زمانے کے مفتی

اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتا کے لئے نامزد کردئے جائین۔ تاکہ ہرکس وناکس۔ غلط مسائل کی ترویج نکرسکے۔ حضرت عمر نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگون کو انھون نے افتا کی اجازت دی مثلاً حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ معاذ بن جبل۔ عبد الرحمٰن بن عوف۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابوہریرۃ۔ ابودرداء۔ وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتوے دینے کے مجاز نہ تھے، شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین "سابق وعظ وفتوے موقوف بود بر رائے خلیفہ۔ بدونِ امرِ خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتوے نمی دادند و آخر بغیر توقف بر رائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتوے می دادند"[1] تاریخون مین اسکی بہت سی مثالین موجود ہین کہ جن لوگون کو فتوے کی اجازت نہ تھی اُنھون نے فتوے دئے تو حضرت عمر نے اُنکو منع کردیا چنانچہ

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۳۰۔

ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گذرا[1]۔ بلکہ انکو یہان تک احتیاط تھی کہ مقررشدہ مفتیون کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے مین کیا فتوے دیا؟ اور جب انھون نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آیندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہوتے“۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیون کے نام کا اعلان کردیا جائے اُسوقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ مین جن سے بڑھکر اعلانِ عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمر نے بارہا اسکا اعلان کیا شام کے سفر مین بمقام جابیہ۔ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اسمین یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیأت ابیا ومن اراد	یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو اُبی بن کعب کے پاس اور
ان یسال الفرایض فلیأت زیدا ومن	فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس۔ اور فقہ کے
اراد ان یسال عن الفقہ فلیأت معاذ	متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔

فوجداری اور پولیس

جہان تک ہم تحقیق کرسکے، مقدمات فوجداری، کے لئے حضرت عمر نے کوئی جدا محکمہ نہین قائم کیا، بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا، اور سرقہ۔ قضاۃ کے ہان فیصل ہوتے تھے، اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیان پولیس سے متعلق تھیں، پولیس کا صیغہ نے مستقل طور پر قائم ہوگیا تھا اور اُسوقت اسکا نام اَحداث تھا چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحد

---

[1] مسند دارمی و ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۳۰۔

کہتے تھے، بحرین پر حضرت عمر نے قدامۃ بن مظعون اور حضرت ابوہریرۃ کو مقرر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالگذاری کی خدمت دی اور حضرت ابوہریرہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دئے، احتساب کے متعلق جو کام ہین مثلاً دکاندار ترازو مین دھوکا نہ دینے پائین، کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانورون پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کافی انتظام تھا اور اسکے لئے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتہ نہین چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہوگیا تھا یا یہ خدمتین بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھین، کنز العمال مین جہان ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہان لکھا ہے کہ حضرت عمر کا یہ فعل عہدۂ احتساب کا ماخذ ہے،،

جیلخانے کی ایجاد

اس صیغے مین حضرت عمر کی ایک ایجاد یہ ہے کہ جیلخانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب مین جیلخانے کا نام ونشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائین سخت دیجاتی تھین حضرت عمر نے اول مکہ معظمہ مین صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اسکو جیلخانہ بنایا[1]۔ پھر اور اضلاع مین بھی جیلخانے بنوائے علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیلخانہ نرسل سے بنا[2] تھا، اسوقت تک صرف مجرم قید خانے مین رکھے جاتے تھے لیکن دور خلافت کے بعد قاضی شریح مدیونون کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیلخانے مین بھجواتے تھے۔

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۳۔

جیلخانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤن مین بھی تبدیلی ہوئی مثلاً ابومحجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم مین ماخوذ ہوے تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے اُن کو حد کی بجاے قید کی سزا دی۔

جلا وطنی کی سزا

جلا وطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے چنانچہ ابومحجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ مین بھیجدیا تھا[1]۔

بیت المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود مین آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانے مین سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جسکی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت صلعم نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ مین تقسیم کردی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت مین کوئی خزانہ نہین قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اُسی وقت لوگون کو بانٹ دیا چنانچہ پہلی سال ۱۰-۱۰ درہم اور دوسری سال ۲۰-۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصّے مین آئے۔ یہ کتاب الاوایل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان **بیت المال** کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اُسی وقت تقسیم کردیا جاتا تھا اور اسکی نوبت نہین پہنچتی تھی کہ خزانے مین کچھ داخل کیا جاے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جایزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ھ مین حضرت ابوہریرہ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام

---

[1] اسد الغابۃ ذکر ابومحجن ثقفی۔

بیت المال کس سنہ مین قائم ہوا

مین پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے، حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کرکے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے، آپ لوگون کی کیا مرضی ہے، حضرت علیؓ نے راے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کردیجاے اور خزانے مین جمع نہ رکھی جاے۔ حضرت عثمان نے اسکے خلاف راے دی، ولید بن ہشام نے کہا مین نے سلاطینِ شام کے ہان دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے[1]۔"

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والون کی نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ نے اس راے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافۃ یعنی مدینہ منورہ مین بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اسکی نگرانی اور حساب کتاب کے لئے نہایت قابل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی عبد اللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے مین کمال رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اسکے ساتھ اور لائق لوگ انکے ماتحت مقرر کئے جن مین سے عبد الرحمان بن عبید القاری اور معیقب بھی تھے[2]۔ معیقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہؐ کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

بیت المال کے افسر

دار الخلافۃ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات مین بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہان کے اعلیٰ حکام کو اُنکے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اسکے افسر جداگانہ ہوتے تھے، مثلاً اصفہان مین خالد بن حرث

---

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۴۴۳ تا ۴۶۱۔ [2] کتب رجال مین معیقب کا تذکرہ دیکھو۔

اورکوفہ میں عبد اللہ بن مسعود خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب مین نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتین مستحکم اور شاندار بنوائین۔ کوفہ مین بیت المال کے لئے اوّل ایک محل تعمیر ہوا جسکو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جسکا مصالحہ خسروانِ فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اُسمین نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاص کو لکھا کہ مسجد کی عمارت، بیت المال سے ملادی جاے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگون کا مجمع رہے گا،، چنانچہ سعد وقاص کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی۔ اور اسطرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہوگیا[1]۔

بیت المال کی عمارتیں

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد مین زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیون کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیر حضرت علیؓ سے باغی ہوکر بصرہ مین آئے اور خزانے پر قبضہ کرنا چاہا تو سیابجہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے اور اُنھون نے طلحہ و زبیر کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیابجہ کی نسبت اسی مورخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہوکر آئے تھے اور ایرانیون کی فوج میں داخل تھے، حضرت عمرؓ کے زمانے مین جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہوگئی اور ابوموسے نے انکو بصرہ مین آباد کرایا،،[2]

صوبجات اور اضلاع مین جو خزانے تھے انکا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہان کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی باقی سال کے ختم ہونیکے بعد

---

[1] یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ مین ہے۔ [2] فتوح البلدان از صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۶۔

صدر خزانہ یعنی مدینۂ منورہ کے بیت المال مین بھیجدی جاتی تھی چنانچہ اُسکے متعلق عُمال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے[1]۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے مین کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی، مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دارالخلافہ کے خزانے سے۔ خاص دارالخلافہ کے باشندون کو جو تنخواہین اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اُسکی تعداد تین کرور سالانہ تھی۔

جو رقم دارالخلافہ کے خزانے مین رہتی تھی

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی مین حضرت عمرؓ کو جو اہتمام تھا اُسکے متعلق تاریخون مین بہت سے دلچسپ واقعات ہین جنکی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہین۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانۂ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان مین اسکے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہین۔ مصر و شام مین اسکا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے مین مفصلۂ ذیل چیزین داخل ہین۔ سرکاری عمارات۔ نہرین۔ سڑکین پل شفاخانے حضرت عمرؓ کے زمانے مین اسکے لئے کوئی مستقل صیغہ نہین قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانون کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزین ہین سب موجود تھین اور نہایت منتظم اور وسیع طور پر تھین۔

زراعت کی ترقی کے لئے۔ حضرت عمرؓ نے جس قدر نہرین طیار کرائین اُنکا مختصر حال

---

[1] عمرو بن العاص گورنر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اسمین یہ الفاظ تھے فاذا حصل الیک وجمعتہ اخرجت عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ مما لابد منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الیّ (کنز العمال بحوالۂ ابن سعد۔ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ -

ہم صیغہ محاصل کے بیان مین لکھ آئے ہین۔ یہان اُن نہرون کا ذکر کرتے ہین جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمرؓ نے جو نہرین طیار کرائین

نہر ابی موسیٰ۔ یہ نہر ۹ میل کی لمبی تھی جسکی طیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈیپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمرؓ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ انمیں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انھون نے نہایت پُراثر تقریر مین جو کتابون مین بالفاظہا منقول ہے اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت ابوموسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگون کے لئے نہر کھدوا دی جائے چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جسکے ذریعے سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔[۱]

نہر معقل

نہر معقل۔ یہ ایک مشہور نہر ہے جسکی نسبت عربی مین یہ مثل مشہور ہے اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل۔ یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اسکی طیاری کا اہتمام معقل بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے اُنھی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد۔ اس نہر کے لئے انبار والون نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگون نے سعد وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی، سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا، انھوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا لیکن کچھ دور تک پہنچکر ایک پہاڑ بیچ مین آگیا اور وہین چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے مین پہاڑ کاٹ کر

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰ و ۳۵۰ مین اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ جغرافیہ بشاری مین بھی اسکا ذکر ہے ۱۲

بقیہ کام پورا کیا تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رسان نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جسکے ذریعے سے دریاے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سنہ ۱۸ھ مین جب تمام عرب مین قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جاے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لئے غلہ کے بھیجنے مین پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے ان دقتون پر خیال کر کے، عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندون کی ایک جماعت ساتھ لیکر دار الخلافہ مین حاضر ہو۔ جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریاے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جاے تو عرب مین قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا دقت سے خالی نہین۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر طیار کرائی۔ اس ذریعے سے دریاے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلزم مین مل گیا۔ جہازات نیل سے چلکر قلزم مین آتے تھے اور یہان سے جار پہنچکر لنگر کرتے تھے جو مدینۂ منورہ کا بندرگاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے مین بنکر طیار ہو گئی، چنانچہ پہلی ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن مین ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینۂ منورہ کے بندرگاہ مین آئے، یہ نہر مدتون تک جاری رہی اور اسکے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی عمر بن عبد العزیز کے بعد عاملوں نے بے پروائی کی اور وہ

جا بجا سے اٹ گئی یہان تک کہ مقام ذنب التمساح تک آکر بالکل بند ہو گئی۔ ۱۵۰ھ مین منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اُسکو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتون تک جاری رہی[1]۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اسکے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہان سے بحر روم و بحر قلزم مین صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونو دریاؤن کو ملا دیا جائے۔ لیکن حضرت عمر کو جب انکے ارادے سے اطلاع ہوئی تو نارضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازون مین آکر حاجیون کو اُڑا لیجائینگے[2]۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے مین آتا۔

عمارات جو حضرت عمر نے تعمیر کرائین تین قسم کی تھین

(۱) **مذہبی**۔ جیسے مساجد وغیرہ۔ انکا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے مین آئیگا۔ یہان اسقدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدین، تعمیر ہوئین۔

(۲) **فوجی**۔ جیسے قلعے، چھاؤنیان۔ بارکین، انکا بیان فوجی انتظامات کے بیان مین آئیگا۔

(۳) **ملکی**۔ مثلاً دارالامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتون کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن انکی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت عمر نے جو عمارتیں طیار کرائیں

(۱) **دارالامارۃ** یعنی صوبجات اور اضلاع کے حُکّام جہان قیام رکھتے تھے اور جہان اُنکا دفتر

---

[1] یہ تفصیل حسن المحاضرۃ سیوطی صفحہ ۹۳ و ۹۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۱۷۱ و جلد دوم صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۴ میں ہے۔

[2] تقویم البلدان ابوالفدا صفحہ ۱۰۶۔

دارالامارہ

رہتا تھا، کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

دفتر

(۲) **دیوان** - یعنی جہان دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان مین رہتا تھا۔

خزانہ

(۳) **بیت المال** یعنی خزانے کا مکان - یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال مین گذر چکا۔

قید خانے

(۴) **قید خانے** - مدینۂ منورہ کے قید خانے کا حال صیغۂ پولیس کے بیان مین گذر چکا۔ بصرہ مین جو قید خانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت مین شامل تھا[1]۔

مہمان خانے

(۵) **مہمان خانے** - یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر مین آجاتے تھے وہ ان مکانات مین ٹھیرائے جاتے تھے۔ کوفہ مین جو مہمان خانہ بنا اسکی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امر عمر ان یتخذ لمن یرد من الآفاق دارا فکانوا ینزلونھا[2] مدینۂ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ھ مین تعمیر ہوا چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات مین اسکا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ عمارتون کی نسبت یہ نہین خیال کرنا چاہیئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھین اسلام ، فضول تکلفات کی اجازت نہین دیتا۔ زمانۂ مابعد مین جو کچھ ہوا ہوا لیکن اُس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت مین تھا اور حضرت

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۸۔

عمر کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اِسکے علاوہ اسوقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اُسکا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجاے زیادہ تر آدمیون کے کام آئے یہ خیال مدتون تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کردی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگون نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہین ہے۔ بہرحال حضرت عمر کے زمانے مین جو عمارتین بنین وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھین۔ بصرہ کا ایوانِ حکومت بھی اِسی حیثیت کا تھا[1]، البتہ فوجی عمارتین نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھین۔

سڑکون کا انتظام

سڑکون اور پلون کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام مین نہین تھا۔ مفتوحہ قومون سے جو معاہدہ ہوتا تھا اسمین یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیگی۔ حضرت ابوعبیدہ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح مین یہ امر بھی داخل تھا[2]۔

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیان اور سرائین

مکہ معظمہ اگرچہ مدتون سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اسکے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمر سنہ ۱۷ھ مین جب مکہ معظمہ گئے تو اُنکی اجازت سے مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیان اور سرائین اور چشمے طیار ہوئے[3]۔ شاہ ولی اللہ صاحب

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۴ - [2] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ مین ہے وعلی ان علیھم ارشاد الضال وبناء القناطر علی الانھار من اموالھم تاریخ طبری واقعات ۱۶ھ صفحہ ۲۴۷۰ مین سڑک اور پل دونون کا ذکر ہے ۱۲ [3] طبری صفحہ ۲۵۲۹ و بلاذری صفحہ ۵۳ -

ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین ''و از ان جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بہ مکہ محترمہ توجہ فرمود و نزدیک حضرت امر فرمود تا در منازلے کہ مابین حرمین واقع اند سایہا و بناہا سازند و ہر چاہیکہ انباشتہ شدہ باشد آن را پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہہا را کنند تا بر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسر شود''

شہرون کا آباد کرنا

حضرت عمر کے زمانے مین جو جو شہر آباد ہوے وہ جن ضرورتون سے آباد ہوے اور جو خصوصیتین اُن مین پیدا کی گئین اُنکے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے۔ انہین سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہین پڑی۔ نحو کے اصلی دار العلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا مین پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ ہی مین رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہرون کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزون نہوگا۔

بصرہ

اس کتاب کے پہلے حصے مین ہم لکھ آئے ہین کہ فارس اور ہند کے بحری حملون سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمر نے سنہ ۱۴ھ مین عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ اُبلہ کے قریب جہان بحر فارس کے خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائین، زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمر نے بتا دیا تھا، عتبہ آٹھ سو آدمیون کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ مین آئے جہان اب بصرہ آباد ہے۔ یہان پہلے کھدست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان

تھا، عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عُتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی، اور مختلف قبایل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بنِ دلف کو مقرر کیا کہ جہان جہان جس قبیلے کو آتارنا مناسب ہو آتارین۔ خاص سرکاری عمارتین جو تعمیر ہوئین اُنمین سے مسجد جامع اور ایوانِ حکومت جسکے ساتھ دفتر اور قیدخانہ کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ ۱۷ھ مین آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بنِ وقاص نے جو اسوقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتین بنائی جائین۔ حضرت عمر نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان مین تین کمرون سے زیادہ نہ بنائے۔

بصرہ[1] سے دریاے دجلہ دس میل پر ہے اس لئے حضرت عمر نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اسکا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان مین گذر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی یہان تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانِ حکومت

---

[1] بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہلِ لغت یہ لکھتے ہین کہ بصرہ عربی مین نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہین اور یہان کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن معجم البلدان مین ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ اسکے نزدیک اصل مین یہ لفظ بس راہ تھا جسکے معنی فارسی مین "بہت سے راستون" کے ہین چونکہ یہان سے بہت سی راہین ہر طرف کو نکلتی تھین اس لئے اہلِ عجم اسکو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اسکی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اسکے آس پاس شاہانِ عرب نے جو عمارتین طیار کرائین تھین اُن کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے مثلاً **خورنق** جو دراصل خورنگاہ ہے اور **سدیر** جو دراصل سہ دَرہ ہے ۱۲

مین، صرف اُن لوگون کی تعداد جنکے نام فوجی رجسٹر مین درج تھے ۸۰ ہزار اور اُنکی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہان کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اُسکا اندازہ اِس سے کرنا چاہیئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہین پڑی، دنیا مین سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت مین لکھی گئی یہین لکھی گئی جسکا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہین سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہین کا تعلیم یافتہ تھا۔ ایمۂ مجتہدین مین سے حسن بصری یہین کی خاک سے پیدا ہوئے۔

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مداین وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد کوفہ
وقاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ یہان رہکر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمر نے جواب مین لکھا کہ اہل عرب کو وہان کی آب و ہوا راس نہین آسکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جو برّی و بحری دونون حیثیت رکھتی ہو چنانچہ سلمان و حذیفہ نے جو خاص اِسی قسم کے کامون پر مامور تھے۔ کوفہ کی زمین انتخاب کی، یہان کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اِسکا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمان روا تھا انکا پایۂ تخت یہی مقام تھا اور اُنکی مشہور عمارتین خورنق اور سدیر وغیرہ اِسی کے آس پاس واقع تھین، منظر نہایت خوشنما اور دریاے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اِس مقام کو خدّ العذرا یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولون مثلاً اُقحوان۔ شقایق۔ قیصوم۔ خزامی۔ کا چمن زار تھا۔

غرض سنہ ۱۷ھ مین اِسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیون کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جُدا جُدا قبیلے جدا جدا محلّون مین آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہاے عام ۴۰-۴۰ ہات اور اُس سے گھٹ کر ۳۰-۳۰ ہات اور ۲۰-۲۰ ہات چوڑی رکھی جائین اور گلیان ۷-۷ ہات چوڑی ہون، جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی۔ اِس قدر وسیع تھی کہ اسمین ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اِسکے ہر چہار طرف دور دور تک زمین کھُلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتین اوّل گھانس پھونس کی بنین لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتین طیار ہوئین۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سایبان بنایا گیا جو دوسو ہات لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونون پر قائم کیا گیا تھا جو نوشیروانی عمارات سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اِس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اِسکے کہ در اصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہوسکتا تھا تو خلیفۂ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمر کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو اُن ستونون کی قیمت ادا کی گئی یعنی اُنکی تخمینی جو قیمت ٹھیری وہ اُنکے جزیہ مین مجرا دی گئی۔ مسجد سے دوسو ہات کے فاصلے پر ایوانِ حکومت تعمیر ہوا جسمین بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانۂ عام بھی تعمیر کیا گیا جسمین باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور اُنکو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال مین چوری ہو گئی اور چونکہ حضرت عمر کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انھون نے سعد کو لکھا کہ ایوانِ حکومت مسجد سے ملا دیا جاے چنانچہ روزبہ نام ایک پارسی معمار نے جو مشہور اُستاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوانِ حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگرون کے اس صلے مین دربارِ خلافت کو روانہ کیا، حضرت عمر نے اِسکی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا، جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدین تعمیر ہوئین۔ جو قبیلے آباد کئے گئے انمین یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور قبائل جو آباد کئے گئے اُنکے نام حسبِ ذیل ہین۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان۔ بجیلہ۔ تیم اللات۔ تغلب۔ بنو اسد۔ نخع و کندۃ۔ ازد۔ مزینہ۔ تمیم و محارب۔ اسد و عامر۔ بجالۃ۔ جدلیۃ و اخلاط۔ جهینۃ۔ مذحج۔ ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمر ہی کے زمانے مین اِس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر اسکو راس اسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانہ مابعد مین اسکی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے سنہ ۶۴ھ مین مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلۂ ربیعۃ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۶ ہزار گھر انکے علاوہ تھے۔

زمانۂ مابعد کی تغیرات اور ترقیون نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہین رکھا تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہین کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانۂ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ

جسنے آٹھوین صدی مین اِس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ سعد بن وقاص نے جو ایوانِ حکومت بنایا تھا اُسکی بنیاد اب بھی قائم ہے"۔

اِس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہین ہوئی۔ یعنی ابوالاسود دُئلی نے اوّل اوّل نحو کے قواعد یہین بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہین پڑی۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہین قائم کی۔ حدیث و فقہ۔ اور علومِ عربیت کے بڑے بڑے ایمۂ فن جو یہان پیدا ہوئے ان مین ابراہیم نخعی۔ حماد۔ امام ابوحنیفہ۔ امام شعبی یادگار زمانہ تھے[1]

فسطاط

فسطاط۔ عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کرلیا تو یونانی جو کثرت سے وہان آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے، اُنکے مکانات خالی دیکھکر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائین۔ چنانچہ دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی، حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسرون کو لکھا تھا کہ شہر جہان بسایا جائے وہان سے مدینہ تک کوئی دریا راہ مین نہ آئے" چونکہ اسکندریہ کی راہ مین دریاے نیل پڑتا تھا اِس لئے اُسکو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص۔ اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع مین آئے، یہان اُنکا وہ خیمہ اب تک اُسی حالت سے کھڑا تھا جسکو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے مین اُترے اور وہین نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لئے

---

[1] کوفہ و بصرہ کے حالات طبری۔ بلاذری۔ اور معجم البلدان سے لئے گئے ہین۔

الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج - شریک بن سمی - عمرو بن مخزم - حیویل بن ناشرۃ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہان مناسب سمجھیں آباد کرین - جس قدر محلّے اُسوقت تھے اور جو قبائل اُن مین آباد ہوئے اُنکے نام علامۂ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں - جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی - عام روایت ہو کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اِسکے قبلہ کی سمت متعین کی، اِن صحابہ مین زبیر - مقداد - عبادۃ - ابو درداء - اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے، یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی، تینون طرف دروازے تھے جن مین سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور دونون عمارتون مین سات گز کا فاصلہ تھا -

عمرو بن العاص نے ایک مکان، خاص حضرت عمر کے لئے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہان بازار آباد کرایا گیا - چونکہ اِس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اِس لئے اِسکا نام فسطاط پڑا جسکے معنی عربی مین خیمہ کے ہین - آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے -

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجاے مصر کا صدر مقام بن گیا - امیر معاویہ کے زمانے مین ۴۰ ہزار اہلِ عرب کے نام دفتر مین قلمبند تھے - مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانے مین یہان ۳۶ ہزار مسجدین ۸ ہزار سڑکین ۱۱۷۰ حمّام تھے - اِسکی وسعت اور ہر قسم کے سر و سامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ مین تفصیل سے لکھا ہے - مدت تک یہ شہر سلاطینِ مصر کا پای تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا - علامۂ بشاری جسنے چوتھی صدی مین دنیا کا سفر کیا تھا اِس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ مین لکھتا ہے ناسخ بغداد مفخر الاسلام - خزانة المغرب -

لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملا من اہلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ، اور اسلام کا فخر ہے تمام اسلام مین یہان سے زیادہ کسی جامع مسجد مین علمی مجلسین نہین ہوتین۔ نہ یہان سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے،،

موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اُسوقت اسکی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اُسکے پاس عیسائیون کے چند معبد تھے، حضرت عمرؓ کے عہد مین شہر کی حیثیت سے آباد ہوا، ہرثمہ بن عرفجہ نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائلِ عرب کے متعدد محلّے آباد کئے، ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اسکے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اسکا نام موصل رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہین، نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے، اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے، اور موصل جو مشرق و مغرب کا گذرگاہ ہے، یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اُسکو یہان سے ضرور گذرنا پڑتا ہے،،۔

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیۂ بشاری وغیرہ مین تفصیل سے ملتے ہین۔

جیزہ

جیزۃ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریاے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط مین آئے تو اس غرض کے لئے

---

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۲۔

کہ رومی، دریا کے طرف سے نہ چڑھ آئین، تھوڑی سی فوج اس مقام مین متعین کردی جسمین حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگون کو بلا لینا چاہا لیکن انکو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہان سے ہٹنا نہین چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لئے یہان آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہین نہین جا سکتے۔ عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمر کو دی، وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھکر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ انکی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ سنہ ۲۱ھ مین قلعہ کی بنیاد پڑی اور سنہ ۲۲ھ مین بنکر طیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلۂ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردون کی طرح قلعہ کی پناہ مین نہین رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے"، چنانچہ یہ قبیلہ اور انکے ساتھ بعض اور قبیلون نے قلعہ سے باہر کھلے میدان مین ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہین رہے۔

حضرت عمر کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہین رہا چنانچہ بڑے بڑے محدث یہان پیدا ہوئے انمین سے بعض کے نام معجم البلدان مین مذکور ہین[1]۔

صیغۂ فوج

اسلام سے پہلے دنیا مین اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتین گذر چکی تھین جنکی بقیہ یادگارین خود اسلام کے عہد مین بھی موجود تھین۔ لیکن فوجی سسٹم جہان جہان تھا غیر منتظم اور

---

[1] جزیرہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے ۱۲

اصولِ سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر مین جسکی سلطنت کسی زمانے مین تمام دنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک مین جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے اُنکو بڑی بڑی جاگیرین دیجاتی تھین اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مُہمات کے وقت۔ اِس قدر فوج لیکر حاضر ہونگے، یہ لوگ تمام ملک مین پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجین رکھتے تھے، لیکن اِن فوجون کا تعلق براہِ راست سلطنت سے نہین ہوتا تھا۔ اور اِس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی عَلَمِ بغاوت بلند کرتے تھے تو انکی فوج انکے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اِس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے، اِس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اِس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے، ایران مین بھی قریب قریب یہی دستور تھا، فارسی مین جنکو مرزبان اور دہقان کہتے ہین وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے، اِس طریقے نے روم کی سلطنت کو در اصل برباد کر دیا تھا اور آج تو عام طور پر مُسلّم ہے کہ یہ نہایت بُرا طریقہ تھا۔

فوجی نظام روم اسپایر مین

فوجی نظام فارس مین

فرانس مین ۱۱۵ء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہین ہوتا تھا فتح کی لوٹ مین جو مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا، اِس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد ۱۵ء تک یہی طریقہ جاری رہا۔

فوجی نظام فرانس مین

عرب مین شاہانِ یمن وغیرہ کے ہان فوج کا کوئی منتظم بندوبست نہین تھا۔ اسلام کے آغاز تک اِسکی ضرورت ہی نہین پیش آئی، حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین صرف اِس قدر ہوا

کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگون پر ۱۰-۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کردیا گیا، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی، لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہلِ فوج کا کوئی رجسٹر بنا، - نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا، حضرت عمر کی اوائلِ خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن ۱۵ھ ہی مین حضرت عمر نے اس صیغے کو - اِس قدر منتظم اور باقاعدہ کردیا کہ اسوقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے -

حضرت عمر کا فوجی نظام

حضرت عمر کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہین - عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ مین آئے اور حضرت عمر کو اسکی اطلاع دی، پانچ لاکھ کی رقم اُس وقت اِس قدر اعجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمر نے فرمایا خیر ہے! - کہتے کیا ہو؟ اُنھون نے پھر پانچ لاکھ کہا، حضرت عمر نے فرمایا تمکو گنتی بھی آتی ہے؟ ابوہریرہ نے کہا ہان، یہ کہکر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا - حضرت عمر کو یقین آیا تو مجلس شورے منعقد کی اور راے پوچھی کہ اِس قدر زرِ کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزین پیش کین، ولید بن ہشام نے کہا کہ مین نے شام کے والیانِ ملک کو دیکھا ہے کہ اُنکے ہان فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے، حضرت عمر کو یہ راے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیبِ دفتر کا خیال پیدا ہوا[1] - ایک اور روایت مین ہے کہ راے دہندہ نے سلاطینِ عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرینِ قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اسکا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے، - دبستان - دبیر

---

[1] مقریزی صفحہ ۹۲ - اور فتوح البلدان صفحہ ۴۴۹ -

دفتر- دیوان- سب ایک مادہ کے الفاظ ہین جنکا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جسکے معنی نگاہ رکھنے کے ہین-

تمام ملک کا فوج بنانا

بہرحال ۱۵ھ مین حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اِس باب مین اُن کی سب سے زیادہ قابلِ لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا- انھون نے اِس مسئلے کو کہ ہر مسلمان، فوجِ اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل مین لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا مین ایسی تعمیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا- مدینۂ منورہ مین اُسوقت تین شخص بہت بڑے نسّاب اور حساب کتاب کے فن مین اُستاد تھے- مخرمۃ بن نوفل، جُبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب- علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا- اور خاصکر یہ تینون[1] بزرگ اِس فن کے لحاظ سے تمام عرب مین ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے انکو بُلاکر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر طیار کرین جس مین ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو- ان لوگون نے ایک نقشہ بناکر پیش کیا جس مین سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابوبکر کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب اُن لوگون نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت- خود غرضی کا آلہ بن جاتی- حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یون نہین بلکہ آنحضرت کے قرابت دارون سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرت سے

---

[1] جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (جلد دوم صفحہ ۳۰ مطبوعہ مصر) مین لکھا ہے کہ تمام قریش مین چار شخص اشعار عرب اور انساب واخبار کے حافظ تھے مخرمۃ بن نوفل، ابوالجہم، حویطب بن عبدالعزی، عقیل بن ابی طالب ۱۲

دور ہوتے گئے ہین اِسی ترتیب سے اُنکے نام آخر مین لکھتے جاؤ یہان تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو''۔ اِس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلفاے اربعہ مین سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر مین جاکر آنحضرتؐ سے ملتا ہے، غرض اِس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسبِ ذیل تنخواہین مقرر ہوئین۔[1]

تقسیمِ مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگِ بدر مین شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
مہاجرینِ حبش اور شرکاے جنگِ اُحد۔	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگون نے ہجرت کی۔	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ مین ایمان لائے۔	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک مین شریک تھے۔	۲ ہزار درہم
اہلِ یمن۔	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین۔	۳۰۰ درہم
بلا امتیازِ مراتب۔	۲۰۰ درہم

جن لوگون کے نام درجِ دفتر ہوئے اُنکی بیوی بچّون کی تنخواہین بھی مقرر ہوئین چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویون کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہلِ بدر کی

---

[1] تنخواہون کی تفصیل مین مختلف روایتین ہین۔ مین نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲ و بلاذری صفحہ ۴۴۸ و یعقوبی صفحہ ۱۷۵ و طبری صفحہ ۲۴۱۱ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کرکے لکھا ہے۔

اولاد ذکور کی دُو دُو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اِس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگون کی جو تنخواہ مقرر ہوئی اُنکے غلامون کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلامون کا کیا پایہ تھا؟۔

جس قدر آدمی درج[1] رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن اُن کی دُو قسمین قرار دی گئین۔

---

[1] اِس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینون کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہین مقرر کین اُسکو فوجی صیغے سے چندان تعلق نہین بلکہ یہ رفاہِ عام کی غرض سے تھا، لیکن یہ نہایت غلط خیال ہے، اولًا تو جہان مورخون نے اِس واقعہ کا شانِ نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا قد جئت الشام فرأیت ملوکها قد دونوا دیوانا و جندوا اجنادًا فدوّن دیوانا و جنّد جنداً فاخذ بقوله۔ یعنی مین نے شام کے بادشاہون کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہین آپ بھی دفتر بنائیے اور فوج مرتب کیجیے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا،،

دوسرے یہ کہ جن لوگون سے جنگی خدمت نہین لیجاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتون کا استحقاق بھی نہین رکھتے تھے حضرت عمرؓ اُنکی تنخواہ نہین مقرر کرتے تھے اسی بنا پر مکّہ کے لوگون کو تنخواہ نہین ملتی تھی۔ فتوح البلدان مین ہے ان عمر کان لا یعطی اهل مکة عطاءً ولا یضرب علیهم بعثاً[2]۔ یہی وجہ تھی کہ جب صحرا نشین بدّون نے حضرت ابو عبیدہ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو اُنھون نے فرمایا کہ جب تک آبادی مین رہنے والون کی تنخواہین مقرر نہ ہو جائین صحرانشینون کا روزینہ نہین مقرر ہو سکتا،،

البتہ اِس مین شک نہین کہ اصل اوّل فوج کے رجسٹر مین اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرانِ مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن مین صاحب کمال تھے، لیکن استقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ خلط مبحث جو بضرورت اختیار کیا گیا تھا مٹتا گیا چنانچہ اِسی مضمون مین آگے اِسکی بحث آتی ہے ۱۲

[2] فتوح صفحہ ۴۵۰۔

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

(۲) جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاسکتے تھے انکو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل، والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم ونسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اسمیں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں۔ سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی سنہ ۲۱ھ میں حضرت عمر نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منتظم کردیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

فوجی صدر مقامات

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا حضرت **عمر** نے سنہ ۲۰ھ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو قسمیں کیں **ملکی** اور **فوجی** ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گذرچکا۔ **فوجی** حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دئے جنکا نام جند[1] رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، انکی تفصیل یہ ہے۔

---

[1] جند کی تحقیق کیلئے دکھیو فتوح البلدان صفحہ ۱۳۲۔ مورخ یعقوبی نے واقعات سنہ ۲۰ھ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمر نے فوجی صدر مقامات قائم کئے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین۔ جزیرہ۔ موصل۔ اور قنسرین کا نام لکھا ہے، یہ صریح غلطی ہے۔

مدینہ - کوفہ - بصرہ - موصل - فسطاط مصر - دمشق - حمص - اردن - فلسطین - حضرت عمرؓ کے زمانے مین فتوحات کی حد، اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے وہ صرف عراق مصر جزیرہ اور شام تھے، چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انھی ممالک مین قائم کئے گئے - موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا - شام کی وسعت کے لحاظ سے وہان متعدد صدر مقام کرنے ضرور تھے اس لئے دمشق - فلسطین - حمص - اردن چار صدر مقام قرار دئے - فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدل گیا ہے - تمام مصر پر اثر پڑتا تھا - بصرہ کوفہ - یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے -

ان صدر مقامات مین جو انتظامات فوج کے لئے تھے حسب ذیل تھے -

فوجی بارکین

(۱) فوجون کے رہنے کے لئے بارکین تھین - کوفہ - بصرہ - فسطاط - یہ تینون شہر تو در اصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لئے آباد ہی کئے گئے تھے - موصل مین عجمیون کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے - ہرثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اسکو شہر کی صورت مین آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلون کے لئے جدا جدا محلے بسائے -

گھوڑون کی پرداخت

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن مین چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ طیار رہتے تھے - یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعتہً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سوارون کا رسالہ فوراً طیار ہو جائے[1] - شہرین

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۴ مین ہے کان لعمر اربعۃ آلاف فرس محلۃ لکون ان کان یشتیہا فی قبلۃ قصر الکوفۃ + وبالبصرۃ نحو منہا وقیم علیہا جزء بن معاویۃ وفی کل مصر من الامصار الثمانیۃ علی قدرہا فان نابتہم نائبۃ رکب قوم وتقدموا الی ان یستعد الناس ۱۲

جزیرہ والون نے دفعۃً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھیری۔ ان گھوڑونکی پرداخت اور تربیت مین نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینۂ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام مین رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ[1] طیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جسکا نام ہنی تھا اسکی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ اِن گھوڑونکی رانون پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیس فی سبیل اللہ[2]۔ کوفہ مین اِسکا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑون کی شناخت اور پرداخت مین کمال رکھتے تھے یہان تک کہ اُنکے نام مین یہ خصوصیت داخل ہوگئی تھی اور سلمان الخیل کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑون مین یہ گھوڑے اصطبل خانے مین رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جسکے معنی اصطبل خانہ کے ہین اور اسی لحاظ سے عجمی اِسکو آخور شاہ جہان کہتے تھے۔ بہار مین یہ گھوڑے ساحلِ فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہون مین چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑون کی تربیت مین نہایت کوشش کرتے تھے، اور ہمیشہ سال مین ایک دفعہ گھوڑدوڑ بھی کراتے تھے۔

خاصکر عمدہ نسل کے گھوڑون کو انھون نے نہایت ترقی دی، اس سے پہلے اہلِ عرب، نسل مین ماں کی پروا نہین کرتے تھے، سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہین ہوتی تھی اُسکو دوغلا قرار دیکر تقسیمِ غنیمت مین سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے[3]۔

---

[1] حضرت عمرؓ نے گھوڑون اور اونٹون کی پرورش و پرداخت کے لیے عرب مین متعدد چراگاہین طیار کرائی تھین۔ سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ مین تھی جو مدینۂ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلع مین واقع ہے۔ یہ چراگاہ ۱۰ میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ دوسری مقام ضریہ مین تھی جو مکۂ معظمہ سے سات منزل پر ہے۔ اسکی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی۔ اسمین قریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ ان چراگاہون کی پوری تفصیل خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفٰی مطبوعۂ مصر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ مین ہے۔ [2] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۳۱۔ [3] کتب رجال مین سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو۔

بصرہ کا اہتمام جزء بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبۂ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

(۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات مین رہتا تھا۔

رسد کا غلہ

(۴) رسد کے لئے جو غلّہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھین وہ انہی مقامات مین رکھی جاتی تھین اور یہین سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھین۔

فوجی چھاؤنیان

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہرون اور مناسب مقامات مین نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیان قائم کین۔ اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ مین پھیلا دیا اگرچہ یہ انکا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اُسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہان متعین کر دی جاتی تھی[1] جو وہان سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع مین ایک عامل مقرر کیا جسکے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی، لیکن امن وامان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہان فوجی سلسلہ قائم نہین کیا گیا۔

۱۷ھ مین حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو اُن مقامات مین جہان ملک کی حد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی دلوک، منبج، رعبان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی مین انکو فروج یا ثغور کہتے ہین) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم ونسق اور مناسب انتظامات کئے۔ جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۰ مین ہے وكان المسلمون كلما فتحوا مدينة ظاهرة او عند ساحل رتبوا فيها قدر من يحتاج لها اليه من المسلمين فان حدث في شئ منها حدث من قبل العدو سربوا اليها الامداد اور صفحہ ۱۵۱ مین ہے وولي ابو عبيدة كل كورة فتحها عاملا وضم اليه جماعة من المسلمين وشحن النواحي المخوفة ۱۲

(یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرسوس، صیدا، ایاس، لاذقیہ) چونکہ رومیون کی بحری طاقت کی زد پر تھے اِس لئے اسکا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اِسکا افسرِ کل عبد اللہ بن قیس کو مقرر کیا[51]۔ بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہم سرحد تھا، وہان فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے[52]۔ ۱۹ھ مین جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو انکے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحلِ شام پر زیادہ طیاری کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعون کی نئے سرے سے مرمّت کرائی جائے اور اُن مین فوجین مرتب کیجائین اسکے ساتھ تمام دریائی منظر گاہون پر پہرہ والے تعینات کئے جائین اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے[53]۔

اسکندریہ مین یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری مین جس قدر فوجین تھین اُسکی

---

[51] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۳۔ اصل عبارت یہ ہے قسم عمر الارزاق وسمی لشواتی والصوائف وسدّ فروج الشام و مسالحها واخذ يدربها وسمّی ذلك فی کل کورة واستعمل عبد الله بن قیس علی السواحل من کل کورة۔ ۱۲

[52] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ مین ہے ورتب ابو عبیدة ببالس جماعة من المقاتلة واسكنها قوما من العرب الذين كانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمين الشام ۱۲

[53] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ مین ہے ان معوية كتب الى عمر بن الخطاب بعد موت اخيه يزيد يصف له حال السواحل فكتب اليه في مرمة حصونها وترتيب المقاتلة فيها واقامة الحرس على مناظرها واتخاذ المواقيد لها ۱۲

ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات مین رہتی تھی باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط مین اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجین بڑے بڑے وسیع ایوانون مین رہتی تھین۔ اور ہر ایوان مین انکے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو اُنکے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جسکی معرفت اُنکو تنخواہین تقسیم ہوتی تھین۔ ایوانون کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی[1]۔

۱۶ھ مین جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاونیان قایم کردین یہان تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی مین جس قدر فوج تھی اُسکی ایک چوتھائی اِنہی مقامات کے لئے مخصوص کردی[2]۔ عراق مین بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے۔ چنانچہ خاص کوفہ مین چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان مین سے ۱۰ ہزار۔ بیرونی مہمات مین مصروف رکھے جائین[3]۔ تاہم ان اضلاع مین عجمون کی جو فوجی چھاونیان پہلے سے موجود تھین از سر نو تعمیر کرکے فوجی قوت سے مضبوط کردی گئین خریبہ اور زابوقہ مین سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیان تھین وہ سب نئے سر سے تعمیر کردی گئین[4]۔ صوبۂ خوزستان، مین نہایت کثرت سے فوجی چھاونیان قایم کی گئین چنانچہ نہر تیری، مناذر،

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۰ مین ہے وکان لکل عریف قصر ینزل فیہ بمن معہ من اصحابہ و اتخذوا فیہ الخانات ۱۲ [2] دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۴ و مقریزی صفحہ ۱۶۷۔ [3] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۵ مین ہے وکان بالکوفۃ اذ ذاک اربعون الف مقاتل وکان یغزو ھذین الثغرین (ای الری واذربیجان) ھم عشرۃ الاف فی کل سنۃ فکان الرجل یصیبہ فی کل اربع سنین غزوۃ ۱۲ [4] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰۔

سوق الاہواز۔ سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی سابور۔ مہرجانقذق، یہ تمام مقامات فوجون سے معمور ہو گئے۔ رے اور آذربایجان کی چھاونیون مین ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجین موجود رہتی تھین۔

اسی طرح اور سیکڑون چھاونیان جابجا قایم کی گئین جنکی تفصیل کی چندان ضرورت نہین البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیون دیگئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب مین کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اسوقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا، اُدھر یونانی مُدت سے اس فن مین مشاق ہوتے آتے تھے۔ اس وجہ سے شام و مصر مین اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہلِ ملک باوجود اختلافِ مذہب کے مسلمانون کو عیسائیون سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیون کے بحری حملون کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا، اِسکے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیون کے قبضے مین تھا اور وہان اُنکی قوت کو کوئی صدمہ نہین پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہون کو نہایت مستحکم رکھا جاے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاونیان قائم کین انہی مقامات مین کین جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے۔ عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہان سلطنت کے سوا، ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقاے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے

فوجی چھاونیان کس اصول پر قائم کی گئین

۱؎ طبری صفحہ ۲۶۵۰-۱۲

اور دب کر مطیع بھی ہوجاتے تھے تو اُنکی اطاعت پر اطمینان نہین ہوسکتا تھا، اِس لئے ان ممالک مین ہر جگہ، فوجی سلسلہ کا قایم رکھنا ضرور تھا کہ مدّعیانِ ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائین۔

فوجی دفتر کی وسعت

حضرت عمر نے اِس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغون پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منتظم کر دیا کہ اُس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے، فوجون کی بھرتی کا دفتر جسکی ابتدا مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہوگیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکّہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہوکر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اسکو عراق کے اضلاع مین شمار کرتے ہین وہان کے تمام قبائل کا دفتر طیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیزہ، وغیرہ مین جس قدر عرب آباد ہوگئے تھے سب کے رجسٹر مرتّب ہوئے۔ اِس بیشمار گروہ کی علیٰ قدر مراتب تنخواہین مقرر کی گئین اور اگرچہ اِن سبکا مجموعی شمار تاریخون سے معلوم نہین ہوتا تاہم قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتیار بند آدمی تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہرسال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی[1] کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہان ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے، جن مین سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی اُنکو باری باری سے ہمیشہ رَے اور آذربایجان کے مہمّات مین حاضر رہنا ضرور تھا۔

ہرسال ۳۰ ہزار نئی فوج طیار ہوتی تھی

---

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۳۱ - امام مالک نے موطا مین ۳۰ ہزار کے بجاے ۴۰ ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔

یہی نظام تھا جسکی بدولت ایک مدّت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جس قدر اِس نظام مین کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت مین ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اسمین تبدیلی کی یعنی شیرخوار بچّون کی تنخواہ بند کر دی۔ عبد الملک بن مروان نے اور بھی اسکو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر مین سے عرب کے نام نکال دئے۔ اور اُسی دن درحقیقت حکومت بھی مسلمانون کے ہات سے نکل گئی۔

فوج مین عجمی رومی ہندستانی اور یہودی بھی داخل تھے

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ مین آ گیا تھا، ہم پھر حضرت عمر کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہین۔ حضرت عمر نے فوجی دفتر کو یہان تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اُس مین داخل کئے گئے۔ یزدگرد شاہنشاہ فارس نے دیلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ طیار کیا تھا جسکی تعداد چار ہزار تھی اور جُند شاہنشاہ یعنی فوجِ خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ مین اُسی معرکون کے بعد ایرانیون سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے مین آ گئی، سعد بن ابی وقاص گورنرِ کوفہ نے اِن کو فوج مین داخل کر لیا اور کوفہ مین آباد کر کے اُنکی تنخواہین مقرر کر دین۔[1] چنانچہ اسلامی فتوحات مین انکا نام بھی جا بجا تاریخون مین آتا ہے۔ یزدجرد کی فوجِ ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ سنہ ۱۷ھ مین یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سوارون کے ساتھ جن مین ستر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ طیار کرے۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰۔

ابو موسیٰ اشعری نے جب سنہ ۱۷ھ مین سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اِس برگزیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ کے مقابلے کو جائے، سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سردارون کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسےٰ گو اُن شرائط پر راضی نہ تھے۔ لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر کو اطلاع دی۔ حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لئے جائین چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ مین آباد کئے گئے اور فوجی دفتر مین نام لکھا جا کر اُنکی تنخواہین مقرر ہو گئین۔ اُنمین سے چھ افسرون کی جنکے یہ نام تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ، افرودین، ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادرون کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکہ مین سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی[۱]۔

باذان۔ نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اُسکی رکاب مین جو ایرانی فوج تھی اُسمین سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ انکا نام بھی دفترِ فوج مین لکھا گیا۔ تعجب ہے کہ فاروقی لشکر، ہندوستان کے بہادرون سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جنکو اہل عرب زط کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر مین شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج مین بھرتی ہو کر بصرہ مین آباد کئے گئے[۲]۔

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج مین شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر مین اُنمین سے پانسو آدمی شریکِ جنگ تھے۔ اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلّے مین

---

[۱] طبری واقعات سنہ ۱۷ھ ذکر فتح سوس و فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۵۔ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۵۔

آباد کئے گئے۔ یہودیون سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح مین انمین سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج مین شریک تھے[1]۔

غرض حضرت عمرؓ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی اُسکے لئے کسی قوم اور کسی مُلک کی تخصیص نہ تھی۔ یہان تک کہ مذہب وملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والینٹر فوج مین تو ہزارون مجوسی شامل تھے جنکو مسلمانون کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوج نظام مین بھی مجوسیون کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اسکی تفصیل غیر قومون کے حقوق کے ذکر مین آئیگی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ صیغۂ جنگ کی یہ وسعت جسمین تمام قومون کو داخل کرلیا گیا تھا صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسیکا کبھی ممنون ہونا نہین پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ جن قومون سے مقابلہ تھا اُنہی کے ہم قومون کو اُن سے لڑانا فنِ جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خرگوشِ ہر مرز را بے شگفت   سگِ آن ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین۔ ابتداے انتظام مین فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہین رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہین پاتے تھے اُنکے نام بھی فوجی رجسٹر مین درج تھے اور اسوقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اٹھادینا چاہا۔ شروع شروع مین تنخواہ کی کمی بیشی مین قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اسکو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت عمرؓ نے اسکو صیغۂ تعلیم سے متعلق کرکے

---

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۰ مین ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہین۔

اِس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن وقاصؓ کو یہ الفاظ لکھ بھیجے کہ لا نقط علی القرآن احداً

تنخواہون مین ترقی

اِسکے بعد تنخواہون کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت، اور اِس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے اِس لئے ضرور تھا کہ انکی تمام ضروریات کی کفالت کی جاے، اِس لحاظ سے تنخواہون مین کافی اضافہ کیا۔ ادنی سے ادنی شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی۔ ۳۰۰ کر دی۔ افسرون کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھا دی، بچّون کی تنخواہ دود چھوڑنے کے دن سے مقرّر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرّر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اِس قدر تھا کہ فوجین مثلاً قادسیہ مین پونہچین تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلّہ لوٹ لائین، البتہ گوشت کا بندوبست دار الخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قومون سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵۔ آثار غلّہ لیا جاتا تھا اور وہ رسد کے کام مین آتا تھا۔ مصر مین غلّہ کی ساتھ روغن زیتون، شہد، اور سرکہ، بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیون کے لئے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ مین بھی یہی انتظام تھا لیکن اِسمین رعایا کو زحمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اِسکے بجاے نقدی مقرّر کر دی جسکو رعایا نے

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۵۶ اصل عبارت یہ ہے فاذا احتاجوا الی العلف والطعام اخرجوا خیولا فی البر فاغارت علی اسفل الفرات وکان عمر یبعث الیهم من المدینه الغنم والجزر ۱۲ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۷۸ و ۲۱۶۔

رسد کا مستقل محکمہ

نہایت خوشی سے قبول کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جسکا نام اہراء تھا چنانچہ شام مین عمرو بن عتبہ[1] اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے جسکے معنی گودام کے ہین، چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہان سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیون سے لیا گیا تھا اس لئے نام مین بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام مین جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی امن۔ اثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا، اسکے ساتھ فی کس ۱۲ اثار روغن زیتون اور ۱۲ اثار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اسکے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمر کے سفر شام کے ذکر مین اسکی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جسکی تفصیل وردی کے ذکر مین آئیگی۔ ان تمام باتون کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جسکو عربی مین معونۃ کہتے ہین، سواری کا گھوڑا سوارون کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا اور اسکی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اسکو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اس غرض کے لئے حضرت عمر کے حکم سے خود دار الخلافہ مین چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے[2]۔

خوراک اور کپڑا اور بھتہ

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۶ - اہراء کے معنی اور مفہوم کے لئے دیکھو لسان العرب اور فتوح البلدان صفحہ ۲۰۰۔

[2] کتاب الخراج صفحہ ۲۰۔ اصل عبارت یہ ہے کان لعمر بن الخطاب اربعۃ الاف فرس + فاذا کان فی عطاء الرجل خفۃ اوکان محتاجا اعطاہ الفرس ۱۲

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم مین تنخواہ، فصل بہار مین بھتہ اور فصل کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیرونکی آمدنی تقسیم ہوتی تھی[1]۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا، فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰-۱۰۰ سپاہیون پر افسر ہوتے تھے اور جو اُمراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہ اُنکو دیجاتی تھی، وہ عریف کو حوالہ کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیون کو حوالہ کرتے تھے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ مین سو عریف تھے۔ جنکے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔ اس انتظام مین نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا، عراق مین اُمراے اعشار نے تنخواہون کی تقسیم مین بداعتدالی کی تو حضرت عمر نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الراے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم، وغیرہ کو بُلا کر اسکی جانچ پر مقرر کیا چنانچہ ان لوگون نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگون کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس کے بجاے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا[2]۔ عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جسکی تقلید مدتون تک کی گئی۔ کنز العمال باب الجہاد مین بیہقی کی روایت ہے اول من دون الدواین وعرف العرفاء عمر بن الخطاب۔

تنخواہ کی ترقی

تنخواہون مین قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۶۔ اصل عبارت یہ ہے وامر لهم معاونهم في الربيع من كل سنة و باعطياتهم في المحرم من كل سنة وبفيئهم عند طلوع الشعرى في كل سنة وذلك عند ادراك الغلات ۱۲۔

[2] یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۴۹۵ و ۲۴۹۶ و مقریزی صفحہ ۹۳ مین ہین ۱۲

قادسیہ مین زہرہ، عصمۃ، ضبّی، وغیرہ سنے بڑے مردانہ کام کئے تھے اِس لیئے اُنکی تنخواہین دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئین۔ مقررہ رقمون کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہات آتا تھا اور علیٰ قدرِ مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اُسکی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلولا مین نو نو ہزار نہاوند مین چھہ چھہ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصّے مین آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسبِ ذیل قاعدے مقرر تھے۔

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

(۱) جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتین متعین کردی تھین، یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیون مین اور گرم ملکون پر جاڑون مین فوجین بھیجی جاتی تھین۔ اِس تقسیم کا نام شاتیہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، یہان تک کہ ہمارے مورخین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوایف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین۔ یہ انتظام حضرت عمر نے شلہ مین کیا تھا علامہ طبری لکھتے ہین وسمی الشواتی والصوائف وسمی ذلك فی کل کورۃ۔

(۲) فصل بہار مین فوجین اُن مقامات مین بھیجدی جاتی تھین جہان کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اوّل شلہ مین جاری کیا گیا جبکہ مداین کی فتح کے بعد وہان کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجین شاداب اور سرسبز مقامات مین چلی جائین[1]۔

بہار کے زمانے مین فوجون کا قیام

---

[1] تاریخ طبری مین ہے وکتب عمر الی سعد بن مالك والی عتبۃ بن غزوان ان یتربعا بالناس فی کل حین ربیع فی اطیب ارضیھم کتاب مذکور صفحہ ۲۴۸۶۔

عمرو بن العاص گورنر مصر، موسمِ بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیجدیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار مین بسر کرین اور گھوڑون کو چرا کر اور فربہ بنا کر لائین۔

آب و ہوا کا لحاظ

(۳) بارکون کی تعمیر اور چھاونیون کے بنانے مین ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجون کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط وغیرہ ان مین اصولِ صحت کے لحاظ سے سڑکین اور کوچے اور گلیان نہایت وسیع ہوتی تھین حضرت عمر کو اِسمین اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی خود لکھکر بھیجی تھی چنانچہ اسکی تفصیل ان شہرونکے ذکر مین گذر چکی۔

کوچ کی حالت مین فوج کی آرام کا دن

(۴) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لین اور ہتیارون اور کپڑون کو درست کرلین یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اُسی قدر مسافت طے کرین جس سے تھکنے نہ پائین اور پڑاؤ وہین کیا جاے جہان ہر قسم کی ضروریات مہیا ہون چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان، فوجی ہدایتون کے متعلق لکھا اِسمین اور اہم باتون کے ساتھ اِن تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔[1]

رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجین دور دراز مقامات پر مامور تھین انکو سال مین ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انھون نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی مین دردناک اشعار پڑھتے سُنا تو افسرونکو احکام

---

[1] عقد الفرید جلد اول صفحہ ۹۴ مین یہ فرمان بعینہ منقول ہے ۱۲

بھیج دے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جاے۔

لیکن یہ تمام آسانیان اُسی حد تک تھین جہان تک ضرورت کا تقاضا تھا، ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی، سے بچنے کے لئے سخت بندشین کی تھین۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہون، نرم کپڑے نہ پہنین، دھوپ کھانا نہ چھوڑین، حماّمون مین نہ نہائین،۔

فوج کا لباس

تاریخون سے یہ پتہ نہین چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جسکو وردی کہتے ہین قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اُنکے جو احکام منقول ہین اُنمین صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنین لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اِس حکم کی تعمیل پر چندان زور نہین دیا گیا کیونکہ ۲۱ھ مین جب مصر مین ذمیّون پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اُسمین شامل تھے اور وہ یہ تھے۔ اُون کا جُبّہ۔ لمبی ٹوپی یا عمامہ۔ پاجامہ، موزہ[1] حالانکہ اوّل اوّل پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمرؓ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج مین خزانچی و محاسب و مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادین ہین جن کا عرب مین کبھی وجود نہ تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسرِ خزانہ، ایک مُحاسب، ایک قاضی، اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ انکے علاوہ متعدد طبیب اور جرّاح ہوتے تھے، چنانچہ جنگ قادسیہ مین عبدالرحمٰن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان مُحاسب، ہلال ہجری مترجم تھے[2]۔ فوج مین محکمۂ عدالت، سررشتۂ حساب، مترجمی، اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اِسی زمانے سے ہے۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵۔ [2] طبری واقعات ۱۴ھ صفحہ ۲۲۲۶۔

فوجی قواعد کی نسبت ہمکو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر فوجی افسرون کو جو احکام بھیجتے تھے اُن مین چار چیزون کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پانون چلنا۔ اسکے سوا ہمکو معلوم نہین کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھلائی جاتی تھی۔ تاہم اسمین شبہ نہین کہ حضرت عمر کے عہد مین سابق کی نسبت فنِ جنگ نے بہت ترقی کی۔ عرب مین جنگ کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ دونون طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہوجاتے تھے۔ پھر دونون طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر مین عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز مین صف بندی کا طریقہ جاری ہوا، اور فوج کے مختلف حصّے قرار پائے۔ مثلاً میمنہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصّہ بطورِ خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہین لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ۱۵ھ مین یرموک کے معرکہ مین حضرت خالد کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی[1] یعنی کل فوج جسکی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفون مین تقسیم ہو کر حضرت خالد کی ماتحتی مین کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

فنِ جنگ مین ترقی

حضرت عمر کے زمانے مین فوج کے جس قدر حصّے اور شعبے تھے حسبِ ذیل ہین۔

فوج کے حصّے

قلب	سپہ سالار اِسی حصّے مین رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔
میمنہ	قلب کے داہنے ہات پر رہتا تھا۔

---

[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ مین فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقۂ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے اسمین لکھا ہے کہ "تعبیہ کا طریقہ اول اول مروان بن الحکم نے قایم کیا"، لیکن یہ غلط ہے۔ طبری اور دیگر مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ مین اول اول خالد نے تعبیہ کی طرز پر صف آرائی کی۔

فوج کے مختلف حصے

میسرہ	بائین ہات پر۔
ساقہ	سب سے پیچھے۔
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجون کی دیکھ بھال رکھتی تھی
ردء	جو ساقہ سے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرسکے۔
رائد	جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار۔
فرسان	سوار
راجل	پیادہ۔
رماۃ	تیر انداز۔

ہر سپاہی کو جو ضروری چیزین ساتھ رکھنی پڑتی تھین

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزین اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھین، فتوح البلدان[1] مین لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمر کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیاے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیان، سُوا، ڈورا، قینچی، سوتالی، توبرا، چھلنی۔

قلعہ شکن آلات

قلعون پر حملہ کرنے کے لئے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرتؐ کے زمانے مین شروع ہوچکا تھا، چنانچہ سب سے پہلے سنہ ۸ھ مین طایف کے محاصرے مین اس سے کام لیا گیا لیکن حضرت عمر کے زمانے مین اسکو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اسکے ذریعے سے فتح ہوئے، مثلاً ۱۶ھ مین بہرسیر کے محاصرے مین ۲۰ منجنیقین استعمال

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۱۸۔

کی گئین۔ محاصرے کے لئے ایک اور آلہ تھا جسکو دبّابہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جسمین اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازون اور نقب زنون اور تیراندازون کو اسکے اندر بٹھا دیا جاتا تھا، اور اُسکو ریلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے، اِسطرح قلعہ کی جڑمین پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیوارون کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے۔ بہرسیر کے محاصرہ مین یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفرمینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا، یعنی جو کام آج کل سفرمینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اسکا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاصکر مفتوحہ قومون سے لیا جاتا تھا۔ عمرو بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رُخ کرے گی سفرمینا کی خدمتون کو مصری انجام دینگے[1]۔ چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیون کے مقابلے کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پُل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانون کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کرلیا تھا اِسواسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتون کو انجام دیتے تھے۔

جاسوسی اور خبررسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اِسکے لئے قدرتی سامان ہات آگئے تھے، شام و عراق مین کثرت سے عرب آباد تھے اور ان مین سے

---

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۳ مین ہے فخرج عمرو بالمسلمین ؛ وخرج معه جماعة من رؤساء القبط وقد اصلحوا لهم الطرق واقاموا لهم الجسور والاسواق ۱۲

ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک مین رہتے آئے تھے اس لئے کوئی واقعہ اُن سے چھپ نہین سکتا تھا۔ ان لوگون کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگون پر ظاہر نہ کرین اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجون مین جہان چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ یرموک، قادسیہ، تکریت، مین انھی جاسوسون کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے[1]۔

شام مین ہر شہر کے رئیسون نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی طیاریون اور نقل و حرکت کی خبرین پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج مین لکھتے ہین[2] فلما رای اهل الذمة وفاء المسلمین لهم وحسن السیرة فیهم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین علی اعدائهم فبعث اهل کل مدینة ممن جری الصلح بینهم وبین المسلمین رجالا من قبلهم یتجسسون الاخبار عن الروم وعن ملکهم وما یریدون ان یصنعوا۔ اردن اور فلسطین کے اضلاع مین یہودیون کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا، یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اسکے صلے مین اُنکی مقبوضہ زمینین اُنکو معافی مین دیدی گئین[3]۔ اسی طرح جراجمة کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور

---

[1] تاریخ شام للازدی صفحہ ۱۵۰ و طبری صفحہ ۲۲۴۹ و ۲۴۰۵۔ ازدی کی عبارت یہ ہے لما نزلت الروم منزلهم الذی نحی لوا به دسسنا الیهم رجالا من اهل البلد کانوا نصاری وحسن اسلامهم وامرناهم ان یدخلو عسکرهم ویکتموا اسلامهم ویاتونا باخبارهم ۱۲۔ [2] کتاب مذکور صفحہ ۸۰۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۸۔

اُنکو بھی خراج معاف کردیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے مین جو چیز سب سے بڑھکر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بیشمار فوجین تھین اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع، کے لوگ اس سلسلے مین داخل تھے، اسکے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھین جہان سے دارالخلافہ تک سیکڑون ہزارون کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر کے قبضۂ قدرت مین تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہین۔ اس کا عام سبب تو حضرت عمر کی سطوت اور انکا رعب وداب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی اُنکو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامۂ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہین وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی تلک الغزاۃ وبلغہ الذي قال عتبۃ[1]۔ ایک اور موقع پر لکھتے ہین[2] وکان عمر لا یخفی علیہ شيئ في عملہ۔

پرچہ نویسون کا انتظام

اس انتظام سے حضرت عمر یہ کام لیتے تھے کہ جہان فوج مین کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہوجاتی تھی فوراً اسکا تدارک کردیتے تھے جس سے اورون کو بھی عبرت ہوجاتی تھی۔ ایران کی فتوحات مین عمرو معدیکرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان مین گستاخانہ کلمہ کہدیا تھا، فوراً حضرت عمر کو خبر ہوئی اور اُسی وقت اُنھون نے عمرو معدیکرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر انکو کبھی ایسی جرأت نہین ہوئی، اس قسم کی سیکڑون

---

[1] طبری صفحہ ۲۲۰۸ - [2] طبری صفحہ ۲۵۲۶ -

مثالین ہین جنکا استقصاء نہین ہو سکتا۔

صیغۂ تعلیم

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ مین ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن مین قرآن مجید۔ اخلاقی اشعار، اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماے صحابہ، اضلاع مین حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہین بھی مقرر کی تھین۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی اس لئے اسکا ذکر، تفصیل کے ساتھ "صیغۂ مذہبی" کے بیان مین آئیگا۔

صیغۂ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمرؓ کے کارنامون کا طغرا یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ۔ استغراق فی العبادۃ۔ صفاے قلب، قطع علائق، خضوع و خشوع، یہ چیزین کسی محسوس اور مادی سررشتۂ انتظام کے تحت مین نہین آسکتین۔ اسلیے نظام حکومت کی تفصیل مین ہم اسکا ذکر نہین کرسکتے اسکا ذکر حضرت عمرؓ کے ذاتی حالات مین آئیگا۔ البتہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجرا، اس قسم کے کام انتظام کی تحت مین آسکتے ہین۔ حضرت عمرؓ نے انکے متعلق جو کچھ کیا اُسکی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہین۔

اشاعت اسلام کا طریقہ

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہین کہ لوگون کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جاے۔ حضرت عمر اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین بلاتاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اسکے خلاف ہوگا، حضرت عمر نے خود ایک موقع پر یعنی جب انکا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین[1]

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہین کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دیجاے اور لوگون کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جاے۔

حضرت عمر جس ملک پر فوجین بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے اُن لوگون کو اسلام کی ترغیب دلائی جاے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائین چنانچہ فاتح ایران، سعد وقاص کو جو خط لکھا اُسمین یہ الفاظ تھے وقد کنت امرتك ان تدعو من لقیت الی الاسلام قبل القتال۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت عمر کا معمول تھا کہ جب اُنکے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو اُنپر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا[2]" یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسرون کے لیے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی، شام و عراق کی فتوحات مین تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیون اور عیسائیون کے پاس جو اسلامی

---

[1] یہ روایت طبقات بن سعد مین موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے، دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحۂ ۴۹۔ مطبوعۂ حیدرآباد۔

[2] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰۔

سفارتین گئین اُنھون نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد اُنکے سامنے بیان کئے۔

اشاعتِ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قومون کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگون کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئین۔ حضرت عمرؓ کے عہد مین نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اسکی بڑی وجہ یہی تھی کہ اُنھون نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانون کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجین جس ملک مین جاتی تھین لوگون کو خواہ مخواہ اُنکے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، کیونکہ چند بادیہ نشینون کا دنیا کی تسخیر کو اُٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا اس طرح جب لوگون کو اُنکے دیکھنے اور اُن سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان۔ سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش، اور اخلاص، کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزین خود بخود لوگون کے دل کو کھینچتی تھین اور اسلام اُنمین گھر کرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات مین تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیون کا سفیر جارج، ابو عبیدہ کی فوج مین جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا۔ مسلمانون کے حالات ہی سُنکر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیون کے ساتھ مسلمان ہو گیا[1]۔

---

[1] تاریخ مقریزی صفحہ ۲۲۶ مین ہے فخرج شطا فی الفین من اصحابہ ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک یحب الخیر ویمیل الی مایسمعہ من سیرۃ اہل الاسلام ۱۲

اشاعتِ اسلام کے اسباب

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اِس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینون کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پُرزور قومون کا قدم اُکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قومون کے دل مین خودبخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اِس گروہ کے ساتھ تائیدِ آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہِ فارس نے جب خاقانِ چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی، تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے اور حالات سُنکر یہ کہا کہ ”ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بیفائدہ ہے“۔ فارس کے معرکہ مین جب پارسیون کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردارِ فوج نے اسکو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی، تو اُسنے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگون پر اثر نہین کرتے خدا اُنکے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے[1]۔ ابورجا فارسی کے دادا کا بیان ہے، کہ ”قادسیہ کی لڑائی مین مین حاضر تھا اور اُسوقت تک مین مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہمنے تیرون کو دیکھکر کہا کہ ”تکلے ہین“، لیکن انہی تکلون نے ہماری سلطنت برباد کردی“، مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیون کو لکھا کہ رومیون کی سلطنت ہو چکی اب تم مسلمانون سے مِل جاؤ[2]۔

اِن باتون کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام مین آباد تھے اور عیسائی ہوگئے تھے فطرۃً جس قدر اُنکا

---

[1] طبری واقعاتِ جنگ فارس۔ [2] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۹۔

میلان ایک نبی عربی کی طرف ہوسکتا تھا غیر قوم کی طرف نہین ہوسکتا تھا، چنانچہ جس قدر زمانہ گذرتا گیا وہ اسلام کے حلقے مین آتے گئے، یہی بات ہے کہ اس عہد کے نومسلم، جس قدر عرب تھے اور قومین نہ تھین۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوای مذہبی مسلمان ہوگئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہان کا بشپ جسکا نام ادرکون تھا حضرت خالدؓ کے ہات پر اسلام لایا[1]۔ ایک پیشوای مذہب کے مسلمان ہونے سے اُسکے پیروؤن کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اِس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہین لکھا جسکی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہین بتا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکرون سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم اُنکو اِس موقع پر بیان کرتے ہین۔

حضرت عمر کے زمانے مین جو لوگ اسلام لائے

س۱۶ھ کے اخیر مین جب **جلولا** فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نوّاب اپنی خوشی سے مسلمان ہوگئے۔ ان مین سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے اُنکے یہ نام ہین۔ جمیل بن بصبہری۔ بسطام بن نرسے۔ رفیل۔ فیروز[2]۔ اِن رئیسون کے مسلمان ہوجانے سے اُنکی رعایا مین خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قادسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج، جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کُل کی کُل مسلمان ہوگئی[3]۔

---

[1] معجم البلدان ذکر قنطرہ سنان۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۵۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جسکا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اُسنے سیاہ کو بُلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا، یہ بھی حکم دیا کہ راہ مین ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جاے، اسلامی فوجین جب تستر پہنچین، تو سیاہ اپنے سردارون کے ساتھ ان اطراف مین مقیم تھا، ایک دن اُسنے تمام ہمراہیون کو جمع کر کے کہا کہ ہملوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجایئن گے، اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہملوگ خود اسلام قبول کرلین، چنانچہ اُسی وقت سب کے سب مسلمان ہوگئے[1]، یہ لوگ اساورۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ مین انکے نام سے نہر اساورۃ مشہور رہے۔ انکے اسلام لانے پر سیابجۃ۔ زط۔ اندغار بھی مسلمان ہوگئے۔ یہ تینون قومین اصل مین سندھ کی رہنے والی تھین جو خسرو پرویز کے عہد مین گرفتار ہو کر آئی تھین اور فوج مین داخل کی گئی تھین۔

مصر مین بھی اسلام، کثرت سے پھیلا، عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگون کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانون سے لڑے تھے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا، اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب مین پھیل گئے، تو حضرت عمر نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے اُنکو واپس لے کر مصر بھیجدیا اور لکھ بھیجا کہ اُنکو اختیار ہے خواہ اسلام لائین خواہ اپنے مذہب پر قائم رہین۔ چنانچہ ان مین سے قصبۂ بلہیب کے

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۴۔

رہنے والے کُل کے کُل اپنی خواہش سے مسلمان ہوگئے[1]۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجین آگے بڑھین تو بقارۃ اور ورادۃ سے لیکر عسقلان تک جو شام مین داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا[2]۔

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہان کے کپڑے مشہور ہین۔ یہان کا رئیس مسلمانون کے حالات سُنکر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا، چنانچہ جب اسلامی فوجین دمیاط مین پہنچین تو دو ہزار آدمیون کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانون سے آملا اور مسلمان ہوگیا[3]۔

فسطاط جسکو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جسکی جگہ اب قاہرہ دارالسلطنت ہے۔ یہان مین بڑے بڑے محلے تھے، جہان زیادہ تر نومسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلہ بنوبنہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہوگیا تھا، مصر کے معرکہ مین اِس خاندان کے سنو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا محلہ بنوالارزق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اِس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ مین اِس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلہ روبیل کے نام سے آباد تھا، یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ مین سکونت

---

[1] تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلداول۔ [2] مقریزی صفحہ ۱۸۴ مین ہے و لما افتتح المسلمون الفرما بعد ما افتتحوا دمیاط وتنیس ساروا الی بقارۃ فاسلم من بہا و ساروا منہا الی الورادۃ فدخل اہلہا فی الاسلام و ما حولہا الی عسقلان ۱۲ [3] مقریزی جلداول صفحہ ۲۲۶۔

رکھتے تھے، پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے، یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا، مصر کی فتح مین ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔[1]

فسطاط مین ایک اور محلہ تھا جہان صرف نومسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے چنانچہ یہ محلہ انھی کے نام پر پارسیون کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل مین باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم، شام مین پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا، مورخ بلاذری نے بالس کے ذکر مین لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے یہان وہ عرب آباد کرائے جو شام مین سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔[2] مورخ ازدی جنگ یرموک کے حالات مین لکھتا ہے کہ "جب رومیون کی فوجین یرموک مین اُترین تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہین کے رہنے والے تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگون کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کرین تاکہ رومی اُن سے بدگمان نہ ہونے پائین"۔ مورخ طبری نے سنہ ۱۴ھ کے واقعات مین لکھا ہے کہ اس لڑائی مین بہت سے اہل عجم نے مسلمانون کو مدد دی جن مین سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد

---

[1] اسکے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۲۹۸ جلد اول مین ہے۔ [2] بلاذری صفحہ ۱۵۰۔

اسلام لائے۔

اِن واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد مین اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہین بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعتِ اسلام کے بعد اُصولِ مذہب اور اعمالِ مذہبی کی ترویج تھی یعنی جن چیزون پر اسلام کا مدار ہے اُنکا محفوظ رکھنا اور اُنکی اشاعت اور ترویج کرنی، اس سلسلے مین سب سے مقدم، قرآن مجید کی حفاظت، اور اُسکی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمرؓ نے اِسکے متعلق جو کوششین کین اُنکی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوایفِ مسلمین، منّتِ فاروقِ اعظم در گردنِ اوست"۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب مین جو کوشش کی

یہ مسلّم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید ہے اور اِس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ قرآنِ مجید کا جمع کرنا۔ ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک مین اسکی تعلیم کو رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا، تفصیل اسکی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ کے عہد تک قرآنِ مجید مُرتب نہین ہوا تھا، متفرق اجزا، متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیون پر کچھ کھجور کے پتّون پر، کچھ پتھر کی تختیون پر، لوگون کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سیکڑون صحابہ شہید ہوے

---

[1] طبری صفحہ ۲۲۶۱-

جن مین بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاکر کہا کہ "اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہیگا" اس لئے ابھی سے اُسکی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے"، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جو "کام رسول اللہؐ نے نہین کیا مین کیونکر کرون"، حضرت عمرؓ نے بار بار اِسکی مصلحت اور ضرورت بیان کی یہان تک کہ حضرت ابوبکرؓ انکی راے سے متفق ہوگئے۔ صحابہ مین سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اِس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہان جہان سے قرآن کی سورتین یا آیتین ہات آئین یکجا کی جائین۔ حضرت عمرؓ نے مجمع عام مین اعلان کیا کہ جسنے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہؐ سے سیکھا ہو میرے پاس لیکر آئے۔ اِس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اُسپر دو شخصون کی اور شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اِسکو آنحضرتؐ کے عہد مین قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اِس طرح جب تمام سورتین جمع ہوگئین تو چند آدمی مامور ہوئے کہ انکی نگرانی مین پورا قرآن ایک مجموعہ مین لکھا جاے، سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابتؓ لکھتے جاتے تھے، نگران لوگون کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ مین اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان مین اُترا ہے[1]۔

اُس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے۔

---

[1] کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۷۹ اور اتقان ۱۲۔

قرآنِ مجید کی حفاظت اور صحتِ الفاظ و اعراب کی تدبیرین

اوّل یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اسکی تعلیم شائع کی جاے اور سیکڑون ہزارون آدمی حافظِ قرآن بنا دئے جایئن تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نرہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جاے۔ تیسرے یہ کہ قرآنِ مجید کی بہت سی نقلین ہوکر ملک مین کثرت سے شائع ہو جایئن۔ حضرت عمرؓ نے اِن تینون امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھکر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

مکاتب قرآن

بدوؤن کو جبری تعلیم

تمام ممالک مفتوحہ مین ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلّم و قاری مقرر کرکے اُنکی تنخواہین مقرر کین، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات مین شمار کیا جاتا ہے کہ اُنھون نے معلّمون کی تنخواہین مقرر کین[1]۔ تنخواہین اُسوقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھین مثلاً خاص مدینۂ منورہ مین چھوٹے چھوٹے بچّون کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے اُنکے معلّمون کی تنخواہین ۱۵-۱۵ درہم ماہوار تھین۔ خانہ بدوش بدوؤن کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی، چنانچہ ایک شخص کو جسکا نام ابوسفیان تھا چند آدمیون کے ساتھ مامور کیا کہ قبایل مین پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جسکو قرآنِ مجید کا کوئی حصّہ یاد نہو اُسکو سزا دے[2]۔

کتابت کی تعلیم

مکاتب مین لکھنا بھی سکھلایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع مین احکام بھیجدئے تھے کہ بچّون کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابوعامر سلیم جو رواۃ حدیث مین ہین اُنکی

---

[1] سیرۃ العمرین لابن الجوزی مین ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن العفان کان یرزقان المؤدبین والائمۃ والمعلمین۔

[2] اغانی جزء ۱۶ صفحہ ۵۸- اصابۃ فی احوال الصحابہ مین بھی یہ واقعہ منقول ہے ۱۲

زبانی روایت ہے کہ مین بچپن مین گرفتار ہو کر مدینہ مین آیا۔ یہان مجھکو مکتب مین بٹھایا گیا۔ مُعلّم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور مین اچھی طرح نہین لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گاے کی آنکھین ہوتی ہین[1]"۔

قرا صحابہ کا تعلیم قرآن کے لیے دور دراز مقامات پر بھیجنا۔

صحابہ مین سے ۵ بزرگ تھے جنھون نے قرآنِ مجید کو آنحضرت ہی کے زمانہ مین پورا حفظ کرلیا تھا، معاذ بن جبل۔ عبادۃ بن الصامت۔ ابی بن کعب۔ ابوایوب۔ ابوالدردا۔ ان مین خاصکر ابی بن کعب سید القرا تھے اور خود آنحضرت نے اس باب مین انکی مدح کی تھی۔ حضرت عمر نے ان سب کو بُلا کر کہا کہ "شام کے مسلمانون کو ضرورت ہے آپ لوگ جاکر قرآن کی تعلیم دیجئے"، ابوایوب ضعیف اور اُبی بن کعب بیمار تھے، اِس لئے جا نہ سکے۔ باقی تین صاحبون نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمر نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائین۔ وہان کچھ دنون قیام کرکے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہین چھوڑ دین باقی دو آدمیون مین سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائین۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے۔ وہان جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہ نے وہین قیام کیا اور ابودردا دمشق۔ اور معاذ بن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل نے طاعونِ عمواس مین وفات پائی[2]۔ لیکن ابودردا حضرت عثمان کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق مین مقیم رہے۔

---

[1] معجم البلدان۔ لغت حاضر۔ معجم مین اس روایت کو حضرت ابوبکر کے عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اسپر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہین ہوئے تھے۔

[2] یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸ مین ہے اور اصل روایت طبقات بن سعد کی ہے ۱۲

تعلیم قرآن کا طریقہ

ابو درداؓ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء مین لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھکر جامع مسجد مین بیٹھ جاتے تھے گرد قرآن پڑھنے والون کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابو درداؓ۔ دس دس آدمیون کی الگ الگ جماعت کردیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ انکو قرآن پڑھائے، خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والون پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب العلم پورا قرآن یاد کرلیتا تھا تو ابو درداؓ خود اُسکو اپنی شاگردی مین لیتے تھے۔ ایک دن ابو درداؓ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب العلم اُن کے حلقہ درس مین موجود تھے۔

دمشق کی مسجد مین طلبۂ قرآن کی تعداد

اشاعت قرآن کے اور وسائل

حضرت عمرؓ نے قرآنِ مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیرون کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ ضروری سورتون یعنی بقرہ۔ نساء۔ مایدۃ۔ حج۔ نور۔ کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھین کیونکہ ان مین احکام اور فرایض مذکور ہین[1]۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآنِ مجید سیکھین اُنکی تنخواہین مقرر کردی جائین[2] (بعد کو جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کردیا) اہل فوج کو جو ضروری ہدایتین لکھکر بھیجا کرتے تھے اُنمین یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھین۔ وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانون کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ اِن تدبیرون کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانون کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظون کی تعداد بھی سیکڑون ہزارون تک پہنچ گئی۔ فوجی افسرون کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ "حفاظِ قرآن کو میرے پاس بھیجدو تاکہ

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۴۔ [2] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷۔

حافظون کی تعداد

یہیں انکو قرآن کی تعلیم کے لئے جابجا بھیجوں، تو سعد وقاص نے جواب مین لکھا کہ صرف میری فوج مین تین سو حافظ موجود ہین[1]"

صحت اعراب کی تدبیرین

تیسرا امر یعنی صحتِ اعراب و صحت تلفظ، اسکے لئے بھی نہایت اہتمام کیا اور در حقیقت یہ سب سے مقدم تھا- قرآنِ مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہین ہوا تھا- اِس لئے صرف قرآنِ مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحتِ اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا- حضرت عمرؓ نے اِسکے لئے مختلف تدبیرین اختیار کین-

سب سے اوّل یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحتِ الفاظ و صحتِ اعراب کی بھی تعلیم دی جاے- اُنکے خاص الفاظ حسب روایت بن الانباری یہ ہین تَعَلَّمُوا اِعْرَابَ الْقُرْاٰنِ کَمَا تَعَلَّمُوْنَ حِفْظَہٗ اور مسند دارمی مین یہ الفاظ ہین تَعَلَّمُوا الْفَرَایِضَ وَاللَّحْنَ وَالسُّنَنَ کَمَا تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ

ادب اور عربیّت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ- ادب اور عربیّت کی تعلیم بھی لازمی کردی تاکہ لوگ خود اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کرسکین-

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہو قرآن نہ پڑھانے پائے[2]-

قرآن مجید کے بعد، حدیث کا درجہ ہے- حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج مین نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا، اور یہ اُنکی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگون کو روایتِ حدیث کی اجازت نہین دیتے تھے-

---

[1] کنز العمال جلد اول ۲۱۰- [2] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۸-

حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہین "چنانکہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را باجمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابودردا، را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند"[1] حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایتِ حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ اُنکی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن اُنکی تفصیل کا یہ موقع نہین - اُنکے ذاتی حالات مین، اُنکے فضل و کمال کا جہان ذکر آئیگا ہم اسکے متعلق نہایت تفصیل سے کام لین گے -

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائلِ فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اِس لئے حضرت عمرؓ نے اسکو اِس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہوجانے کے، یہ نشر و اشاعت ممکن نہین، مسائلِ فقہیہ کی ترویج کے لئے جو تدبیرین اختیار کین حسب ذیل ہین -

مسائل فقہ کی اشاعت

(۱) جہان تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہہ احکامِ مذہبی کی تعلیم کرتے تھے، جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اُسمین تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے - حج کے خطبہ مین حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے - موطا امام محمد مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات مین خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے[2] - اسیطرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر مین وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پُر اثر خطبے پڑھے اُنمین اسلام

---

[1] ازالۃ الخفاء، جزو دوم صفحہ ۶ - [2] موطا امام محمد صفحہ ۲۲۷ -

کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعون پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لئے اُن مسائل کا اس قدر اعلان ہوجاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق مین بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہانے اُسکو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے مین جابجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً عمال اور افسرون کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھکر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جسکی تعیین مین مجتہدین آج تک مختلف ہین تمام عمّال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب مُوطا مین بعینہٖ اُسکی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابوموسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی اُسکو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے، دو نمازون کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ مین تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے[1]۔ ۱۴ھ مین جب نماز تراویح، جماعت کے ساتھ مسجد نبوی مین قائم کی تو تمام اضلاع کے افسرون کو لکھا کہ ہر جگہ اسکے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھکر ابوموسیٰ اشعری اور دیگر افسرانِ ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھٰذَا کِتَابُ الصَّدَقَۃِ الخ قضا اور شہادت کے متعلق ابوموسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی تھی اُسکو ہم اوپر لکھ آئے ہین۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمّال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے،

---

[1] موطا امام محمد صفحہ ۱۲۹۔

حضرت ابو عبیدہ کو ایک دفعہ لکھا کہ "مین نے سنا ہے کہ مسلمان عورتین حماموں مین جاکر عیسائی عورتون کے سامنے بے پردہ نہاتی ہین، لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہین"۔ روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لا تکونوا من المسوفین لفطرکم۔ زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر کا فرمان ہم لوگون کے پاس آیا کہ ان المرءۃ لا تصوم تطوعًا الا باذن زوجھا۔ ابو وائل کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے ہم لوگون کو لکھا کہ ان الاھلۃ بعضھا اکبر من بعض۔ اس طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالین ہین۔

مسائل فقہیہ مین اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام، حضرت عمرؓ فرامین کے ذریعہ سے شایع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل، اجماعی اور متفق علیہ ہون، چنانچہ بہت سے مسائل جنین صحابہ کا اختلاف تھا انکو مجمع صحابہ مین پیش کرکے پہلے طے کرالیا، مثلاً چور کی سزا جسکی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج مین لکھتے ہین اِنَّ عُمَرَ استَشَارَ فی السَّارِقِ فَاَجْمَعُوا الخ[1]۔ غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کرکے سب سے رائے طلب کی، لوگون نے مختلف رائین دین، اس وقت فرمایا انتم اصحاب بدر وَقد اختلفتم فمن بعدکم اشدُّ اختلافًا یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر مین ہوکر آپس مین

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۶۔

مختلف الراے ہین تو آیندہ آنے والی نسلون مین اور سخت اختلاف ہوگا، چنانچہ ازواجِ مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور آنکی راے قطعی قرار پاکر تسلیم کیگئی[1] جنازہ کی تکبیر مین نہایت اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک منقح بات طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہوگیا۔

مسائل فقہیہ مین اجماع

(۳) اضلاع کے عمال اور افسر جو متقرر کرتے تھے ان مین یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہون چنانچہ بہت سے مختلف موقعون پر اسکا اعلان کر دیا تھا، ایک دفعہ مجمعِ عام مین خطبہ دیا جس مین یہ الفاظ تھے اِنّی اشھدکم علی امراء الامصار اِنّی لم ابعثھم الا لیفقھوا الناس فی دینھم۔ یعنی مین تم لوگون کو گواہ کرتا ہون کہ مین نے افسرون کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگون کو مسائل اور احکام بتائین"[2] یہ التزام ملکی افسرون تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسرون مین بھی اسکا لحاظ کیا جاتا تھا، قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہین اِنّ عمر بن الخطابؓ کان اذا اجتمع الیہ جیش من اھل الایمان بعث علیھم رجلا من اھل الفقہ والعلم۔ یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسرون مین ہم حضرت ابو عبیدہ۔ سلمان فارسیؓ ابو موسیٰ اشعریؓ، معاذ بن جبل، وغیرہ کا نام پاتے ہین جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم وفضل مین بھی ممتاز تھے اور حدیث وفقہ مین اکثر انکا نام آتا ہے۔

(۴) تمام ممالکِ محروسہ مین فقہا اور معلم متعین کئے کہ لوگون کو مذہبی احکام کی

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۵۵۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

تعلیم دین، مورخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہین لکھا اور اس وجہ سے ان معلمون کی صحیح تعداد معلوم نہین ہوسکتی تاہم [illegible]تہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر مین متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ مغفل کے حال مین صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ ان دس بزرگون کے ہین جنکو حضرت عمر نے بصرہ مین بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دین[1]،، عمران بن الحصین جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے انکی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ مین لکھتے ہین وَکَانَ مِمَّنْ بَعَثَھُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلٰی اَھْلِ الْبَصْرَۃِ لِیُفَقِّھَھُمْ یعنی یہ اُن لوگون مین ہین جنکو حضرت عمر نے بصرہ مین فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ عبدالرحمن بن غنم کے حال مین طبقات الحفاظ مین لکھا ہے کہ حضرت عمر نے انکو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا، اور صاحب اسد الغابۃ نے انہی کے حالات مین لکھا ہے کہ "یہی وہ شخص ہین جنھون نے شام مین تمام تابعین کو فقہ سکھلائی،، عبادۃ بن الصامت کے حال مین لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر نے انکو اور معاذ بن جبل اور ابو درداء کو شام مین بھیجا تاکہ لوگون کو قرآن مجید پڑھائین اور فقہ سکھائین۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ مین حبان بن ابی جبلۃ کی نسبت لکھا ہے کہ "حضرت عمر نے انکو مصر مین فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا"۔

ان فقہا کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن مین ایک طرف بیٹھ جاتے تھے،

---

[1] اصل عبارت یہ ہے کَانَ اَحَدَ الْعَشَرَۃِ الَّذِیْنَ بَعَثَھُمْ عُمَرُ اِلَی الْبَصْرَۃِ یُفَقِّھُوْنَ النَّاسَ ۱۲

اور شایقینِ علم نہایت کثرت سے اُنکے گرد حلقہ کی صورت مین جمع ہوکر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے، ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ مین حمص کی مسجد مین داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہان تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے، لیکن جب اُنکو کسی مسئلے مین شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص طرف رجوع کرتے تھے، مین نے لوگون سے اُس نوجوان کا نام پوچھا، تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبل ہین[۱]۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء جب مسجد مین آتے تھے تو اُنکے ساتھ لوگون کا اِس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ [illegible] سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے[۲]۔

فقہا کی تنخواہین

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اِن فقہا کی تنخواہین بھی مقرر کی تھین اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اسکے قایم نہین ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی فوقیتِ شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر نے جن لوگون کو تعلیمِ فقہ کے لئے انتخاب کیا تھا مثلاً معاذ بن جبل۔ ابو درداء۔ عبادۃ بن الصامت۔ عبد الرحمن بن غنم۔ عمران بن حصین۔ عبد اللہ بن مغفل۔ تمام جماعتِ اسلام مین انتخاب تھے، اِسکی تصدیق کے لئے اُسد الغابۃ اور اصابہ وغیرہ مین ان لوگون کے حالات دیکھنے چاہئین۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر نے اِس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

تعلیمِ مسائل کا مجاز نہو۔ مسائل بھی خاصکر وہ تعلیم دیے جاتے تھے جنمین صحابہ کا اتفاقِ راے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ذکر معاذ بن جبل۔ [۲] تذکرۃ الحفاظ ذکر ابو درداء ۱۲

ہوچکا تھا یا جو مجمع صحابہ مین پیش ہو کر طے کرئے جاتے تھے، چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اُسکے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہین اس مقام پر نقل کرتے ہین۔

"معہذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجالِ مخالفت نبود۔ در جمیع این امور شذروند رمیر فتند وبدونِ استطلاعِ راے خلیفہ کارے را صمم نمی ساختند۔ لہذا درین عصر اختلافِ مذاہب وتشتت آرا واقع نشد۔ ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع، چون ایامِ خلافتِ خاصہ بالکلیہ منقرض شد و خلافتِ عامہ ظہور نمود، علما در ہر بلدے مشغول بافادہ شدند ابن عباس در مکہ فتوے می دہد۔ و عایشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند۔ و ابوہریرۃ اوقاتِ خود را بر اکثار روایت حدیث مصروف میسازد، بالجملہ درین ایام اختلافِ فتاوی پیدا شد۔ یکے را بر راے دیگرے اطلاع نہ واگر اطلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ، واگر مذاکرہ بمیان آمد ازاحتِ شبہہ و خروج از مضیق اختلاف بفضاے اتفاق میسر نہ، اگر تتبع کنی روایتِ علماے صحابہ کہ پیش از انقراضِ خلافتِ خاصہ از عالم گذشتہ اند بغایت کم یابی، وجمعے کہ بعد ایامِ خلافت ماندہ اند ہرچہ روایت کردہ اند بعد ایامِ خلافتِ خاصہ روایت کردہ اند۔ ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایتِ ایشان مقبول و عمل بموجب انچہ بروایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم۔ اما درمیان انچہ از حدیث و فقہ در زمنِ فاروقِ اعظم بود وانچہ بعدِ وے حادث شدہ فرق ما بین السموات والارض ست[1]"۔

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم صفحہ ۱۴۰

علمی انتظام

یہ تمام امور جنکا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قایم کئے، ہر شہر و قصبہ مین

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

امام و موذن مقرر کئے اور بیت المال سے انکی تنخواہین مقرر کین، علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین مین لکھتے ہین ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی مین صفون کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے[1]۔ حج کے زمانے مین اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیون کو مقام منا مین عقبہ کے پار پہنچا آئین[2]۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھیر جاتے تھے حالانکہ وہان ٹھیرنا مناسک حج مین محسوب نہ تھا۔

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہد خلافت مین متصل ۱۰ حج کئے اس لئے میر حاج، ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبرگیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ مین نہایت کثرت سے مسجدین طیار کرائین۔ ابوموسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا "کہ بصرہ مین ایک جامع مسجد۔ اور باقی ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدین تعمیر کیجائین" سعد وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر شہر مین ایک ایک مسجد تعمیر کیجائے[3]۔ چنانچہ یہ مسجدین آج بھی **جوامع عمری** کے نام سے مشہور ہین۔ گو انکی اصلی عمارت اب باقی نہین رہی ہے۔ ایک **جامع عمری** مین جو بیروت مین واقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب مین لکھا ہے

---

[1] موطا امام محمد صفحہ ۸۶۔ [2] موطا امام محمد صفحہ ۲۲۹۔ [3] تاریخ مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۴۶۔

کہ "حضرت عمرؓ کے عہد مین چار ہزار مسجدین تعمیر ہوئین" یہ خاص تعداد گو قطعی نہو لیکن کچھ شبہہ نہین کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزارون سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اُسکی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزون وسعت ہوتی جاتی تھی اُسکے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لیے سنہ ۱۷ھ مین گرد و پیش کے مکانات مول لیکر ڈھا دئے اور اُنکی زمین حرم کے صحن مین شامل کر دی، اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اُسکی حد، عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اُس سے یہ بھی کام لیا کہ اُسپر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے[1]۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت مین بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے[2] اور مصر مین بُنا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ اور ۹ میل ہین) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہین۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دئے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۷ھ مین نہایت اہتمام اور احتیاط سے اسکی تجدید کی۔ صحابہ مین سے جو لوگ حدودِ حرم کے پورے واقفکار تھے۔ یعنی مخرمۃ بن نوفل، ازہر بن عبدِ عوف، حویطب بن عبد العزیٰ۔ سعید بن یربوع لو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

---

[1] الاحکام السلطانیۃ للماوردی ۱۵۴۔ و فتوح البلدان صفحہ ۴۶۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۔

مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی، آنحضرت کے عہد مین جو عمارت طیار ہوئی تھی وہ اُس عہد کے لئے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیون کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، سنہ ۱۷ھ مین حضرت عمر نے اُسکو وسیع کرنا چاہا۔ گرد وپیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لئے لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمر کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس کسی طرح راضی نہوتے تھے، آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ اُنھون نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہین۔ حضرت عباس نے فرمایا کہ "اب مین بلا قیمت عامہ مسلمین کے لئے دیدیتا ہون" غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر، باقی جس قدر عمارتین تھین ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز تھا اُنھون نے ۱۴۰ گز کر دیا اسی طرح عرض مین بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت مین کچھ تکلف نہین کیا گیا آنحضرت کے عہد مین جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے۔ اب بھی لکڑی کے رہے، حضرت عمر نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ مین ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگون سے کہا کہ جسکو بات چیت کرنی، یا شعر پڑھنا ہو اُسکے لئے یہ جگہ ہے[1]۔

مسجد مین فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمر سے پہلے مسجد مین روشنی کا کچھ سامان نہین تھا، اسکی ابتدا بھی حضرت عمر کے عہد مین ہوئی، یعنی اُنکی اجازت سے تمیم داری نے مسجد مین چراغ جلائے۔ حضرت عمر نے مسجد مین خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا، جسکی ابتدا یون ہوئی کہ ایک دفعہ

---

[1] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفے مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳۔

مال غنیمت مین عود کا ایک بنڈل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانون کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد مین صرف کیا جاے کہ تمام مسلمانون کے کام آئے چنانچہ موذن کو حوالہ کیا، وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی مین جلا کر نمازیون کے سامنے پھرتا تھا اور اُنکے کپڑے بساتا تھا[1]۔ فرش کا انتظام بھی اوّل حضرت عمرؓ ہی نے کیا لیکن یہ کوئی پُر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کے سادگی یہان بھی قایم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیون کے کپڑے گرد و خاک مین نہ آلودہ ہون۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق، بڑے بڑے انتظامی صیغون کا حال، اوپر گذر چکا، لیکن اُنکے علاوہ، اور بہت سے جزئیات ہین جنکے لئے جدا جدا عنوان نہین قائم کیے جاسکتے اس لئے اُنکو یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا۔

انمین سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب، اور اُسکی ضرورت سے سن اور سال کا قایم کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے اِن چیزون کا وجود نہ تھا، عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت مین بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے، مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام الفیل قایم ہوا یعنی جس سال ابرہتہ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اُسکے بعد اور مختلف سن قایم ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سن قایم کیا جو آج تک جاری ہے۔

---

[1] خلاصة الوفا صفحہ ۱۴۴۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اسکی ابتدا یون ہوئی کہ ۱۶ھ مین حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی جسپر صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ۔ اسی وقت مجلس شورے منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثرون نے راے دی کہ فارسیون کی تقلید کی جاے۔ چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لاکر مدینہ منورہ مین مقیم تھا طلب کیا گیا، اُسنے کہا کہ ہمارے ہان جو حساب ہے اُسکو ماہ روز کہتے ہین اور اسمین مہینہ اور تاریخ دونون کا ذکر ہو[illegible]، اسکے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ [illegible] کب سے قرار دی جاے، [illegible] علیؓ نے ہجرت نبوی کی راے دی، اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول مین ہجرت فرمائی تھی یعنی سال مین دو مہینے آٹھ دن گذر چکے تھے، اس لحا[illegible] سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ عرب مین سال، محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قایم کیا[1]۔

حساب کتاب

عرب مین اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا، چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلہ مین ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے، [illegible] عموماً لوگ [illegible] بہرہ تھے، یہان تک کہ جب ۱۴ھ مین اُبلّہ فتح ہوا تو تمام فوج مین ایک شخص [illegible] تھا جسکو حساب کتاب آتا ہو اور جو مالِ غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگون نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلے

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۴۔

مین اُسکی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی[1]۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصّل کاغذات اور نقشے طیار ہوئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پُرپیچ، روزینہ دارون کا حساب تھا جو اہلِ عطا کہلاتے تھے اور جنمین ہر قسم کی فوجین بھی شامل تھین، انکی تعداد لاکھون سے متجاوز تھی اور مختلف گروہون کو مختلف حیثیتون سے تنخواہ ملتی تھی، مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے، پچھلی کارگذاریون کے لحاظ سے، اِسکے ساتھ قبایل کی تفریق بھی ملحوظ تھی یعنی ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا، اور ان مین بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قایم رکھی جاتی تھی، اِس صیغے کے حساب وکتاب کی درستی کے لئے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے، قابل لوگون کو مامور کیا مثلاً دارالخلافہ مین عقیل بن ابی طالب، مخرمۃ بن نوفل، جبیر بن مطعم، کو، بصرہ مین مغیرۃ بن شعبہ کو، کوفہ مین عبد اللہ بن خلف کو۔

دفتر خراج

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، فارسی، شامی، قبطی زبان مین رہا کیونکہ عرب مین اِس فن کو اس قدر ترقی نہین ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان مین منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا، زکوٰۃ وصدقہ مین جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ انکے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے جانورون کا حلیہ، رنگ، اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت خود حضرت عمرؓ اپنے ہات سے لکھتے تھے[2]۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۳۸۸ - [2] طبری ۲۷۳۶ -

مصارفِ جنگ کے کاغذات

مصارفِ جنگ اور مالِ غنیمت کا حساب، ہمیشہ افسرون سے طلب کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرتِ خالد کی پہلی معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذاتِ حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہین قبول کرتے تھے[1]۔ جلولاء کی فتح مین جو سنہ ۱۶ھ مین واقع ہوئی تھی زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ مین آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا[2]۔

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اسکے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے، چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال، مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صفتون کے لحاظ سے بھی نقشے طیار کرائے گئے تھے، مثلاً سعد وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہین اُنکی فہرست طیار کی جاے۔ شاعرون کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اُسکا ذکر کسی اور موقع پر آئیگا۔

مفتوحہ ممالک کی قومون یا اور لوگون سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے۔ وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق مین رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام مین تہا تھا[3]۔

کاغذاتِ حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اُس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اُسکو لپیٹ کر رکھتے تھے، بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک مین مہاجنون کی بہیان ہوتی ہین۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ، خلیفہ سفاح کے زمانے مین اُسکے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ تذکرہ خالد بن الولید۔ [2] طبری صفحہ ۲۴۶۵۔ [3] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۲۹۵۔

سِکّہ کی نسبت اگرچہ عام مورخون نے لکھا ہے کہ عرب مین سب سے پہلے جسنے سکّہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے، لیکن علامۂ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اِسکے موجد بھی عمر فاروق ہی ہین، چنانچہ اِس موقع پر ہم علامۂ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہین۔

"جب امیرالمومنین عمر خلیفہ ہوئے اور خدا نے انکے ہات پر مصر و شام و عراق فتح کیا، تو انھون نے سکہ کے معاملہ مین کچھ دخل نہین دیا، بلکہ پرانے سکّے جو جاری تھے بحال رہنے دئے۔ ۱۸ھ مین جب مختلف مقامات سے۔ سفارتین آئین تو بصرہ سے بھی سُفرا آئے جن مین احنف بن قیس بھی شامل تھے، احنف نے باشندگانِ بصرہ کی ضروریات اور حاجتین بیان کین، حضرت عمر نے انکی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا، جنھون نے بصرہ مین ایک نہر طیّار کرائی، جسکا نام نہر معقل ہے، اور جسکی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اِذَا جَآءَ نَھرُ اللہ بَطَلَ نَھرُ مَعْقَلِ، حضرت عمر نے اِسی زمانے مین یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلّہ اور دو درہم ماہوار مقرّر کئے۔ اُسی زمانے مین حضرت عمر نے نئے سکّہ کے درہم جاری کئے، جو نوشیروانی سِکّہ کے مشابہ تھے، البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر کے سکّون پر اَلحمدُ لِلّٰہ اور بعض سِکّون پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ اور بعض پر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لکھا ہوتا تھا، حضرت عمر کے اخیر زمانے مین دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا[1]۔

---

[1] دیکھو کتاب النقود الاسلامیۃ للمقریزی مطبوعہ مطبع جوائب ۱۲۹۸ھ صفحہ ۴ و ۵۔

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکّہ مین ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیۃ مین لکھا کہ ایران مین تین قسم کے درہم تھے، بغلی آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا۔ مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہین اس لیئے دونون کو ملا کر انکا نصف، اسلامی درہم قرار دیا جائے، چنانچہ اسلامی درہم چھہ دانگ کا قرار پایا[1]۔

ذمّی[2] رعایا کے حقوق

پارسیون اور عیسائیون کا برتاؤ غیر قومون کے ساتھ

حضرت عمرؓ نے ذمّی رعایا کو جو حقوق دئے، اُسکا مقابلہ اگر اُس زمانے کی اور سلطنتون سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ مین جو سلطنتین تھین وہ روم اور فارس تھین، ان دونون سلطنتون مین غیر قومون کے حقوق، غلامون سے بھی بدتر تھے، شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیون کے ہم مذہب تھے۔ تاہم اُنکو اپنی مقبوضہ زمینون پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہین تھا، بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کیئے جاتے تھے، چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے، اور مالکِ سابق کو اُن پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابضِ حال کو حاصل ہو جاتے تھے، یہودیون کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے اُن پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا، کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے، اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس مین جو عیسائی تھے اُنکی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

---

[1] الاحکام السلطانیۃ للماوردی صفحہ ۱۴۷۔ [2] ذمّی سے وہ قومین مراد ہین جو مسلمان نہ تھین لیکن ممالک اسلام مین سکونت رکھتی تھین ۱۲

حضرت عمرؓ نے جب اِن ممالک کو زیرنگین کیا تو دفعتہً وہ حالت بدل گئی، جو حقوق اُنکو دئے گئے اُسکے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہین رہے، بلکہ اِس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والون مین ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم اُنکو اِس مقام پر بعینہٖ نقل کرتے ہین، جس سے اِس دعوے کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اِس بات کے موازنہ کا موقع ملیگا کہ یورپ نے باایںہمہ دعویِ تہذیب، اِس قسم کے حقوق کبھی غیرقوم کو کہین دئے ہین؟۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تاریخون مین جو مُعاہدے منقول ہین اُنمین بعض مُفصّل اور باقی مجمل ہین، کیونکہ مفصّل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویلِ مُمِل کا باعث تھا اس لئے اکثر مُعاہدون مین کسی مفصّل معاہدے کا حوالہ دیدیا گیا ہے، بیت المقدس کا مُعاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی مین اور اُنکے الفاظ مین لکھا گیا حسبِ ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هَذا مَا اَعطیٰ عبدُ اللہِ عُمَرُ امیرُ المؤمنینَ اَهلَ اِیلیا من الامَان اَعطاهُم اَمانًا لِانفسِهم وَاَموالِهِم ولِکنائسِهم وَصُلبانِهم وَسَقیمِهَا وَبَریِّها وسایرِ مِلّتِها انّہ لا یُسکَنُ کنائسُهُم وَلا تُهدَم وَلا یُنتَقَص منها وَلا من خیرِها وَلا مِن صُلُبِهِم و لا مِن شیءٍ مِن اَموالِهِم وَلا یُکرَهون علیٰ دِینِهِم	یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیرالمومنین عمر نے ایلیا کے لوگون کو دی، یہ امان اُنکی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور اُنکے تمام مذہب والون کے لیے ہے، اِسطرح پر کہ اُنکے گرجاؤن مین نہ سکونت کیجائیگی، نہ وہ ڈھائے جائینگے، نہ اُنکو یا اُنکے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ اُن کی صلیبون اور اُن کے مال مین کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے مین اُن پر

ولا يضارّ احدٌ منهم ولا يسكن بايلياء معهم احدٌ من اليهود۔ وعلى اهل ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المداين و عليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوت فمن خرج منهم فهو امنٌ على نفسه وماله حتى يبلغوا مامنهم ومن اقام منهم فهو امنٌ و عليه مثل اهل ايلياء من الجزية ومن احب من اهل ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم و يخلّى بيعهم وصلبهم فانهم امنون على انفسهم وعلى بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا مامنهم وعلى ما فى هذا الكتاب عهد الله وذمة رسوله و ذمة الخلفاء وذمة المؤمنين اذا اعطوا الذى عليهم من الجزية شهد على ذلك خالد بن الوليد وعمرو بن العاص وعبد الرحمن بن عوف ومعاوية بن ابى سفيان وكتب وحضر سنة ١٥[1]

جبر نہ کیا جائیگا نہ اُنمین سے کسی کو نقصان پہنچایا جائیگا، ایلیاء مین اُنکے ساتھ یہودی نہ رہنے پائینگے، ایلیاء والون پر یہ فرض ہے کہ اور شہرون کی طرح جزیہ دین اور یونانیون کو نکالدین ان یونانیون مین سے جو شہر سے نکلیگا اُسکی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ مین پہنچ جائے - اور جو ایلیا ہی مین رہنا اختیار کرے تو اُسکو بھی امن ہے اور اُسکو جزیہ دینا ہوگا - اور ایلیاء والون مین سے جو شخص اپنی جان اور مال لیکر یونانیون کے ساتھ چلا جانا چاہے تو اُن کو اور اُنکے گرجاؤن کو اور صلیبون کو امن ہے یہان تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائین - اور جو کچھ اس تحریر مین ہے اسپر خدا کا، رسولِ خدا کا، خلفا کا، مسلمانون کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیۂ مقررہ ادا کرتے رہین -

اس تحریر پر گواہ ہین خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور عبد الرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اور سنہ ۱۵ھ مین لکھا گیا -

اس فرمان مین صاف تصریح ہے کہ عیسائیون کے جان، مال، اور مذہب، ہر طرح سے

---

[1] دیکھو تاریخ ابو جعفر جریر طبری، فتح بیت المقدس، -

محفوظ رہیگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہین انہی تین چیزون سے تعلق رکھتے ہین۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑی جائینگے۔ نہ انکی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائیگا، نہ اُنکے احاطون مین دست اندازی کی جائیگی، مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لَا یُکْرَھُوْنَ عَلٰی دِیْنِھِمْ۔ عیسائیون کے خیال مین چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیون نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس مین پیش آیا تھا اِسلیئے انکی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس مین نہ رہنے پائین گے **یونانی**۔ باوجود اسکے کہ مسلمانون سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانون کے اصلی عدو تھے، تاہم اُنکے لئے یہ رعایتین ملحوظ رکھین، کہ بیت المقدس مین رہنا چاہین تو رہ سکتے ہین، اور نکل جانا چاہین تو نکل جا سکتے ہین، دونون حالتون مین اُنکو امن حاصل ہوگا اور اُنکے گرجاؤن اور معبدون سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا، سب سے بڑھکر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہین کہ وطن سے نکلکر رومیون سے جا ملین تو اسپر بھی اُن سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا بلکہ اُنکے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس مین ہین سب محفوظ رہینگے"۔ کیا کوئی قوم، مفتوح ملک کے ساتھ اِس سے بڑھکر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟۔

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمّیون کی جان و مال کو، مسلمانون کی جان و مال کے برابر قرار دیا، کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ، فوراً اُسکے بدلے، مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے، امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلۂ بکر بن وایل کے ایک شخص نے حیرۃ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثون کو دیدیا جائے

چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جسکا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اسنے اُسکو قتل کر ڈالا[1]۔ مال اور جائداد کے متعلق اُنکے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھکر کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جس قدر زمینین اُنکے قبضے مین تھین اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئین جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُنکے قبضے مین تھین، یہان تک کہ مسلمانون کو اُن زمینون کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصلِ ملکی کے بیان مین لکھ آئے ہین۔

بندوبست مالگذاری مین ذمیون کا خیال

مالگذاری جو مشخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی اسپر بھی حضرت عمر کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہین ان پر سختی تو نہین کی گئی چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو ۱۰ شخص کوفہ اور ۱۰ شخص بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر، اُن سے چار دفعہ تباکید قسم لیتے تھے کہ مالگذاری کے وصول کرنے مین کچھ سختی تو نہین کی گئی ہے[2]۔ وفات سے دُو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسرانِ بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہین مقرر کی گئی[3]۔

ذمیون سے ملکی انتظامات مین مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ انتظاماتِ ملکی مین اُنکو حصہ دیا جاے، حضرت عمر ہمیشہ اُن انتظامات مین جنکا تعلق ذمیون سے ہوتا تھا ذمیون کے مشورہ اور استصواب کے بغیر کام نہین کرتے تھے۔ عراق کا بندوبست جب پیش تھا تو عجمی رئیسونکو

---

[1] الدرایۃ فی تخریج الہدایۃ مطبوعہ دہلی، صفحہ ۳۶۰۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶ [3] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ مین ہے قال شہدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث او اربع واقفا علی حذیفۃ بن الیمان وعثمان بن حنیف وھو یقول لھما لعلکما حملتما الارض ما لا تطیق ۱۲

مدینہ مین بُلا کر مالگذاری کی حالات دریافت کئے، مصر مین جو انتظام کیا اُسمین مقوقس سے اکثر رائے لی[۱]۔

جان و مال و جائداد کے متعلق جو حقوق ذمّیون کو دئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اُنکی پابندی کی جاتی تھی، شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اُسکی زراعت کو پامال کر دیا، حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ۱۰ ہزار درہم اُسکو معاوضہ مین دلوائے[۲]۔ اضلاع کے حکّام کو تاکیدی فرمان بھیجتے تھے کہ ذمّیون پر کسی طرح کی زیادتی نہونے پائے، خود بالمشافہ لوگون کو اِسکی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ مین روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیون کو دیکھا کہ دھوپ مین کھڑے ہین اور اُنکے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے، لوگون سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ اِن لوگون نے جزیہ نہین ادا کیا ہے اِس لئے اُنکو سزا دیجاتی ہے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر اُنکا عذر کیا ہے؟ لوگون نے کہا کہ "ناداری" فرمایا کہ "چھوڑ دو اور اِنکو تکلیف نہ دو۔ مین نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ لَا تُعَذِّبُوا النَّاسَ فَاِنَّ الَّذِیْنَ یُعَذِّبُوْنَ النَّاسَ فِی الدُّنْیَا یُعَذِّبُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ لوگون کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا مین لوگون کو عذاب پہنچاتے ہین خدا قیامت مین اُن کو عذاب پہنچائیگا"۔

ذمّیون کی شرائط کا ایفا

حضرت ابو عبیدہ کو شام کے فتح کے بعد جو فرمان لکھا اُس مین یہ الفاظ تھے۔

---

[۱] مقریزی جلد اول صفحہ ۴۷۔ [۲] کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔

وامنع المسلمین من ظلمهم ولاضرار بهم و اکل اموالهم الا بحلها ووفِّ لهم بشرطهم الذی شرطت لهم فی جمیع ما اعطیتهم[1]	مسلمانونکو منع کرنا کہ ذمیون پر ظلم نکرنے پائین نہ اُنکو نقصان پہنچانے پائین نہ اُنکا مال بیوجہ کھانے پائین۔ اور جس قدر شرطین تم نے اُنسے کی ہین سب وفا کرو۔

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب، خلیفہ ہونے والے شخص کے لئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی، اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ، اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے اُسکا اخیر فقرہ یہ ہے۔

واوصیه بذمة الله و ذمة رسوله ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم وان لا یکلفوا فوق طاقتهم[2]	یعنی مین اُن لوگونکے حق مین وصیت کرتا ہون جنکو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ اُنسے جو عہد ہے وہ پورا کیا جاے اور اُنکی حمایت مین لڑا جائے اور اُنکو اُنکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجاے،،۔

اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ مرتے وقت بھی ذمیون کو نہ بھولے،۔

غرفہ ایک صحابی تھے۔ اُنکے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلعم کو گالی دی، غرفہ نے اُسکے مُنھ پر تھپڑ کھینچ مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جاکر شکایت کی، اُنھون نے غرفہ کو بُلا بھیجا اور بازپرس کی، غرفہ نے واقعہ بیان کیا، عمرو بن العاص نے کہا ،،ذمیون سے امن کا معاہدہ ہوچکا ہے،، غرفہ نے کہا ،، نعوذ باللہ اُنکو یہ اجازت ہرگز نہین دی گئی ہے کہ رسول اللہؐ کو علانیہ گالیان دین۔ اُن سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤن مین جو کچھ چاہین کرین، اور اگر اُن پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم اُنکی طرف سے سینہ سپر ہوکر لڑین، اور

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔ [2] صحیح بخاری صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ میرٹھ۔

اُن پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جسکے وہ متحمل نہون، عمرو بن العاص نے کہا ہان یہ سچ ہے[1]۔ اِس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیون کے حفظِ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا تھا۔

مذہبی امور مین آزادی

مذہبی امور مین ذمیون کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسومِ مذہبی ادا کرتے تھے، علانیہ ناقوس بجاتے تھے، صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے، انکے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے، مصر مین اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رومیون کے ڈر سے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرا، عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سنہ ۲۰ھ مین اسکو تحریری امان لکھکر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اُسکو نصیب ہوئی، چنانچہ علامۂ مقریزی نے اپنی کتاب (صفحہ ۴۹۲ جلد اول) مین اِس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ اور معاہدات مین اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا، چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اِس موقع پر نقل کرتے ہین۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والون کو جو تحریر لکھی تھی اُسمین یہ الفاظ تھے۔

لا يغيرون عن ملة ولا يحال بينهم وبين شرائعهم[2]	انکا مذہب بدلا جائیگا، اور اُنکے مذہبی امور مین کچھ دست اندازی نکیجائیگی۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لهم الامان على انفسهم واموالهم ومللهم وشرائعهم ولا يغير شيء من ذلك[3]	انکے جان اور مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اسمین سے کسی شے مین تغیر نہ کیا جائیگا۔

آذربائیجان کے معاہدہ مین یہ تصریح تھی۔

---

[1] اسد الغابۃ تذکرہ عرفہ۔ [2] طبری صفحہ ۲۶۳۳۔ [3] طبری صفحہ ۲۶۵۸۔

الامان علی انفسھم واموالھم وملتھم وشرایعھم[1]	جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔
موقان کے معاہدہ مین یہ الفاظ تھے۔	
الامان علی اموالھم وانفسھم وملتھم وشرایعھم	جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے انکا یہ فرض تھا، لیکن وہین تک جہان تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا، ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کردیا کرتے تھے، کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہین کیا جاسکتا۔ استق انکا ایک عیسائی غلام تھا، اُسکو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اُسنے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین۔ یعنی مذہب مین زبردستی نہین ہے[2]۔

مسلمانون اور ذمیون کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیون اور مسلمانون مین کوئی تمیز نہین رکھی تھی، کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بیدریغ اُسکے قصاص مین قتل کردیا جاتا تھا، مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے، ذمیون سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہین لیا جاتا تھا۔ اِسکے مقابلے مین مسلمانون سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جسکی مقدار دونون سے زیادہ تھی، اِسکے سوا عشور، مسلمانون سے بھی وصول کیا جاتا البتہ اُسکی شرح بمقابلہ ذمیون کے کم تھی، بیت المال سے والنٹیرون کو گھر بیٹھے جو تنخواہین ملتی تھین ذمی بھی اُسمین برابر کے شریک تھے، سب سے بڑھکر یہ اور درحقیقت صرف اِسی ایک مثال سے اِس بحث کا فیصلہ

---

[1] طبری ۲۶۶۲ ۔ [2] کنز العمال بحوالۂ طبقات ابن سعد ۔ جلد پنجم صفحہ ۴۹ ۔

ہوسکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج اور ضعیف ہوجاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش نہین پیدا کرسکتا تھا بیت المال سے اُسکا وظیفہ مقرر ہوجاتا تھا۔ اِسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیون کے ساتھ بھی مرعی تھی۔ اوّل اوّل یہ قاعدہ حضرت ابوبکر کے عہد مین مقرر ہوا چنانچہ خالد بن الولید نے حیرۃ کی فتح مین جو معاہدہ لکھا اسمین یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابه آفة من الآفات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام فان خرجوا الى غير دار الهجرة ودار الاسلام فليس على المسلمين النفقة على عيالهم[1]

اور مین نے اُنکو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہوجائے، یا اُسپر کوئی آفت آئے، یا پہلے دولتمند تھا پھر غریب ہوگیا، اور اِس وجہ سے اُسکے ہم مذہب اُسکو خیرات دینے لگے۔ تو اُسکا جزیہ موقوف کردیا جائیگا اور اُسکو اور اُسکی اولاد کو مسلمانون کے بیت المال سے نفقہ دیا جائیگا جبتک وہ مسلمانون کے ملک مین رہے۔ لیکن اگر وہ غیر ملک مین چلا جاے تو مسلمانون پر اُسکا نفقہ واجب نہوگا۔

یہ قاعدہ حضرت عمر کے عہد مین بھی قایم رہا بلکہ حضرت عمر نے اُسکو قرآن مجید کی آیت سے مستند کردیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (صدقہ اور خیرات، فقیرون اور مسکینون کے لئے ہے) اسمین فقرا کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہین۔ اسی واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۵۔

بھیک کیون مانگتا ہے؟ اُسنے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، اور مجھکو ادا کرنے کا مقدور نہین، حضرت عمرؓ اُسکو ساتھ گھر پر لِوا لائے اور کچھ نقد دیکر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اِس قسم کے معذورون کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کردیا جائے، اِسی واقعہ مین آیت مذکورۂ بالا کا حوالہ دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ "واللہ یہ انصاف کی بات نہین کہ اِن لوگون کی جوانی سے ہم متمتع ہون اور بڑھاپے مین اُن کو نکال دین[1]"۔

ذمیون کی عزت کا خیال

ذمیون کی عزت وآبرو کا اُسی قدر استحفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت وناموس کا۔ انکے نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد وتقدس وترکِ دنیا مین تمام عہدہ دارانِ خلافت مین کوئی انکا ہمسر نہ تھا، ایک دفعہ انکے مُنھ سے ایک ذمی کی شان مین یہ لفظ نکل گیا اخزاک اللہ یعنی خدا تجھکو رسوا کرے۔ اِسپر اُنکو اِس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر نوکری سے استعفا دیدیا، اور کہا کہ اِس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی[2]۔

سازش اور بغاوت کی حالت مین ذمیون کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھکر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیون نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی اُنکے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آجکل جن حکومتون کو تہذیب وترقی کا دعوےٰ ہے رعایا کے ساتھ اُنکی تمام عنایت اُسی وقت تک ہے جب تک اُنکی طرف سے کوئی پولیٹیکل شبہہ نہ پیدا ہو، ورنہ دفعتہً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدلجاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پُرغیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومین بھی اُس سے کچھ زیادہ نہین کرسکتین،

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۲۔ [2] دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۳۔

برخلاف اسکے حضرت عمرؓ کا قدم کسی حالت مین جادۂ انصاف سے ذرا نہین ہٹا، شام کے آخری سرحد پر ایک شہر تھا جسکا نام عربسوس تھا اور جسکی دوسری سرحد ایشیاے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہوگیا، لیکن یہان کے لوگ درپردہ رومیون سے سازش رکھتے تھے اور اِدھر کی خبرین اُنکو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعد وہان کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے اُنکی اس کمینہ خصلت کا جو انتقام لیا، وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ جس قدر اُنکی جائداد۔ زمین، مویشی، اور اسباب ہے سب شمار کرکے ایک ایک چیز کی دوچند قیمت دیدو، اور اُن سے کہو کہ اور کہین چلے جائین، اگر اِسپر راضی نہون تو اُنکو ایک برس کی مہلت دو، اور اسکے بعد جلاوطن کردو، چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی[1]۔ کیا آج کل کوئی قوم اس درگذر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟۔

ذمیون کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اُسکا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیون نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتون کے مقابلے مین مسلمانون کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانون کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکرگاہ مین مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پُل طیار کراتے تھے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔ یعنی دشمنون کے ہر قسم کے راز مسلمانون سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن اُنھی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیون کو مسلمانون کے حُسنِ سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہوگیا تھا اُسکا اندازہ

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۰۔

اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیون نے توریت ہات مین لیکر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہین کبھی رومی یہان نہ آنے پائینگے،، عیسائیون نے نہایت حسرت سے کہا کہ ،، خدا کی قسم تم رومیون کے بہ نسبت کہین بڑھکر ہمکو محبوب ہو،،

اخیر مین ہمکو اُن واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضرور ہے جنکی وجہ سے لوگون کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے بلکہ خود اسلام نے ذمیون کے ساتھ نا انصافانہ سلوک کیئے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اِس مسئلے کو مخالف اِس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمّیون کے حق مین یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ مین کسی طرح مسلمانون کا تشبُّہ نہ کرنے پائین، کمر مین زنّار باندھین، لمبی ٹوپیان پہنین، گھوڑون پر کاٹھی کسین، نئی عبادتگاہین نہ بناہین، شراب اور سور نہ بیچین، ناقوس نہ بجائین، صلیب نہ نکالین، بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائین، اِن سب باتون پر یہ مستزاد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی مین ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سیکڑون برس سے عرب مین آباد تھے، جلاوطن کر دئیے۔

بے شبہ، یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہین، اور ہم اُنکے جواب دینے مین کسی قدر تفصیل سے کام لین گے، کیونکہ ایک زمانۂ ممتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دئیے ہین۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانون کو غیر قومون کی مشابہت اور غیر قومون کو مسلمانون کی مشابہت سے روکتے تھے، لیکن اِس سے فقط قومی خصوصیتون کو قائم رکھنا مقصود تھا، لباس کی بحث مین تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمّیون کو جس

لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی، آیا وہی ذمیون کا قدیم لباس تھا۔ یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا۔ جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے، کہ جس لباس کا یہان ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا، حضرت عمرؓ کا معاہدہ جسکو کنز العمال وغیرہ مین نقل کیا ہے اگرچہ راویون نے اسکو بہت کچھ کم وبیش کر دیا ہے تاہم جہان ذمیون کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلان فلان لباس نہ پہنین گے وہان یہ الفاظ بھی ہین وآن نلزم زیّنا حیث ما کنا یعنی ہم وہی لباس پہنین گے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے" اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زنّار جسکا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان مین ہے اُسکی نسبت ہمارے فقہا نے اکثر غلطیان کی ہین، اُنکا خیال ہے کہ وہ انگل برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا اور اِس سے ذمیون کی تحقیر مقصود تھی، لیکن یہ سخت غلطی ہے زنّار کے معنی پیٹی کے ہین اور عرب مین یہ لفظ آج کل بھی اِسی معنی مین مستعمل ہے، پیٹی کو عربی مین منطقہ بھی کہتے ہین اور اِس لحاظ سے زنّار اور منطقہ مرادف الفاظ ہین، اِن دونون الفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے، کنز العمال[2] مین بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے، کہ حضرت عمرؓ نے سردارانِ فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا وتلزموهم المناطق يعني الزنانير اِسی زنّار کو کستیج بھی کہتے تھے چنانچہ جامع صغیر وغیرہ مین بجاے زنّار کے کستیج ہی لکھا ہے، اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہرحال اہلِ عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ[3] والاشراف مین لکھا ہے، کہ عجم

---

[1] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۰۲ - [2] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰ - [3] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۷ -

کی اِس قدیم عادت کی وجہ مین نے کتاب مروج الذہب مین لکھی ہے"۔ ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ یہ لباس ذمیون کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا، لمبی ٹوپیان جو نرسل کی ہوتی تھین، وہی عجم کی ٹوپیان تھین، جسکا نمونہ پارسیون کے سرون پر آج بھی موجود ہے، اِس درباری لباس مین پیٹی بھی داخل تھی، اور یہ وہی زنار، یا منطقہ، یا کستیج، ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی، منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے، کہ عجم کی تقلید تھی، اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس، حضرت عمرؓ نے ذمیون کے لئے قرار دیا تھا، وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور اُنکی تحقیر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اُسکو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دیسکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیون کو نئی عبادتگاہین بنانے، شراب بیچنے، صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے، اِصطباغ دینے سے، روکنا بے شبہہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن مین بیباکانہ اِس راز کی پردہ دری کرتا ہون، کہ یہ احکام جن قیدون کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے۔ لیکن زمانۂ مابعد کے مورخون نے اُن قیدون کا ذکر چھوڑ دیا، اور اِس وجہ سے تمام دنیا مین ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے مین جو الفاظ تھے اُسمین یہ قید تھی ولا یرفعوا فی نادی اہل الاسلام صُلُبا یعنی مسلمانون کی مجلس مین صلیب نہ نکالین،۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربُوا نواقیسھم فی ایِّ ساعۃٍ شاؤا من لیل

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔

اوَنہاراً الّا فِی اوقاتِ الصّلوٰۃ[1] یعنی ذمّی رات دن مین جس وقت چاہین، ناقوس بجائین بجز نماز کے اوقات کے "سور کی نسبت یہ الفاظ تھے وَلَا یُخرجُوا خنزیرًا من منازلِہِم الیٰ اَفنِیَۃِ المُسلمِین - یعنی ذمّی - سوّر کو مسلمانون کے احاطہ مین نہ لیجائین -

اِن تصریحات کے بعد - کسکو شبہہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا - یا ناقوس بجانا، عموماً منع نہ تھا بلکہ خاص حالات مین ممانعت تھی، اور اِن خاص حالات مین آج بھی ایسی ممانعت خلافِ انصاف نہین کہی جا سکتی - سب سے زیادہ قابلِ لحاظ امر بنی تغلب عیسائیون کے اولاد کا اصطباغ نہ دینا ہے، عیسائیون مین دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطباغ دیدیتے ہین، اور یہ گویا اِس بات کی حفاظت ہے کہ آیندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نکرنے پائے بعینہ اِس طرح جس طرح ہم مسلمانون مین بچوّن کا ختنہ کیا جاتا ہے، بے شبہہ حضرت عمرؓ کو عام طور پر اِس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا، لیکن اُس زمانے مین ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا، یعنی یہ کہ اگر کسی عیسائی خاندان مین سے کوئی شخص مسلمان ہوجائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے، تو اُسکی اولاد کِس مذہب کے موافق پرورش پائیگی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا اُنکے خاندان والون کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہین یہ حق حاصل ہوگا کہ اسکو اصطباغ دیکر عیسائی بنالین - حضرت عمرؓ نے اِس صورتِ خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اُسکو اصطباغ نہ دین اور عیسائی نہ بنائین، اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے - کیونکہ جب اسکا باپ مسلمان ہوگیا تھا تو اُسکی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائیگی - علاّمہ طبری نے

اصطباغ نہ دینا

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۶ -

جہان بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائطِ صلح مین یہ الفاظ نقل کئے ہین علی ان لا ینصّروا ولیدًا ممن اسلم اٰباءھم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہوگا کہ جنکے باپ مسلمان ہو چکے اُنکی اولاد کو عیسائی بنا سکین[1]۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہین[2] ان لا ینصّروا اولادھم اذا اسلم اٰباءھم

یہان شاید یہ اعتراض ہو، کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کرکے معاہدہ کو کیون سخت کیا۔ لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب مین بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، اِس لئے اُنکی خاص حالت کے لحاظ سے اُس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ علامہ طبری[3] نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب مین سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انھی نے معاہدہ کے یہ شرائط پیش کئے تھے۔

اب ہر شخص انصاف کرسکتا ہے کہ امنِ عام مین خلل نہ واقع ہونیکے لئے، عیسائیون کو اگر یہ حکم دیا جاے کہ وہ مسلمانون کی مجلسون مین صلیب اور سُور نہ لائین، خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائین، نومسلم عیسائیون کی اولاد کو اصطباغ نہ دین، تو کیا کوئی شخص اِسکو تعصب مذہبی سے تعبیر کرسکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے، کہ ہمارے پچھلے مؤرخون نے اِن احکام کی قیدون اور خصوصیتون کو اُڑا دیا۔ بلکہ قدما مین بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے، روایت مین اِن خصوصیتون کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیان اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھین، لیکن چونکہ ظاہر مین خفیف تھین ابن الاثیر وغیرہ نے اِسکا کچھ خیال نہین کیا، رفتہ رفتہ یہ غلطیان اِس قدر پھیل گئین کہ عربی زبان سرتاپا اِس سے معمور ہوگئی۔ فقہا چونکہ تاریخ سے

---

[1] طبری ۲۴۸۲۔ [2] طبری ۲۵۱۰۔ [3] طبری صفحہ ۲۵۰۹۔

بہت کم واقفیت رکھتے تھے انھون نے بے تکلف انہی غلط روایتون کو قبول کرلیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کرلئے۔

عیسائیون کے جلاوطن کرنیکا معاملہ

عیسائیون اور یہودیون کے جلاوطن کرنے کا معاملہ۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے مین مسلمانون کی طرف سے صاف نہین ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا تو ان سے کہدیا گیا تھا کہ جس وقت مناسب ہوگا تم کو یہان سے نکال دیا جائیگا، حضرت عمر کے زمانے مین انکی شرارتین زیادہ ظاہر ہوئین۔ عبد اللہ بن عمر کو ایک دفعہ بالاخانے سے دھکیل دیا جس سے انکے ہات مین زخم آیا، مجبوراً حضرت عمر نے عام مجمع مین کھڑے ہوکر انکی شرارتین بیان کین اور پھر انکو عرب سے نکال دیا[1]۔ چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط مین یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اسکی اطراف مین رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہین کیا گیا تھا، لیکن اُنھون نے چپکے چپکے جنگی طیاریان شروع کین، اور بہت سے گھوڑے اور ہتیار مہیا کئے۔ حضرت عمر نے صرف اس ضرورت سے انکو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائین[2]۔

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتون سے قطعاً ثابت ہے، کہ عیسائی اور یہودی پولیٹکل ضرورتون کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہین ہوسکتا، البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت مین بھی کس قسم کی رعایت انکے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ انکی زمین اور باغون کی قیمت کا

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۵ و کتاب الخراج ۲۹۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۴۲۔

تخمینہ کرے، چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت عمر نے انکو بیت المال سے دلوادی[1]۔ اسی طرح حجاز کے یہودیون کو بھی، انکی زمین کی قیمت دلوائی[2]۔

نجران کے عیسائیون کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق مین آباد کیا، تو انکے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتین کین، انکو امن کا جو پروانہ دیا، اس مین یہ شرطین لکھین۔

[1] عراق یا شام، جہان یہ لوگ جائین، وہان کے افسر انکی آبادی اور زراعت کے لئے انکو زمین دین۔ [2] جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لیجائین وہ انکی مدد کرے۔ [3] ۲۴ مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین اس معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے[3]۔

ایک ایسی قوم، جسکی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہون۔ اُسکے ساتھ اس سے بڑھکر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہجاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تین زبانون (اُردو۔ انگریزی، عربی) مین چھپکر شایع ہوچکا ہے تاہم مختصر طور پر یہان بھی لکھنا ضرور ہے۔

جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروع اسلام ہی مین ظاہر کردیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے، لیکن حضرت عمر کے عہد مین یہ مسئلہ ایسا صاف ہوگیا کہ احتمال کی بھی گنجایش

---

[1] فتوح صفحہ ۶۹ - [2] فتوح صفحہ ۲۹ - [3] کتاب مذکور صفحہ ۴۱ -

نہین رہی، اولاً تو اُنھون نے نوشیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحین قائم کین، اور اِس طریقے سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہین بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے، اِسکے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور سے اِس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے، اِس کتاب کے پہلے حصے مین تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پُرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجین شام کے مغربی حصون سے ہٹ آئین اور انکو یقین ہوگیا کہ جن شہرون سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص، دمشق، وغیرہ وہان کے باشندون کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہین اُٹھا سکتے، تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی، سب واپس کردی، اور صاف کہدیا کہ اِس وقت ہم تمھارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہین ہو سکتے، اِس لئے جزیہ لینے کا بھی ہمکو کوئی حق نہین ہے، اِس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگون سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی اُن کو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کردیا، حضرت عمرؓ نے خود سنہ ۱ھ مین عراق کے افسرون کو لکھ بھیجا کہ

یستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورۃ و یرفعوا عنھم الجزاء[1]	یعنی فوجی سوارون مین سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اُس سے مدد لو اور اُنکا جزیہ چھوڑ دو،،

یہان تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانون کے ساتھ شرکت کی تو اُس سال کا جزیہ اسکے لئے معاف کردیا گیا۔ سنہ ۲۲ھ مین جب آذربایجان فتح ہوا تو اہلِ شہر کو یہ فرمان لکھدیا گیا۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۹۷، [2] طبری صفحہ ۲۳۶۔

ومن حشر منهم في سنة وضع عنه جزاء تلك السنة۔	یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دینگے اُس سال کا جزیہ اُن سے نہین لیا جائیگا"۔

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اُسمین یہ الفاظ تھے۔

وعلی اهل آرمينية ان ينفروا لكل غارة وينفذوا لكل امر ناب او لم ينب رآه الوالي صلاحاً على ان توضع الجزاء[1]

اسی سنہ مین جرجان فتح ہوا اور فرمان مین یہ عبارت لکھی گئی۔

انّ لكم الذمة وعلينا المنعة على ان عليكم من الجزاء في كل سنة على قدر طاقتكم ومن استعنا به منكم فله جزاءه في معونته عوضاً عن جزائه[2]	یعنی ہم پر تمھاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر ہم تم سے اعانت لین گے تو اس اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہو جائے گا"۔

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال سے، معاہدون سے، طرز عمل سے، روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا تھا کہ جزیہ کا موضوع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

جزیہ کا مصرف، فوجی مصارف پر محدود تھا، یعنی اُس رقم سے صرف اہل فوج کے لئے خوراک، لباس، اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھین، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہان جہان جزیہ مقرر کیا اوسکے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا، مصر مین فی کس جزیہ کی تعداد در اصل چار دینار تھی لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہون، روغن زیتون، شہد، سرکہ، لیا جاتا تھا

---

[1] طبری صفحہ ۲۶۶۵ - [2] طبری ۲۶۶۵-

اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقدی کر دی گئی اور دو دو دینار کے بجاے چار چار دینار لئے جانے لگے[1]۔

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہین کیا، اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے، تو نہین کر سکتے تھے۔ لیکن اسمین شبہہ نہین کہ اُنھون نے مختلف طریقون سے اسکے رواج کو کم کر دیا، اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہین، بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب مین تو انھون نے سرے سے اُسکا استیصال کر دیا اور اسمین اُنکو اس قدر اہتمام تھا کہ عنانِ خلافت ہات مین لینے کے ساتھ، پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے مین قبائل مرتدہ مین سے جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اسکے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہلِ عرب کبھی کسی کے غلام نہین ہو سکتے، انکا قول ہے کہ لا یسترق عربی یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہین ہو سکتا[2]۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فن نے اُنکے اس اصول کو تسلیم نہین کیا، امام احمد حنبل کا قول ہے کہ لا اذھب الی قولِ عمرؓ لیس علی عربی ملک[3] یعنی مین عمرؓ کی یہ راے نہین مانتا کہ اہل عرب غلام نہین ہو سکتے، یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنیکا نہین یہان صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔

عرب کا غلام نہ ہوسکنا

غیر قومون کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہین قائم کر سکے، جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔ [2] کنز العمال مین امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۳۱۲ جلد دوم۔ [3] منتقی الاخبار لابن تیمیہ۔

اہلِ فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا اُنکی غلامی مین دیدیجائے۔ ملک کی تقسیم مین تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، حضرت عمر نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگون کی زبان بند کی۔ لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا، اس لئے وہ تمام اہلِ فوج کے خلاف نہین کر سکتے تھے تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا، جس قدر ممالک اُنکے زمانے مین فتح ہوے اُسکی وسعت کئی ہزار میل تھی جسمین کرورون آدمی بستے تھے۔ لیکن غلامی کا جہان جہان پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے، اور وہان بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکۂ جنگ مین شریک تھے، عراق اور مصر مین جو بجاے خود مستقل ملکتین ہین باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہین بنایا گیا، یہان تک کہ جب مصر کے بعض دہات کے آدمی جو مسلمانون سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب مین بھیجدیئے گئے۔ تو حضرت عمر نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیجدیا کہ اُنکو غلام بنانا جائز نہ تھا، چنانچہ مورخ مقریزی نے اُن دہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے[1]۔

شام کے شہرون مین سے بصریٰ، فحل، طبریہ، دمشق، حمص، حماۃ، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہان عیسائی بڑے زور شور سے لڑے، غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام مین صرف قیساریہ ایک جگہ ہے، جہان اسیرانِ جنگ غلام بنائے گئے، فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ، وغیرہ مین خود معاہدۂ صلح مین یہ الفاظ لکھدیئے گئے تھے کہ لوگون کے جان و مال سے تعرض نہو گا، صامغان، جندی سابور، شیراز وغیرہ مین اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے

---

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اول۔

کہ لایسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہوکر لونڈی غلام نہ بنائے جائینگے،،۔

مناذرین باوجوداسکے کہ فوج نے اسیرانِ جنگ کو غلام بناکر اُن پر قبضہ کرلیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ انکو چھوڑدو اور خراج و جزیہ مقرر کرو[1]۔ ابو موسیٰ اشعری کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے[2]۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہوجائے، وہ خریدی اور بیچی نہین جاسکتی۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہین رہتی، یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیون کی بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی، چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہان حضرت عمرؓ کے اولیات لکھے ہین اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلامون کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جسکو مکاتبۃ کہتے ہین یعنی غلام ایک معاہدہ لکھدے کہ مین اتنی مدت مین اس قدر روپے ادا کردونگا، جب وہ زر معینہ ادا کردیتا ہے تو بالکل آزاد ہوجاتا ہے، یہ قاعدہ خود قرآن مجید مین موجود ہے فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرًا لیکن فقہا اس حکم کو وجوبی نہین قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدہ کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمرؓ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا صحیح بخاری کتاب المکاتب مین ہے کہ حضرت انس کے غلام، سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی، انس نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا حضرت عمرؓ نے انس کو دُرّے لگائے اور مذکورۂ بالا آیت سند مین پیش کی، آخر انس کو مجبورًا ماننا پڑا۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۷۔ [2] کنز العمال صفحہ ۳۱۲ جلد دوم۔

حضرت شہربانو کا قصہ

اِس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اسکا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہِ فارس کی بیٹیان گرفتار ہو کر مدینہ مین آئین، حضرت عمر نے عام لونڈیون کی طرح بازار مین اُنکے بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علی نے منع کیا کہ خاندانِ شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہین، ان لڑکیون کی قیمت کا اندازہ کرایا جاے پھر یہ لڑکیان کسی کے اہتمام اور سپردگی مین دی جائین اور اُس سے اُنکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جاے۔ چنانچہ حضرت علی نے خود اُنکو اپنے اہتمام مین لیا، اور ایک امام حسینؑ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبد اللہ بن عمر کو عنایت کی۔ اِس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جسکو فنِ تاریخ سے کچھ واسطہ نہین، ربیع الابرار مین اسکو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؑ کے حال مین یہ روایت اُسکے حوالہ سے نقل کر دی، لیکن یہ محض غلط ہے، اولاً تو زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ، وغیرہ کسی نے اِس واقعہ کو نہین لکھا، اور زمخشری کا فنِ تاریخ مین جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے، اِسکے علاوہ تاریخی قراین اِسکے بالکل خلاف ہین، حضرت عمر کے عہد مین یزدگرد اور خاندانِ شاہی پر مسلمانون کو مطلق قابو نہین حاصل ہوا، مداین کے معرکے مین یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ مین ٹکراتا پھرا، مرو مین پہنچکر سنہ ۳۰ھ مین جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا، اسکی آل اولاد، اگر گرفتار ہوے ہونگے تو اُسی وقت گرفتار ہوے ہونگے، مجھکو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہین کہ یزدگرد کا قتل کس عہد مین واقع ہوا۔

اِسکے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُسوقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر

۱۲ برس کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچوین سال پیدا ہوے اور فارس ۱۷ھ مین فتح ہوا، اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی نے انکی نابالغی مین اُنپر اس قسم کی عنایت کی ہوگی، اسکے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گران قرار پائی ہوگی، اور حضرت علی نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہین ہوسکتا، حضرت عمر کی تاریخ مین اس قسم کا واقعہ جو مسلّم طور پر ثابت ہے اُسمین وہی برتاو کیا گیا جو تہذیب و انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب ملکون مین جاری ہے، عمر بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اوّل بلبیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانون کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے اتفاق سے مقوقس بادشاہِ مصر کی بیٹی جسکا نام ارمانوسہ تھا یہین مقیم تھی، وہ بھی گرفتار ہوئی، عمرو بن العاص نے اُسکو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیجدیا، اور مزید احتیاط کے لئے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن ابی العاص سہمی تھا ساتھ کردیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے۔[1]

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاو

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمر نے غلامی کے روکنے کے لئے کئے، لیکن جو لوگ غلام بنائے گئے تھے اُنکے حق مین وہ مراعاتین قائم کین کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی، فوجی انتظامات کے بیان مین تم نے پڑھا ہوگا، کہ حضرت عمر نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہین مقرر کین تو انکے غلامون کی بھی اُنھی کے برابر تنخواہ مقرر کی، بعد کی تمام کارروائیون مین بھی اُنھون نے یہ اصول ملحوظ رکھا، اضلاع کے جو عمّال تھے اُنکی نسبت وہ اور اور باتون کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلامون کے ساتھ اُسکا برتاو کیسا ہے، چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلامون کی

عام غلامون کے ساتھ مراعات

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۴۔

عیادت کو نہین جاتا، تو صرف اسی جرم پر اُسکو معزول و موقوف کردیتے تھے[1]۔ اکثر غلامون کو بُلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سُنا کر کہتے تھے کہ "خدا اُن لوگون پر لعنت کرے جنکو غلامون کے ساتھ کھانے سے عار ہے"، سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمھارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے، تو وہ امان تمام مسلمانون کی طرف سے سمجھی جائے گی، اور فوج کو اُسکا پابند ہونا ہوگا، چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے اِنَّ عَبدَ المُسلِمِینَ مِنَ المُسلِمِینَ وَ ذِمَّتُہٗ مِن ذِمّتِھِم یجوز امانہ[2]

غلامون کا اپنے عزیز واقارب سے جدا نہ کیا جانا

غلامون کے لئے جو بڑی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز واقارب سے جدا ہو جاتے تھے، بیٹا باپ سے چھُٹ جاتا تھا، بیٹی مان سے بچھڑ جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی بُرائیون پر مضامین لکھتے ہین، وہ اسی واقعہ کو دردانگیز صورت مین دکھاتے ہین، حضرت عمر نے یہ قاعدہ مقرر کیا، کہ کوئی غلام اپنے عزیز واقارب سے جدا نہونے پائے، یعنی یہ نہین ہوسکتا تھا، کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی مین رہے، باپ بیٹے، بھائی بہن، مان بیٹیان، بکتی تھین تو ساتھ بکتی تھین، اور جنکی غلامی مین رہتی تھین، ساتھ رہتی تھین۔ اِس باب مین اُنکے جو احکام ہین اُنکو کنز العمال مین مستدرک حاکم، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہین۔

لَا یُفَرَّقُ بَیْنَ اَخَوَیْنِ اِذَا بِیعَا۔	یعنی جب دو بھائی بیچے جائین تو ایک دوسرے سے جدا نہ بیچا جائے۔
لَا تُفَرِّقُوا بَیْنَ الْاُمِّ وَوَلَدِھَا	یعنی بچہ مان سے الگ نہ کیا جائے۔
لَا یُفَرَّقُ بَیْنَ السَّبَایَا وَاَوْلَادِھِنَّ	یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہوکر آئین تو بچے ان سے علحدہ نہ کئے جائین،

حضرت عمر نے اِس باب مین تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کرکے قرآن مجید کی اِس آیت پر

---

[1] طبری صفحہ ۲۷۷۵۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۶۔

ستدلال کیا وَ لَا تقطعوا ارحامکم اور کہا کہ اِس سے بڑھکر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ اِس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے[1]۔

حضرت عمر نے جب سمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا، اور اُنکے بیٹے شرحبیل کوفہ مین کسی کام پر مامور کیا، تو اُنھون نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اُنکے عزیزون سے جدا نہین ہونے دیتے، تو مجھکو کیون بیٹے سے دور پھینک دیا ہے[2]۔

غلامون مین اہل کمال

حضرت عمر نے غلامونکا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دکھلائے اُسکا یہ اثر ہوا کہ غلامون کے گروہ مین بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے جنکی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو ائمہ حدیث مین شمار کئے جاتے ہین، اور جنکو حضرت عبد اللہ بن عباس نے فتوے کی اجازت دی تھی، نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جنکی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہین، یہ دونون بزرگ غلام تھے اور اِسی عہد کے تربیت یافتہ تھے، علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدینؒ کے حال مین لکھا ہے کہ ”مدینہ منورہ مین لوگ کنیزون اور کنیز زادون کو حقیر سمجھتے تھے، لیکن جب **قاسم** (حضرت ابوبکر کے پوتے) اور **سالم** (حضرت عمر کے پوتے) اور **امام زین العابدینؒ** سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل مین تمام مدینہ والون سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلامون کی قدر بڑھ گئی لیکن ہمارے نزدیک اِس قبول اور عزت کا اصلی سبب حضرت عمر کا طریق عمل تھا، بے شبہہ قاسم و سالم (امام زین العابدینؒ کا نام اِس سلسلے مین لینا مین بے ادبی خیال

---

[1] کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۲۶ - [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸ -

کرتا ہون) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا، لیکن اگر حضرت عمرؓ نے اُمہاتِ اولاد کا وہ رتبہ نہ قائم کیا ہوتا تو اِن بزرگون کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہات آتا۔

اِن سب باتون کے ساتھ اِس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا مسئلہ نہین ایجاد کیا تھا اور نہ خدانخواستہ اُنکو یہ حق تھا، غلامی کا گھٹانا اور غلامون کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، وہ اِسی مقصد کی تعمیل تھی، امام بخاری نے کتاب المفرد مین غلامون کے متعلق، آنحضرتؐ کے جو افعال و اقوال لکھے ہین اُن سے اِس دعوے کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف،

عام سلاطین اور حضرت عمر کے طریق سیاست مین فرق

خلافت فاروقی، بسیط عالم مین کہان سے کہان تک پھیلی ہے، اور کس قدر مختلف ملک مختلف مذاہب، مختلف قومین، اُسکے دائرے مین داخل ہین، لیکن اس سرے سے اُس سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکوت و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا مین اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گذرے ہین، جنکی حکومت مین کوئی شخص سر نہین اُٹھا سکتا تھا۔ لیکن اُنکو یہ بات اُس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جسکے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعتہً انصاف کا قانون بالکل اُلٹ دیا جاے، ایک شخص کے جرم مین تمام خاندان پکڑا جائے، واقعات کے ثبوت مین یقین کے بجاے۔ صرف قیاس سے کام لیا جاے، وحشیانہ سزائین دی جائین، آبادیان جلاکر برباد کردی جائین، یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے اب بھی یورپ کو باوجود اِس قدر تمدن و تہذیب کے اِنھی قاعدون سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی مین کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہین ہو سکتا تھا، عربسوس والون نے ربار عہد شکنی کی تو اُنکو جلا وطن کیا لیکن، اِسطرح کہ اُنکی جائداد، مال اسباب، کی مفصل فہرست طیار کراکر ے ایک چیز کی دوگنی قیمت ادا کردی۔ **نجران** کے عیسائیون نے خود مختاری اور سرکشی کی طیاریان ت اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچائے تو اُنکو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک مین آباد کرایا مگر اِس رعایت کے ساتھ کہ اُنکی جائداد وغیرہ کی قیمت دیدی اور عاملون کو لکھ بھیجا کہ راہ مین جدھر اِنکا گذر ہو اُنکے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائین، اور جب یہ کہین مستقل قیام اختیار کرلین تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے[1]۔

حضرت عمر کی مشکلات

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمر کو رعایا ایسی ہات آئی تھی جسمین زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا اور اِس لئے اُنکو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہین آئی لیکن یہ خیال صحیح نہین۔ حضرت عمر کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونون طرح کی مشکلات کا سامنا تھا، غیر قومین جو حلقۂ اطاعت مین آئی تھین پارسی یا عیسائی تھین جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھین اور اِس لئے اُنکو رعیت بنا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا، اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب مین بہت سے صاحب اِدعا موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مثلاً ایک **مؤلفۃ القلوب** کا گروہ تھا جنکا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمر کسی مین نہین، عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ حضرت عمر نے اُنکو خراج کے معاملے مین تنگ پکڑا، تو اُنھون نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قدرت ہے!! جاہلیت مین، میرا باپ جب کمخواب کی قبا زیب بدن کرتا تھا

---

[1] اِن واقعات کو ہم ذمیون کے حقوق کے بیان مین اوپر لکھ آئے ہین اور وہان کتابون کا حوالہ بھی دیا ہے ۱۲

تو خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سرپر لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے، آج اُسی خطاب کا بیٹا مجھپر حکومت جتا رہا ہے،، بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُنکے ہوتے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہین، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے مین تو علانیہ نقضِ خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین ،، زبیر وجمعے از بنو ہاشم در خانۂ حضرت فاطمہ جمع شدہ درباب نقضِ خلافت مشورہا بکار می بردند[1]،،۔

حضرت عمرؓ کی سطوت نے بنو ہاشم کے اِدّعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی، اسکے علاوہ عرب کا فطرتی مذاق آزادی اور خودسری تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہین آئے۔ حضرت عمرؓ اگر امیر معاویہ کی طرح اِس آزادی اور خودسری کو مٹا کر حکومت کا رعب وداب قائم رکھتے تو چندان تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اِس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہین چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے، بارہا مجامعِ عام مین لوگ اُنپر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیان کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے، شام کے سفر مین جب اُنھون نے مجمع عام مین، حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی، تو ایک شخص نے وہین اُٹھکر کہا[2]۔

واللّٰه ما عدلت یا عمر لقد نزعت عاملا استعمله	یعنی اے عمرؓ خدا کی قسم تونے انصاف نہین کیا، تونے رسول اللہ کے عامل کو
رسول اللّٰه وغمدت سیفا سلّه رسول اللّٰه	موقوف کردیا، تونے رسول اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام مین ڈال دیا،
ولقد قطعت الرحم وحسدت ابن العم	تونے قطع رحم کیا، تونے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سب سُنکر صرف یہ کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت مین غصّہ آگیا،،۔

---

[1] ازالۃ الخفا حصۂ دوم صفحہ ۲۹۔ [2] اسد الغابۃ تذکرہ احمد بن حفص المخزومی۔

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اُسوقت جب۔ تمام عراق و شام مین لوگ اُنکا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد کسی قسم کا خیال دل مین نہ لا سکے، امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہین۔ لیکن حضرت عمر کے نام سے اُنکو لرزہ آتا تھا، عمرو بن العاص کے بیٹے عبد اللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا، حضرت عمر نے عمرو بن العاص کے سامنے اُنکو اُسی مضروب کے ہات سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونو عبرت کا تماشا دیکھا کئے۔ سعد وقاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جوابدہی مین طلب کیا تو اُنکو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر کو سیاست و تدبیر کے فن مین جو کمال حاصل تھا کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات مین اسکی نظیر نہین مل سکتی۔

حضرت عمر کی حکومت کی خصوصیتین

اُنکی حکومت کی سب سے خصوصیت یہ تھی کہ آئینِ حکومت مین شاہ و گدا، شریف، و رذیل، عزیز و بیگانہ، سب کا ایک رتبہ تھا۔

اصول مساوات

جبلہ بن الایہم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے طواف مین اُسکی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پانون کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اُسکے منہ پر تھپیڑ کھینچ مارا، اُسنے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصّے سے بیتاب ہو گیا، اور حضرت عمر کے پاس آیا، حضرت عمر نے اسکی شکایت سُنکر کہا کہ "تم نے جو کچھ کیا اُسکی سزا پائی"، اُسکو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبہ کے لوگ ہین کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے"، حضرت عمر نے فرمایا "جاہلیت مین ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا"۔ اُسنے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جسمین شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہین، تو مین اسلام سے باز آتا ہون"

غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اُسکی خاطر سے قانونِ انصاف کو بدلنا نہین چاہا۔

ایک دفعہ تمام عہدہ دارانِ ملکی کو حج کے زمانے مین طلب کیا، اور مجمع عام مین کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگون سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع مین عمرو بن العاص گورنرِ مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکّام اور عمّال موجود تھے، ایک شخص نے اُٹھکر کہا کہ فلان عامل نے بے وجہ مجھکو سو درّے مارے ہین، حضرت عمرؓ نے فرمایا "اُٹھ اور اپنا بدلا لے"۔ عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین! اس طریق عمل سے تمام عمّال بیدل ہو جائینگے، حضرت عمرؓ نے فرمایا "تاہم ایسا ضرور ہوگا"۔ یہ کہکر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ "اپنا کام کر"، آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے۔[1]

ایک دفعہ، سردارانِ قریش اُنکی ملاقات کو آئے، اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے جنمین سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے، اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اوّل انھی لوگون کو بُلایا اور سردارانِ قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابو سفیان جو زمانۂ جاہلیت مین تمام قریش کے سردار رہے تھے، اُنکو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور ساتھیون سے خطاب کر کے کہا کہ "کیا خدا کی قدرت ہے، غلامون کو دربار مین جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہین"، ابو سفیان کی یہ حسرت اگرچہ اُنکے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم اُن مین کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا "بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہمکو عمرؓ کی نہین بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیئے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بُلایا لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہین"[2]۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ سہیل بن عمرو،،

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائلِ عرب اور صحابہ کی تنخواہین مقرّر کین تو بڑے رشک و منافست کا موقع پیش آیا، سرداران قریش اور معزز قبایل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے، کہ تنخواہ کے تقرّر مین حفظِ مراتب کا خیال کیا جائیگا، اور فہرست مین اُنکے نام، سب سے پہلے نظر آئینگے، لیکن حضرت عمرؓ نے اُنکے تمام خیالات غلط کر دئے۔ اُنھون نے دولت وجاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز، کی تمام خصوصیتون کو مٹا کر، صرف اسلامی خصوصیت قایم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہین بیش وکم مقرّر کین، جو لوگ اوّل اسلام لائے تھے، یا جہاد مین کارہاے نمایان کئے تھے، یا آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ اُنکو غیرون پر ترجیح دی، جو اِن خصوصیتون مین برابر درجے پر تھے اُنکی تنخواہین برابر مقرّر کین، یہان تک کہ غلام اور آقا مین کچھ فرق نہ رکھا، حالانکہ عرب مین غلام سے بڑھکر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبد اللہ سے زیادہ مقرّر کی، تو اُنھون نے عذر کیا کہ واللہ اُسامہ کسی موقع پر مجھسے آگے نہین رہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ہان۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اسامہ کو تجھسے زیادہ عزیز رکھتے تھے"[1]۔

اہلِ عرب کا شعار تھا کہ لڑائیون مین فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اِس فخر کے مٹانے کے لئے تمام فوجی افسرون کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کرین اُنکو سخت سزا دی جائے"۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضَبَّہ کے قبیلہ سے تھا، لڑائی مین یا آلِ ضبّہ کا نعرہ مارا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اُسکی تنخواہ بند کر دی۔ اِس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخون

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶۔

مین ملتے ہین[1]۔

اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ، کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہین کرتے تھے عمرو بن عاص نے مصر کی جامع مسجد مین منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہون اور تم اوپر بیٹھو“، عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود، اختیار نہ کرین،

ایک دفعہ اُبَیّ بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی زید بن ثابت کے ہان مقدمہ پیش ہوا حضرت عمر انکے پاس گئے تو اُنھون نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی، حضرت عمر نے کہا ”یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ مین کی“، یہ کہکر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا۔ سفر و حضر مین، جلوت و خلوت مین، مکان اور بازار مین کوئی شخص اُنکو کسی علامت سے پہچان نہین سکتا تھا کہ یہ خلیفۂ وقت ہین۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی مسجد نبوی مین آکر ڈھونڈھتے تھے کہ شہنشاہ اسلام کہان ہے، حالانکہ شاہنشاہ، وہین پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے مین بیٹھا ہوتا تھا۔ اُنکے عمال اُنکو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جسطرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جنکی ادعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا دل مین مکدر ہوتے تھے، لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اس لئے عام ملک پر اسکا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنون مین تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص مین بھی جو حق شناس تھے

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۷۔

ہ روز بروز معترف ہوتے گئے۔ اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلانِ عام کے مقابلے مین اپنی خود رائی کے اظہار کی جرأت نکر سکے۔

اِس اصول کے عمل مین لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائلِ عرب، جو اُنھی بیہودہ مفاخر کی بنا پر، آپس مین لڑتے رہتے تھے اور جنکی وجہ سے عرب کا سارا خطہ، ایک میدانِ کارزار بن گیا تھا، اُنکی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیر المومنین کا لقب کیون اختیار کیا؟

اِس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمر نے اُصولِ مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پُر فخر لقب کیون ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہین سمجھی جاتی تھی بلکہ اِس سے صرف عُہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا، افسرانِ فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے، کفارِ عرب، آنحضرت کو امیر مکہ کہا کرتے تھے، سعد بن وقاص کو عراق مین لوگون نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا[1]۔

حضرت عمر کو اِس لقب کا خیال تک نہ تھا۔ اِسکی ابتدا یون ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم، مدینہ مین آئے اور حضرت عمر کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا۔ قاعدے کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ مین رہ کر امیر المومنین کا لفظ اُنکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو، عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا، حضرت عمر نے اِس خطاب کی وجہ پوچھی، اُنھون نے کیفیت واقعہ بیان کی، حضرت عمر نے بھی اِس لقب کو پسند کیا اور اِسی تاریخ سے اِسکو شہرت عام ہو گئی[2]۔ اِس موقع پر ممکن ہے کہ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیر المومنین۔ [2] امام بخاری کی کتاب ادب المفرد مطبوعہ آگرہ صفحہ ۱۵۴۔

ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انھون نے خلافت اختیار ہی کیون کی؟ بیغرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اِس خوانِ نعمت کو ہات ہی نہ لگاتے، لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے، حضرت عمر بے شبہہ، خلافت سے ہات اُٹھا لیتے۔ لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اسکو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارِ گران، اُنکے سوا کسی سے اُٹھ نہین سکتا! کیا ایسے وقت مین انکی راستبازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگون کی بدگمانی کے خیال سے، خلافت سے دست بردار ہو جاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انھون نے پہلے ہی دن خطبہ مین کہدیا تھا کہ۔

[1] لولا رجائی ان اکون خیرکم لکم واقواکم علیکم واشدکم اضطلاعا بما ینوب من مھم امرکم ما تولیت ذلک منکم	یعنی اگر مجھکو یہ امید نہوتی کہ مین تم لوگون کے لئے سب سے زیادہ کار آمد، سب سے زیادہ قوی، اور مہماتِ امور کیلئے سب سے زیادہ قوی بازو ہون تو مین اِس منصب کو قبول نہ کرتا۔

اِس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہین جو امام محمد نے موطا مین روایت کئے ہین۔

لو علمت ان احدا اقوی علی ھذا الامر[2] منی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اھون علی	یعنی اگر مین جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کیلئے مجھسے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنیکی بہ نسبت میرے نزدیک یہ زیادہ آسان تھا کہ میری گردن مار دیجائے

حضرت عمر کے اِن الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اِسکا ایک حرف بھی صحت و واقعیت سے ہٹا ہوا ہے؟

سیاست

حضرت عمر **سیاست** کے اُصول سے خوب واقف تھے، اور یہ وہ خصوصیت ہے جسمین وہ تمام اور صحابہ سے علانیہ ممتاز ہین، جو ممالک، دایرۂ خلافت مین داخل تھے اُنکی اصلی تین تقسیمین تھین۔

---

[1] انساب الاشراف بلاذری۔ [2] کتاب مذکور مطبوعۂ مصطفائی صفحہ ۴۰۰۔

عرب، ایران، شام و مصر، اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب، الگ الگ تدبیرین اختیار کین، عراق و ایران مین چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی انکا زور اور اقتدار قائم تھا اس لئے انکی پولیٹکل تنخواہین مقرر کردین جس سے وہ بالکل رام ہوگئے۔ چنانچہ رؤساے عراق مین سے ابن النخیرجان، بسطام بن نرسی، رفیل، خالد، جمیل، کے معقول روزینے مقرر کر دئے۔ شام و مصر مین رومیون نے اصلی باشندون کو صاحب جائداد نہین چھوڑا تھا، اِس لئے انکی طرف سے چندان اندیشہ نہ تھا، وہ رومی حکومت کے بجاے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے، حضرت عمرؓ نے انکے ساتھ وہ مراعاتین کین کہ کہ اُنھون نے بارہا کہا کہ "ہمکو مسلمان، رومیون کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہین"۔ غیر قومون کے ساتھ، اگرچہ انکا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا چنانچہ اِسکی بحث ذمیون کے حقوق مین گذر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔ مصر مین مقوقس مصر کا باشندہ اور رومیون کی طرف سے نائب حکومت تھا، اُسکے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا، اور اسکی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہوگئی۔ اِن باتون پر بھی اکتفا نہین کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرادئے یا فوجی چھاونیان قائم کردین جنکی وجہ سے سیکڑون میل تک اثر پہنچتا تھا اور کسی کو بغاوت کی جرأت نہین ہوسکتی تھی، کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بنگیا تھا، خاص اِسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا، شام اور مصر مین تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیان اسی ضرورت سے قایم کی گئی تھین۔

خاص عرب مین اُن کو مختلف پولٹیکل تدبیرون سے کام لینا پڑا، یہودیون اور عیسائیون کو جزیرۂ عرب سے بالکل نکال دیا، بڑے بڑے ملکی افسرون کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہین ہوا جو مختلف صوبجات مین بدلتا نرہا ہو، ملکی افسرون مین سے جسکی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا اُسکو علحدہ کر دیتے تھے، جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے اُنکو اکثر دارالخلافہ سے باہر نہین جانے دیتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ اُن لوگون نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ "آپ لوگ یہ دولت بہت جمع کر چکے ہین۔ پھر فرمایا لا تخرجوا فتسلّلوا یمیناً و شمالاً[1]۔ ایک دفعہ عبد الرحمن بن عوف نے پوچھا کہ آپ ہملوگون کو باہر جانے سے کیون روکتے ہین" فرمایا "اِس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے[2]"۔ اپنے قبیلہ کے لوگون کو کبھی مُلکی عہدے نہین دئے، صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا، پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عُہدے نہین دئے اور اسمین زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اسوقت تمام عرب مین تین شخص تھے جو مشہور مُدبّر اور صاحب ادّعا تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، چونکہ مُہمّاتِ ملکی کے انجام دینے کے لئے اِن لوگون سے بڑھکر تمام عرب مین کوئی شخص ہات نہین آسکتا تھا اِس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دئے، لیکن ہمیشہ اِس بات کا خیال رکھتے تھے اور اسکی تدبیرین کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہونے پائین۔ اُن کی وفات کے بعد، کوئی ایسا شخص نہ رہا جو اُنکو دبا سکتا، چنانچہ حضرت عثمانؓ

---

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱۔ [2] تاریخ یعقوبی صفحہ مذکور۔

اور حضرت علیؓ کے زمانے مین جو ہنگامے برپا ہوئے۔ سب اِنھی لوگون کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالٹیکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کو اِس باب مین تمام دنیا پر جو امتیاز حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہون نے پالٹیکس کی ضرورت سے جو جو کام کئے اُنکا واقعی نام - خدع، مکر، فریب، ظاہرداری، اور نفاق، تھا - بادشاہون پہ موقوف نہین، بڑے بڑے رفارمر اِس شائبہ سے خالی نہین ہوتے لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پہ فریب، اور حکمت عملی کا نقاب نہین ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے، اور لوگون کو صاف صاف اُسکی مصلحت سے واقف کردیتے تھے، حضرت خالد کو معزول کیا تو تمام اضلاع مین فرمان بھیجدیا کہ۔

إني لم اعزل خالدًا عن سخطةٍ ولا خيانةٍ ولكنّ الناس فتنوا به فخفت ان يوكلوا اليه[1]	یعنی مینے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم مین نہین موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ اُنکی طرف زیادہ مائل ہوجاتے تھے۔ اسلیے مین ڈرا کہ اُنپر بھروسہ نہ کرلین۔

مثنیٰ کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے۔ اور فرمایا لم اعزلهما عن ريبة ولكن الناس عظّموهما فخشيت ان يوكلوا اليهما[2] بنوہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتین نہین دین۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اُسکی وجہ بیان کردی چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اسکی تفصیل آئیگی۔

حضرت عمرؓ کی حُسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ، اور اُنکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انھون نے حکومت و انتظام کی کَل مین نہایت موزون پُرزے استعمال کئے تھے۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۸ [2] طبری صفحہ ۲۳۹۳۔

عہدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب

یہ عموماً مسلّم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت اُنمین سب سے بڑھکر تھی، اِس ذریعہ سے اُنھون نے تمام عرب کے قابل آدمیون اور اُنکی مختلف قابلیتون سے واقفیت پیدا کی تھی، اور اُنھی قابلیتون کے لحاظ سے اُنکو مناسب عہدے دئے تھے، سیاست و انتظام کے فن مین تمام عرب مین چار شخص اپنا نظیر نہین رکھتے تھے، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ، چنانچہ اِن سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتین سپرد کین، اور درحقیقت، اِن لوگون کے سوا شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہین رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد وقاص، خالد، نعمان بن مقرن، وغیرہ کو انتخاب کیا، عمر معدیکرب، اور طلیحہ بن خالد، اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہین سکتے تھے اس لئے اِن دونون کی نسبت حکم دیدیا کہ اُنکو کسی حصۂ فوج کی افسری نہ دیجاے، زید بن ثابت، و عبد اللہ بن ارقم، انشا و تحریر مین مستثنے تھے، انکو میر منشی مقرر کیا، قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعۃ۔ عبد اللہ بن مسعود، فصلِ قضایا مین ممتاز تھے اُنکو قضا کی خدمت دی، غرض جسکو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اُسی کے لئے پیدا ہوا تھا، اِس امر کا اعتراف غیر قومون کے مورخون نے بھی کیا ہے، ایک عیسائی مشہور مورخ لکھتا ہے کہ "عمر نے فوج کے سردارون اور گورنرون کا انتخاب بلا رو رعایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزون ہوا"۔

بے لاگ عدل و انصاف

سب سے بڑی چیز جس نے اُنکی حکومت کو مقبولِ عام بنا دیا اور جسکی وجہ سے، اہلِ عرب اُنکے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ اُنکا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جسمین دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی، ممکن تھا کہ لوگ، اِس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرایم کی پاداش مین کسی کی

عظمت وشان کا مطلق پاس نہین کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل، واولاد اور عزیز واقارب کے ساتھ بھی اُنکا یہی برتاو ہے تو لوگون کو صبر آجاتا تھا۔ اُنکے بیٹے **ابو شحمہ** نے جب شراب پی تو خود اپنے ہات سے اُنکو ۸۰ کوڑے مارے، اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے[١]۔ قدامہ بن مظعون جو اُنکے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی جرم مین ماخوذ ہوے تو علانیہ اُنکو ۸۰ دُرّے لگوائے۔

قدیم سلطنتون کے حالات اور انتظامات سے واقفیت

حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتون، اور حکمرانون کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور اُنمین جو چیزین پسند کے قابل ہوتی تھین اُسکو اختیار کرتے تھے، **خراج - عشور - دفتر - رسد - کاغذاتِ حساب** - اِن تمام انتظامات مین، اُنھون نے، ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہان کوئی نقص پایا اُسکی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے ذریعہ سے زمیندارون کو میرے پاس بھیجدو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے اُنکے پاس آئے اور اُنھون نے اُن سے دریافت کیا کہ سلاطینِ عجم کے ہان مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا[٢]۔ جزیہ جانا کہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اُسکی تشخیص مین وہی اصول ملحوظ رکھّے جو نوشیروان نے اپنی حکومت مین قایم کیے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہان نوشیروان کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہان لکھا ہے۔

وهي الوضائع التي اقتدى بها عمر بن الخطاب	یعنی یہ وہی قاعدے ہین کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس کا ملک فتح کیا

---

[١] ابو شحمہ کے قصے مین واعظون نے بڑی رنگ آمیزیان کی ہین۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُنکو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے اُنھون نے انتقال کیا (دیکھو معارف ابن قتیبہ - ذکر اولاد عمرؓ)

[٢] کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔

حین افتتح بلاد الفرس[1]	تو انکی اقتدا کی۔

اس سے زیادہ صاف اور مصرح، علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے، علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی، اور شیخ بوعلی سینا کا معاصر و ہم پایہ تھا، تاریخ مین ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام تجارب الامم ہے[2]۔ اسمین جہان حضرت عمر کے انتظامات ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ۔

وکان عمر یکثر الخلوۃ بقوم من الفرس یقرؤن علیہ سیاسات الملوک ولاسیما ملوک العجم الفضلاء وسیما انوشروان فانہ کان معجبا بہا کثیر الاقتداء بہا	یعنی عمرؓ فارس کے چند آدمیون کو صحبت خاص مین رکھتے تھے۔ یہ لوگ انکو بادشاہون کے آئین حکومت پڑھکر سنایا کرتے تھے، خصوصاً شاہان عجم اور انمین بھی خاصکر نوشیروان کے اسلیے کہ انکو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور وہ انکی بہت پیروی کرتے تھے۔

علامۂ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخون نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر نے اُسکو اپنے خاص درباریون مین داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمر کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُن سے مخفی نہ رہنے پائے، اُنھون نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے جسکی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہین۔

وکان عمر لا یخفی علیہ شیء فی عملہ کتب الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزۃ من اجیز فیہا[3]	یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہین رہتی تھی، عراق مین جن لوگون نے خروج کیا، اور شام مین جن لوگون کو انعام دئے گئے، سبکی تحریری اطلاعین انکو پہنچین۔

---

[1] تاریخ کبیر طبری صفحہ، ۲۶۲۔ [2] یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ مسجد ایا صوفیا مین موجود ہے اور مین نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے۔ [3] طبری صفحہ، ۲۵۲۶۔

عراق کے ایک معرکہ مین سردار لشکر نے عمرو معدیکرب کو دوہرا حصّہ نہین دیا، عمرو معدیکرب نے وجہ پوچھی، اُنھون نے کہا تمھارا گھوڑا دوغلا ہے، اِس لئے اسکا حصّہ کم ہوگیا، معدیکرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہان دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے، حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی، عمرو معدیکرب کو سخت تنبیہ کی جسکی وجہ سے اُنکو آیندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہین ہوئی، نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے، دولت ونعمت کے مزے مین پڑکر اُنھون نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جسمین یہ شعر بھی تھا۔

لَعَلَّ امیرَ المؤمنین یسوءُهٗ	غالباً امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ بُرا مانین گے
تنادُمنا بالجوسق المنهدّم	کہ ہم لوگ محلون مین رندانہ صحبتین رکھتے ہین،

حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی اور اُنکو معزول کرکے لکھا کہ ہان مجھکو تمھاری یہ حرکت ناگوار ہوئی[1] صحابہ مین حذیفۃ بن الیمان ایک بزرگ تھے جنکو اکثر مخفی باتون کا پتہ لگتا تھا، عہد نبوت مین وہ آنحضرت کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحبُ السّر کہلاتے تھے، حضرت عمر نے ایک دن، اُن سے پوچھا کہ "منافقین کا جو گروہ ہے اُنمین سے کوئی شخص میرے عمّالون اور عہدہ دارون مین بھی ہے"، اُنھون نے کہا "ہان ایک شخص ہے"، حضرت عمر نے نام پوچھا لیکن اُنھون نے رازداری کے لحاظ سے نام نہین بتایا، حذیفہ کا بیان ہے کہ "اِس واقعہ کے بعد حضرت عمر نے اُسکو معزول کردیا، جس سے مین نے قیاس کیا کہ اُنھون نے خود پتہ لگالیا"[2] اِسی تفحّص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر

---

[1] اسد الغابۃ ذکر نعمان بن عدی۔ [2] اسد الغابۃ ذکر حذیفۃ بن الیمان۔

اور عمّال اُنکے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہین کر سکتے تھے۔ علامۂ طبری لکھتے ہین

وکانوا لا یبدعون شیئاً ولا یاتونہ الا وامروہ فیہ۔[۵۱]	یعنی لوگ کوئی کام، اُنسے بغیر دریافت کئے نہین کرتے تھے۔

بیت المال کی حفاظت

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور کسی قسم کی رقم کو اسکی احاطہ سے باہر نہین سمجھتے تھے۔ خانۂ کعبہ مین مدت کا چڑھاوا جمع تھا اسکی نسبت فرمایا کہ

لقد هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمته۔[۵۲]	یعنی مین نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اِس مین سونا چاندی ہے سب لوگون کو تقسیم کر دون،

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہ (حضرت عمر کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی۔ وہ حضرت عمر کے پاس آئین اور کہا کہ "امیر المومنین! اِسمین سے میرا حق مجکو عنایت کیجئے کیونکہ مین ذوی القربیٰ مین سے ہون"،

حضرت عمر نے کہا "جانِ پدر! تیرا حق میرے خاص مال مین ہے، لیکن یہ غنیمت کا مال ہے، تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا"، وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئین۔[۵۳]

شام کی فتح کے بعد، قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر کی زوجہ) نے، قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کی طور پر چند شیشیان بھیجین، اُسنے اُسکے جواب مین شیشیون کو جواہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمر کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمھارا تھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا اور اُسکے مصارف عام آمدنی مین سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال مین داخل

---

[۵۱] طبری صفحہ ۲۷۰۴۔ [۵۲] صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبۃ ۱۲ [۵۳] مسند امام احمد حنبل۔

کردئے اور اُنکو کچھ معاوضہ دیدیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے، لوگون نے علاج مین شہد تجویز کیا۔ بیت المال مین شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہین لے سکتے تھے، مسجد نبوی مین جاکر لوگون سے کہا کہ اگر آپ اجازت دین تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لون[1]، اِس کارروائی سے طلبِ اجازت کے سوا، یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانۂ عامہ پر خلیفۂ وقت کو اتنا اختیار بھی نہین۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے، خلافت کے مہمات مین یہ شغل قایم نہین رہ سکتا تھا، صحابہ کو جمع کرکے اپنی ضرورت بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے، مین کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہون؟ لوگون نے مختلف رائین دین، حضرت علی چپ تھے، حضرت عمر نے اُنکی طرف دیکھا، اُنھون نے کہا، صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس، چنانچہ اُنکے اور اُنکی بی بی بچون کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا[2]۔ فوجی روزینہ دارون مین جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر مین شریک تھے) کے لئے تنخواہین مقرر ہوئین تو اور لوگون کے ساتھ پانچ ہزار درہم سال اُنکے بھی مقرر ہو گئے، کرورون روپے کی آمدنی مین سے فاروق اعظم کو سال بھر مین جو ملتا تھا اُسکی تعداد تھی

اُنکی معاشرت کے حالات مین آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے تھے، زمین پر سو رہتے تھے، مہینون گیہون کا آٹا گھر مین نہین پکتا تھا، اُسکی وجہ کچھ رہبانیت اور زہد ہی نہ تھا بلکہ درحقیقت اِس سے زیادہ اُنکو ملک کی آمدنی مین نصیب نہین ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت ام کلثوم سے جب نکاح ہوا تو اُنکے شرف اور

---

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۵۔ [2] تاریخ طبری واقعات ۱۵ھ۔

خاندانِ نبوّت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اُسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہین دئے اسکی ایک بڑی وجہ یہ بھی کہ اُنکو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس مین اپنا حصّہ، ایک شرعی حق سمجھتے ہین اس لئے باوجود دولتمندی کے خمس مین سے اپنا حصّہ لے لینگے حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف، امام وقت کی راے پر منحصر ہین۔ چنانچہ اُسکی بحث مفصّل آگے آئیگی، اُنھون نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا حمص کا عامل جب مرگیا تو حضرت عبد اللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہا، لیکن چونکہ اُنکی طرف سے مطمئن نہ تھے، اِس لئے بُلاکر اُن سے کہا کہ فِي نَفْسِي مِنْكَ شَيْءٌ یعنی میرے دل مین تمھاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے، اُنھون نے پوچھا کیون؟ فرمایا۔

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفئ الذی ھو آت[1] یعنی مجھکو ڈر ہے کہ تم محاصلِ ملکی پر تصرف نہ کرو۔

یہ صرف سوءظن نہ تھا بلکہ وقوع مین بھی آیا، حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین جب حضرت عبد اللہ کو عامل مقرر کیا تو انھون نے بیت المال مین سے بہت سی رقم لے لی، اور جب حضرت علیؓ نے بازپرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی مین نے اپنا پورا حق نہین لیا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارہ مین جو کفایت شعاری، اور تنگ وزری، برتی وہ خلافتِ فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت مین لوگون نے اخیر مین جو شورشین کین، اُسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمین عطا کین۔

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۶۴ و ۶۵۔

تمام کامون کا وقت پر انجام پانا

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ اُنکو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے، دار الخلافۃ سے سیکڑون ہزارون میل تک فوجین پھیلی ہوئی تھین جنکی ایک ایک حرکت، اُنکے اشارون پر موقوف تھی، انتظامات حکومت کی مختلف شاخون کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو، فقہ کی ترتیب اور افتا جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، الگ تھا اپنے ذاتی اشغال جدا تھے، تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام مین کبھی ہرج نہین ہوتا تھا، نہاوند کا سخت معرکہ جسمین تمام ایران اُمنڈ آیا تھا، پیش تھا۔ کہ عین اُسی زمانے مین سعد وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گذری، حضرت عمر نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہین رُک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجون کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدوکاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والون نے قیصر سے ملکر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اِس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجین بھیجین کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دئے، اور اہل جزیرہ۔ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔

زیاد بن حدیر، عراق مین۔ دہ یکی کی تحصیل پر مامور تھے، اُنھون نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا، اُسنے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجیے اور ۱۹ ہزار مجکو حوالہ کیجیے، دوبارہ وہ عیسائی اُنکی سرحد سے گذرا، تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمر سے شکایت کی، حضرت عمر نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو، عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل مین ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دیکر گھوڑے کو واپس لے، یہان حضرت عمر کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ "سال بھر مین دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہین لیا جا سکتا"۔ ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اُس وقت حضرت عمر کے پاس پہنچا جب وہ حرم مین خطبہ پڑھ رہے تھے،

اسی حالت مین اُسنے شکایت پیش کی، فرمایا، نہین۔ دو بار محصول نہین لیا جا سکتا۔ عیسائی چند روز مکہ مین مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر کے پاس جا کر کہا کہ مین وہی نصرانی ہون جسنے محصول کے متعلق شکایت کی تھی، حضرت عمر نے فرمایا ہان مین وہی حنیفی (مسلمان) ہون جسنے تمھارا کام انجام کر دیا، عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے[لہ]۔

رفاہ عام

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالکِ محروسہ مین کوئی شخص فقر و فاقہ مین مبتلا نہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اسکی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک مین جس قدر اپاہج، ضعیف، از کار رفتہ، مفلوج، وغیرہ ہون سب کی تنخواہین بیت المال سے مقرر کر دی جائین، لاکھون سے متجاوز آدمی فوجی دفتر مین داخل تھے، جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب[ٹہ] آٹا پکایا جائے پک کر طیار ہوا تو ۳۰ آدمیون کو بُلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اُسی قدر آٹا پکوایا اور اُسی قدر آدمیون کو کھلایا، دونون وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کر دیا جائے۔ اعلانِ عام کے لئے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہات مین لیکر کہا کہ مین نے تم لوگون کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے۔ جو شخص اسکو گھٹائیگا اُس سے خدا سمجھے گا، ایک روایت مین ہے کہ پیمانہ ہات مین لے کر یہ الفاظ فرمائے۔

انی قد فرضت لِکلِّ نفسٍ مُسلِمَۃٍ فی شہرٍ مُدی حِنطۃٍ و قسطی خلٍّ	یعنی مین نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مُد گیہون اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

[لہ] یہ دونون روایتین کتاب الخراج صفحہ ۸، و ۹، مین ہین

[ٹہ] قریباً ۲۵ سیر کا ہوتا ہے۔

اسپر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی، فرمایا ہان غلام کے لئے بھی[1]۔ غربا و مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے اُنکے روزینے مقرر کر دئے جائین۔ چنانچہ (جیسا کہ ہم اوپر ذمیون کے حقوق مین لکھ آئے ہین) بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اِس قول سے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلفُقَرَاءِ وَالمَسَاکِین فقرا سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہین[2]۔

غربا و مساکین کے روزینے

اکثر شہرون مین مہمان خانے تعمیر کرائے جہان مسافرون کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا، چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر مین لکھ آئے ہین۔ مدینہ منورہ مین جو لنگر خانہ تھا اکثر وہان خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

مہمان خانے

اولاد لقطہ یعنی گمنام بچے جنکو اُنکی مائین شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھین، اُنکے لئے سنہ ۱۸ھ مین یہ انتظام کیا کہ جہان اِس قسم کا کوئی بچہ ملے اُسکے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ اِن مصارف کے لئے اول ۱۰۰ درم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ یتیمون کی پرورش، اور اگر اُنکی جائداد ہوتی تھی تو اُسکی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے۔ اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اُسکو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایکدفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیمون کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اُسکو تجارت مین لگاؤ اور جو نفع ہو واپس دو، چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

لاوارث بچے

یتیمون کی خبر گیری

---

[1] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۴۶۰ مین ہے اور تمام تاریخون مین بھی ذرا ذرا سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے [2] بلاذری صفحہ ۴۵۲ و یعقوبی جلد دوم صفحہ ۷۱۔

قحط کا انتظام

سنہ ۱۸ھ مین جب عرب مین قحط پڑا تو عجیب وغریب سرگرمی ظاہر کی، اول بیت المال کا تمام نقد و غلّہ صرف کیا پھر تمام صوبون کے افسرون کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلّہ روانہ کیا جائے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلّہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کیے جنمین سے ایک ایک مین تین تین ہزار اردب غلّہ تھا، حضرت عمر اِن جہازون کے ملاحظہ کے لئے خود بندرگاہ تک گئے جسکا نام جار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل ہے، بندرگاہ مین دو بڑے بڑے مکان بنوائے، اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدون کا مفصل نقشہ بنائین، چنانچہ بقید نام اور مقدار غلّہ رجسٹر طیار ہوا، ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جسکے مطابق اسکو روزانہ غلّہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمر کی مہر ثبت ہوتی تھی[1]۔ اسکے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے اور قحط زدون کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمر کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا، لیکن اُنکی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جسکا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا رواج دینا ہوتا ہے۔ ایشیا مین سلاطین و امرا کی فیاضیون کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس بات کا خیال نہین کرتے کہ اس سے جہان ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے، دوسری طرف قوم کا دریوزہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے۔ یہی ایشیائی فیاضیان تھین جسنے آج ہماری قوم مین لاکھون آدمی

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمر کی نکتہ سنجی

---

[1] یہ تفصیل یعقوبی صفحہ ۰۰ مین ہے۔ اخیر کے فقرے یہ ہین ثُمَّ اَمَرَ زیدَ بنَ ثابتٍ اَن یَکتُبَ النَّاسَ عَلٰی مَنَازِلِھِم وَاَمَرَہٗ اَن یَکتُبَ لَھُم صِکَاکًا مِن قَرَاطِیسَ ثُمَّ یَختِمَ اَسَافِلَھَا فَکَانَ اَوَّلَ مَن صَکَّ وَخَتَمَ اَسفَلَ الصِّکَاکِ۔ اردب کم و بیش ۲ من کا ہوتا ہے۔

ایسے پیدا کر دئے ہین، جو خود ہاتھ پانون ہلانا نہین چاہتے اور نذر نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہین-

لیکن حضرت عمر اس سے بیخبر نہ تھے، وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگون مین کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے، جن لوگون کی تنخواہین اور خوراک مقرر کی تھین، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی- یا جنھون نے پہلے کوئی نمایان خدمت کی تھی، یا وہ جو ضعف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہین کر سکتے تھے- ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو روا نہین رکھتے تھے- محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر کے پاس آیا- حضرت عمر نے دیکھا تو اسکی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹون کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہو مانگ“، علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ مین لکھا ہے کہ ”محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگون کو جو کھانے کمانے کے قابل ہین اور باوجود اسکے صدقہ اور خیرات لیتے ہون تنبیہ و تادیب کرے“ اسکے بعد علامہ موصوف نے اسکی سند مین حضرت عمر کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے وَقَدْ فَعَلَ عُمَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ بِقَوْمٍ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ[1]-

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر مین خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے؟ اور جب لوگ کہتے کہ ”نہین“، تو فرماتے کہ یہ شخص میرے آنکھ سے گر گیا“، انکا مقولہ تھا کہ مَكْسَبَةٌ فِيهَا دَنَاءَةٌ خَيْرٌ مِنْ مَسْأَلَةِ النَّاسِ ”یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگون سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے“، مفت خوری کا موقع زیادہ تر علما و صوفیہ کو ملتا ہے، انکے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہین ہوئے تھے لیکن علماء کو انھون نے علانیہ مخاطب کر کے کہا تھا لَا تَكُونُوا عِيَالًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ

---

[1] الاحکام السلطانیۃ مطبوعۂ مصر صفحہ ۲۳۵-

یعنی مسلمانون پر اپنا بار نہ ڈالو[1]۔

جزئیات پر توجہ

حضرت عمرؓ کی تاریخ زندگی مین ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ اُنکو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا، تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے، اور اِسکے لئے اُنکو وقت اور فرصت کی تنگی نہین ہوتی تھی۔ اِن مین ایسے کام بھی ہوتے تھے جنکا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا لیکن اُنکو کسی کام سے عار نہ تھا، روزینہ دارون کے جو روزینے مقرر تھے، اکثر خود جاکر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان۔ مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہین جہان قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے۔ اِن دونون مقامون مین خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ دارون کا دفتر ہات مین ہوتا تھا۔ اُنکو دیکھکر چھوٹے بڑے، سب گھرون سے نکل آتے تھے، اور حضرت عمرؓ خود اپنے ہات سے تقسیم کرتے جاتے تھے[2]۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ مین جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہوکر اُنکے دانت گنتے اور اُنکا حلیہ قلمبند کرتے۔

محب طبری نے ابوحذیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "اُنکا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھرون پر جاتے اور عورتون سے کہتے کہ تمکو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو مین لادون، وہ لونڈیان ساتھ کردیتین، حضرت عمرؓ خود چیزین خریدتے اور اُنکے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود اُنکے گھرون پر پہنچا آتے، اور کہتے کہ فلان تاریخ تک قاصد واپس جائیگا، تم جواب لکھوا رکھو کہ اسوقت تک روانہ ہوجائے، کاغذ، قلم، دوات، خود مہیا کردیتے، اور جسکے گھر مین کوئی حرف شناس نہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے"۔

---

[1] سیرۃ العمرین لابن الجوزی۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۲۔

اُنکی سب سے زیادہ توجہ اِس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت، اُن تک پہنچنے سے اے، یہ معمول رکھا تھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد مین بیٹھ جاتے، اور جسکو جو کچھ اُن سے کہنا سُننا ری، کوئی نہوتا، تو تھوڑی دیر انتظار کرکے اُٹھ جاتے[1]۔ راتون کو دورہ کیا کرتے، سفر مین راہ چلتون ت پوچھتے، بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے اُن سے ہر قسم کی پُرسش وجو کرتے۔

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافتِ حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتین آتین اور وہ مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتین پیش کرتین، اِس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا، لیکن حضرت عمر نے اپنے زمانے مین اِس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتون مین رعایا کے قایم مقام ممبر انجام دیتے ہین، حضرت عمر کے زمانے مین مختلف اضلاع سے جو سفارتین آئین اور جس طرح اُنھون نے اپنی مقامی ضرورتین پیش کین، اسکا حال عقد الفرید وغیرہ مین تفصیل ملتا ہے۔

سفارت

اِن تمام باتون پر اُنکی تسلی نہتھی۔ فرماتے کہ عُمّال، رعایا کی پروا نہین کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہین سکتا"۔ اِس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، کا دورہ کرین اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھیرین، لیکن موت نے فرصت نہ دی، تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع مین ٹھیر کر لوگون کی شکایتین سُنین اور دادرسی کی۔ اِس سفر مین ایک پُرعبرت واقعہ پیش آیا۔ دارالخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ مین ایک خیمہ دیکھا، سواری سے اُتر کر خیمہ کے قریب گئے، ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اُس سے پوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اُسنے کہا ہان، شام سے روانہ ہو چکا، لیکن خدا

شام کا سفر اور رعایا کی خبرگیری

---

[1] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰۔

اُسکو غارت کرے، آج تک مجھکو اُسکے ہان سے ایک حبّہ بھی نہین ملا"، حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے"، بولی کہ اُسکو رعایا کا حال معلوم نہین تو خلافت کیون کرتا ہے سابقہ حضرت عمرؓ کو سخت رقّت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔

ہم اس موقع پر متعدد حکایتین اور روایتین نقل کرتے ہین، جس سے اندازہ ہوگا کہ انسان خلافت آرام و آسایش اور خبرگیری مین اُنکو کس قدر سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینۂ منورہ مین آیا اور شہر کے باہر اُترا۔ اُسکی خبرگیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ اُدھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیرخوار بچہ ماں کی گود مین رو رہا ہے، ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلاوے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اُدھر سے گذرے تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ مین آکر فرمایا کہ "تو بڑی بیرحم ماں ہے"، اُسنے کہا کہ "تمکو اصل حقیقت معلوم نہین خواہ مخواہ مجھکو دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑین بیت المال سے انکا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ مین اس غرض سے اسکا دودھ چھڑاتی ہون اور یہ اِس وجہ سے روتا ہے"، حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی اور کہا کہ "ہاے عمر! تو نے کتنے بچون کا خون کیا ہوگا"، اُسی دن منادی کرادی کہ بچے جس دن پیدا ہون اُسی تاریخ سے اُن کے روزینے مقرر کر دئے جائین۔

اسلم (حضرت عمرؓ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لئے نکلے، مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے، وہان پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہین۔ پاس جاکر حقیقتِ حال دریافت کی، اُسنے کہا کہ کئی وقتون سے بچون کو کھانا

ملا ہے، اُنکے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی مین پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر وقت اُٹھے۔ مدینہ مین آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی، اور کھجورین لین اور اسلم سے کہا پیٹھ پر رکھدو، اسلم نے کہا مین لئے چلتا ہون۔ فرمایا۔ ہان۔ لیکن قیامت مین میرا بار تم ٹھاؤگے، غرض سب چیزین خود لاد کر لائے اور عورت کے آگے رکھدین، اُسنے آٹا گوندھا نڈی چڑھائی، حضرت عمر خود چولھا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا طیار ہوا تو بچون نے خوب سیر ہو کر ھایا اور اُچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا خدا انکو جزاے خیر ے سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ عمر۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا، پاس اکر بیٹھے اور اِدھر اُدھر کی باتین شروع کین، دفعةً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر نے وچھا کون روتا ہے؟ اُسنے کہا میری بی بی دردزہ مین مبتلا ہے۔ حضرت عمر گھر پر آئے، اور ام کلثوم (حضرت عمر کی زوجہ تھین) کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ مین بھیجا، تھوڑی یر کے بعد بچہ پیدا ہوا، ام کلثوم نے حضرت عمر کو پکارا کہ امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجیے، امیر المومنین کا لفظ سُنکر بدو چونک پڑا، اور مؤدب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ”نہین کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا مین اُس بچے کی تنخواہ مقرر کردونگا“۔

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رات کو میرے مکان پر آئے، مین نے کہا آپ نے کیون تکلیف کی، مجھکو بُلا لیا ہوتا، فرمایا کہ ابھی مجھکو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اُترا ہے۔ لوگ تھکے ماندے ہونگے، آؤ ہم تم چل کر پہرہ دین، چنانچہ دونون صاحب گئے

اور رات بھر، پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب مین قحط پڑا اُنکی عجیب حالت ہوئی۔ جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی، غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائین مانگتے تھے، کہ اے خدا! محمدؐ کی امت کو میری شامتِ اعمال سے تباہ نہ کرنا۔ اسلم انکے غلام کا بیان ہے کہ "قحط کے زمانے مین حضرت عمرؓ کو جو فکر و تردد رہتا تھا، اِس سے قیاس کیا جاتا تھا، کہ اگر قحط رفع نہوگا تو وہ اسی غم مین تباہ ہوجائینگے"[1]۔

قحط کا جو انتظام حضرت عمرؓ نے کیا تھا اُسکو ہم اوپر لکھ آئے ہین۔

ایک دفعہ ایک بدوّ اُنکے پاس آیا، اور یہ اشعار پڑھے۔

یا عُمَرَ الخَیرِ جُزیتَ الجنّۃ۔	اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے
اُکسُ بُنیّاتی وَ اُمّھَنّہ	میری لڑکیون کو، اور اُنکی مان کو کپڑے پہنا
اُقسمُ باللّٰہِ لتفعلنّہ	خدا کی قسم تجھکو یہ کرنا ہوگا

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور مین تمھارا کہنا نہ کرون تو کیا ہوگا۔ بدوّ نے کہا۔

تکُونُ عَن حَالی لَتُسئلنّہ	تجھ سے قیامت مین میری نسبت سوال ہوگا
وَالوَاقفُ المسئُولُ یُبھتنّہ	اور تو ہکّا بکّا رہ جائے گا
اِمّا الیٰ نَارٍ وَ اِمّا جَنّہ	پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا

حضرت عمرؓ اِس قدر روئے کہ داڑھی تر ہوگئی۔ پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتہ اسکو دیدے اِس وقت اِسکے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہین[2]۔

---

[1] یہ تمام روایتین کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ مین مستند حوالون سے منقول ہین [2] سیرۃ العمرین و ازالۃ الخفا۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک عورت اپنے بالاخانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی۔

نطاول هذا اللّیلُ وازور جانبه	رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے
ولیس الی جنبی خلیل الاعبه	اور میرے پہلو مین یار نہین جس سے خوش فعلی کرون

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا، اور وہ اُسکے فراق مین یہ دردانگیز اشعار پڑھ رہی تھی حضرت عمر کو سخت قلق ہوا، اور کہا کہ مَینے زنانِ عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کرسکتی ہے؟ اُنھون نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوتے ہر جگہ حکم بھیجدیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن یربوع ایک صحابی تھے، جنکی آنکھین جاتی رہی تھین، حضرت عمر نے اُن سے کہا کہ آپ جمعہ مین کیون نہین آتے۔ اُنھون نے کہا "میرے پاس آدمی نہین کہ مجھکو راستہ بتائے"۔ حضرت عمر نے ایک آدمی مقرر کردیا جو ہمیشہ اُنکے ساتھ ساتھ رہتا تھا[1]۔

ایک دفعہ لوگون کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائین ہات سے کھاتا ہے پاس جاکر کہا کہ "داہنے ہات سے کھاؤ"۔ اُس نے کہا جنگ موتہ مین میرا داہان ہات جاتا رہا، حضرت عمر کو رقت ہوئی، اُسکے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تمکو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کردیا اور اسکے لئے تمام ضروری چیزین خود مہیا کردین۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ سعید بن یربوع۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب، درحقیقت، نبوت کا ایک شایبہ ہے اور امام کی فطرت، قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "وازمیانِ امت جمعے ہستند کہ جوہرِ نفسِ ایشان قریب بجوہرِ انبیا مخلوق شدہ واین جماعہ در اصل فطرت، خلفاے انبیا اند در اُمت"[1]

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہین، کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد۔ اسکی صفات کمال کا اعتراف، سزا و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسنِ اخلاق، یہی چیزین تمام مذاہب کی اصلی اصول اور احکام ہین اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتین ہین، لیکن اِن مسائل مین اشتباہ اور ابہام اِس قدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جاے تو اُن کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باوجود اسکے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب مین مشترک تھے، تاہم کم و بیش سب مین غلطیان واقع ہوئین، اسلام انھی غلطیون کے مٹانے کے لئے آیا اور ا نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ اُن پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہین ہوتین اِس لئے ہر زمانے مین اکثر لوگ، اصل حقیقت سے دُور ہو جاتے تھے اور اِسی لئے ایمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ اِن اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبرون اور مزارون کے ساتھ عوام ایک طرف، خواص کا ج طرزِ عمل ہے اسمین اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے، گو استفادہ عن القبور، اور حصولِ برکت

---

[1] ازالۃ الخفا، جلد اول صفحہ ۹۔

کے خوشنما الفاظ نے اُن پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

حضرت عمر نے اِن نازک اور مشتبہ مسائل مین جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اُسکو لوگون کے سامنے ظاہر کیا، اُسکی نظیر صحابہ کے زمانے مین بھی بہت کم ملتی ہے۔

مسئلۂ قضا و قدر

اِلٰہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے، جسمین عموماً بڑے بڑے ایمہ مذہب کو غلطیان واقع ہوئین یہان تک کہ اکابر صحابہ مین سے بھی بعضون کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عمواس مین حضرت عمر نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ مین پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہان وبا کی نہایت شدت ہے، حضرت عمر نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے اِس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے، قضای الٰہی سے ہوتا ہے، نہایت طیش مین آکر کہا اَفِرارًا مِنْ قدر اللہ یعنی کیا قضاے الٰہی سے بھاگتے ہو"

حضرت عمر نے اِس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ مین حل فرمایا[1]۔

نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللہ اِلیٰ قَدَرِ اللہِ	یعنی ہان، ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہین،

اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب مین اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قایم ہوگئی۔ حضرت عمر نے مختلف موقعون پر لوگون کو اِس غلطی مین پڑنے سے باز رکھا۔ ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔

اِنّی اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ وَّاَنَّکَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ	مین جانتا ہون کہ تو ایک پتھر ہے، نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان،

تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمر کا یہ فعل مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اسکا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے

---

[1] یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون مین مذکور ہے۔

کہ بہت سے محدثین نے جہان حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہان یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ "اُسی وقت حضرت علیؓ نے ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونون پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت مین لوگون کی نسبت کی شہادت دیگا"، لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگون سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اِس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا، اور لوگ اُسکی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھکر اُسکو جڑ سے کٹوا دیا[1]۔

ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستہ مین ایک مسجد تھی، جس مین ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی۔ اِس خیال سے لوگ اُسکی طرف دوڑے۔ حضرت عمرؓ نے لوگون کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اہل کتاب، اِنھی باتون کے بدولت تباہ ہوئے کہ انھون نے اپنے پیغمبرون کی یادگارون کو عبادتگاہ بنا لیا[2]۔

نبی کے اقوال و افعال کہان تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہین

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہین اور اسلام کے زمانے مین بھی یہ سلسلہ بند نہین ہوا۔ اکثرون کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضون نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتون کو مستثنیٰ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور، وقت اور ضرورت

---

[1] ازالۃ الخفا حصۂ دوم صفحہ ۹۱۔ علامۂ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ مین بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر مین لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات مین اِس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہے۔

[2] ازالۃ الخفا حصۂ دوم صفحہ ۹۱۔

کے لحاظ سے ہوتے ہین تشریعی اور مذہبی نہین ہوتے۔ اِس مسئلے کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہین کیا۔ خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابون مین نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان مسائل مین جہان حضرت عمر کا طریقِ عمل مختلف ہے، بڑی دلیری سے اُن پر قدح کی ہے۔ لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصبِ نبوت سے تعلق نہین رکھتے اِس لیے ان مسائل مین خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ چنانچہ اِس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔

شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قایم کیا یہ تھا، کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہین۔

مذہبی احکام کے متعلق، شروع سے دو خیال چلے آتے ہین۔ ایک یہ کہ اُن مین عقل کو دخل نہین، دوسرا یہ کہ اُسکے تمام احکام، اصولِ عقلی پر مبنی ہین۔ یہی دوسرا خیال، علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغۃ خاص اِسی فن مین ہے۔ تاہم ہر زمانے مین بہت کم لوگ اِس اصول کو تسلیم کرتے تھے، جسکی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن، عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا، اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات، بغیر چون و چرا کے مان لی جاے اور راے و عقل کو کچھ دخل نہ دیا جاے۔

لیکن حضرت عمر اسی دوسرے اصول کے قایل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہین

حضرت عمرنے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

جسنے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین لکھا ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس، حضرت عائشہ نے اس علم سے بحث کی اور اسکے وجوہ ظاہر کیئے[1]۔

شاہ صاحب نے جن لوگون کا نام لیا، اُن مین عبد اللہ بن عباس کی عمر آنحضرت کی وفات کے وقت ۱۳ برس کی تھی۔ حضرت علی کا سِن جناب رسول اللہ کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابت کا سِن آنحضرت کی ہجرت کے وقت ۱۱ برس کا تھا حضرت عائشہ آنحضرت کی وفات کے وقت کُل ۱۸ برس کی تھین۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو یہ سب بزرگ اِس علم کے ترقی دینے والے ہونگے، لیکن اوّلیت کا منصب حضرت عمر ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت عمر، مسائل شریعت، کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر انکے خیال مین کوئی مسئلہ خلافِ عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے تھے، سفر مین جو قصرِ نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اِس بنا پر تھا کہ ابتداے اسلام مین راستے محفوظ نہ تھے اور کافرون کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید مین خود اِسکا اشارہ ہے لیسَ علیکُم جُناحٌ اَن تقصرُوا مِنَ الصّلوٰۃ اِن خِفتم اَن یفتنکمُ الذِینَ کفرُوا ۔ لیکن جب راستے مامون ہوگئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر کو اِسپر استعجاب ہوا اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب سفر مین، قصر کیون کیا جاتا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ "یہ خدا کا انعام ہے"[2]۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۶۔

[2] صحیح مسلم، احادیث نماز سفر۔

حج کے ارکان مین رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت، پہلے تین دورون مین آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہین، اسکی ابتدا یون ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے مکہ مین تشریف لائے تو کافرون نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہین کر سکتے۔ آنحضرتؐ نے یہ سُنکر رمل کا حکم دیا[1]۔ اسکے بعد یہ فعل معمول ہو گیا، چنانچہ ائمۂ اربعہ اُسکو حج کی ایک ضروری سُنت سمجھتے ہین، لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا مَالَنَا وَلِلرَّمَلِ اِنَّمَا كُنَّا رَأَيْنَا بِهِ الْمُشْرِكِيْنَ وَ قَدْ اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ[2] یعنی اب ہمکو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکون کو رُعب دلانا مقصود تھا، سو اُنکو خدا نے ہلاک کر دیا۔" حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین لکھا ہے۔ رمل کے ترک کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر آنحضرتؐ کی یادگار سمجھکر رہنے دیا، عبد اللہ بن عباس جو حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے، اُن سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سُنت سمجھتے ہین، تو کہا کہ "غلط سمجھتے ہین[3]"۔

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہین کہ ایک مستقل رسالہ طیار ہو سکتا ہے، ان تمام مسائل مین یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے کے موافق ہین، اس سے بداہۃً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے اُستاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے، حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے دُنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق، کی تعلیم دی تھی اور جو آپکی بعثت کا اصلی مقصد تھا

---

[1] صحیح مسلم [2] صحیح بخاری باب الرمل۔ [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۵ حصۂ دوم ۱۲

جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق۔ حضرت عمرؓ کے فیض سے قوم مین وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومین جو اسلام مین داخل ہوتی گئین، اسی اثر سے متاثر ہوتی گئین۔

حضرت عمرؓ خود اسلامی اخلاق کی مجسّم تصویر تھے، انکا خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگون کے دلون مین اثر کرتے جاتے تھے، اور ہر شخص جو انکی صحبت مین رہتا تھا، کم و بیش اس قالب مین ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقوے سیکھ جائین"۔ مورخ مسعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اس جملے سے شروع کئے ہین کہ "انمین جو اوصاف تھے وہ انکے تمام افسرون اور عہدہ دارون مین پھیل گئے تھے"، پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی، ابو عبیدہ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور انکے اوصاف لکھے ہین

فخر و غرور کا استیصال

عرب مین جو اخلاقِ ذمیمہ، جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے، وہ نسب کا فخر و غرور، عام لوگون کی تحقیر، ہجو و بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی، حضرت عمرؓ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزین فخر و غرور کی علامت تھین بالکل مٹا دین، لڑائیون مین قبائل، اپنے قبیلون کی جے پکارا کرتے تھے اُسکو حکماً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اُٹھا دی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگون کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکرون کو کھانے پر نہین بٹھایا، تو نہایت افروختہ ہو کر کہا کہ "خدا اُن سے سمجھے جو نوکرون کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین"۔

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب وہ

مجلس سے اُٹھے تو ادب اور تعظیم کے لئے لوگ اُن کے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمر ادھر سے آنکلے، یہ حالت دیکھکر اُبی کے ایک کوڑا لگایا۔ انکو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہین؟ فرمایا اوماترٰی فِتنۃ للمتبوع ومذلۃ للتابع[1] یعنی "تم نہین جانتے یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے"۔

ہجو کی ممانعت

ہجو و بدگوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعرا جا بجا لوگون کی ہجوین لکھتے تھے اور چونکہ عرب مین شعر کو رواجِ عام حاصل تھا، اِس لئے یہ ہجوین نہایت جلد مشتہر ہو جاتی تھین اور اُن سے سیکڑون مفاسد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جُرم قرار دیا اور اسکے لئے سزا مقرر کی، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اوّلیات مین شمار کیا جاتا ہے، حُطیئہ اِس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ اور سودا کی طرح فنِ ہجو مین کمال رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اسکو طلب کرکے ایک تہ خانے مین قید کیا اور اِس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہین لکھے گا[2]۔ آنحضرتؐ کے زمانے مین قریش نے جب اور تدبیرون سے عاجز ہو کر، مسلمانون کی، اور خود آنحضرت کی شان مین ہجوین لکھنی شروع کین تو آنحضرت نے حسّان کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین حکم دیدیا کہ وہ پڑھے پڑھائے نہ جائین، کیونکہ اُن سے پُرانی رنجشین تازہ ہوتی ہین[3]۔

ہوا پرستی کی روک

عشق و ہوا پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا، شعرا زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور اِن مین اپنے معشوقون کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام

---

[1] مسند دارمی ۱۲

[2] اسد الغابۃ تذکرہ زبرقان ۱۲

[3] اغانی تذکرہ حسان بن ثابت ۱۲

ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کے زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندی و آوارگی اُنکے خمیر مین داخل ہو جاتی تھی - حضرت عمر نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتون کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائین، چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے مین اس واقعہ کو ان الفاظ مین لکھا ہے تَقَدَّمَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلَی الشُّعَرَاءِ اَنْ لَا یَتَشَبَّبَ اَحَدٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا جَلَدَهٗ -

شاعری کی اصلاح

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اُسکو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے مارے جاتے تھے اُنھون نے ۴۰ سے ۸۰ کر دئے -

شراب خواری کی روک

ان سب باتون کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اسکے کہ اس زمانے مین دولت کی کثرت، اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مُہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت مین مبتلا نہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی -

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ، آزادی اور خودداری ہے - اس لئے حضرت عمر نے اسپر بہت توجہ کی، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمر کے سوا اور خلفا کی تاریخ مین نہین ملتی - بنوامیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہان تک کہ عبد الملک نے قطعی حکم دیدیا کہ کوئی شخص اسکے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے - حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہین کیا لیکن اُسکے خطرات کی روک تھام نکر سکے جسکی بدولت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی، اور جناب امیر کو جمل و صفین کے معرکے جھیلنے پڑے، برخلاف اسکے حضرت عمر نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ

آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا

حکومت کے جبروت مین ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعون پر تقریر و تحریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے، اور ادنی سے ادنی آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہوکر نہین رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہات سے مجمع عام مین سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور اُنکے بیٹے کی طرف مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے۔

مُذْ کَمْ تَعَبَّدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا[1]	یعنی "تم لوگون نے آدمیون کو غلام کب سے بنالیا؟ اُنکی ماؤن نے تو اُن کو آزاد جنا تھا"

عرب مین جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے، اور ان سے کم رتبہ لوگ اُنکو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے "جعلني الله فداءك" "بابي وامي" یعنی خدا مجھکو آپ پر قربان کردے "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہون"۔

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی مختلف موقعون پر اُنکی نسبت ناراضی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود اُنکی شان مین کہا تھا کہ جعلني الله فداءك تو فرمایا کہ اذاً يُهِينُكَ الله یعنی "اگر خدا ایسا کریگا تو تجھکو ذلیل کریگا"۔ حضرت عمر کے اس طریق عمل نے لوگون کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کردیا تھا اسکا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ اُنھون نے ممبر پر چڑھکر کہا، صاحبو! اگر مین دنیا کی طرف جھک جاؤن تو

---

[1] کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۵۔

تم لوگ کیا کروگے؟ ایک شخص وہین کھڑا ہوگیا اور تلوار میان سے کھینچکر بولا کہ تمھارا سر اڑا دینگے"۔ حضرت عمرؓ نے اسکے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان مین یہ لفظ کہتا ہے؟ اسنے کہا "ہان ہان تمھاری شان مین"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "الحمدللہ قوم مین ایسے لوگ موجود ہین کہ مین کج ہونگا تو مجھکو سیدھا کردینگے"۔

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگون نے عیسائی عورتون سے شادیان کرین تھین۔ حضرت عمرؓ نے حذیفۃ بن الیمان کو لکھا کہ مین اسکو ناپسند کرتا ہون، اُنھون نے جواب مین لکھا کہ یہ حکم آپکی ذاتی راے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ میری ذاتی راے ہے حذیفۃ نے لکھ بھیجا کہ آپکی ذاتی راے کی پابندی ہم لوگون پر ضرور نہین، چنانچہ باوجود حضرت عمرؓ کی ممانعت کے کثرت سے لوگون نے شادیان کین۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ نے تمام عمالون کا مال و اسباب نیلام کرکے، آدھا بیت المال مین داخل کردیا تو ایک عامل نے جسکا نام ابوبکرۃ تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال مین داخل کرنا چاہیئے تھا، اور ہمارا تھا تو اُس مین سے تمکو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمرؓ کی تقلید اور اُنکی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعتِ اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیکخوئی، حلم و تواضع، جرأت و آزادی، حق پرستی، و بے نیازی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے مرقع مین اُس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ مین یہ خط و خال صاف نظر آتے ہین۔

اجتہادی حیثیت

محدث و فقیہ ہونا

حدیث و فقہ کا فن، درحقیقت، تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہ مین اور

اجتہاد کا منصب
حدیث و فقہ

لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ اُنکی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتدا حضرت عمر سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد، اول انہی نے قائم کئے۔

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر نے کیا یہ تھا کہ روایتون کی تفحص و تلاش پر توجہ کی آنحضرت کے زمانے مین احادیث کے استقصار کا خیال نہین کیا گیا تھا۔ جسکو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثین محفوظ نہ تھین۔ حضرت ابوبکر کے زمانے مین زیادہ ضرورتین پیش آئین، اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقرار کا راستہ نکلا، حضرت عمر کے زمانے مین چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلمون کی کثرت نے سیکڑون نئے مسائل پیدا کر دئے تھے، اس لحاظ سے اُنھون نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے موافق طے کئے جایئن۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمر مجمع عام مین جسمین اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے، پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ۔ غسل جنابت۔ جزیہ مجوس۔ اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہین جنکی نسبت، کتب حدیث مین نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے مجمع صحابہ سے استفسار کرکے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

احادیث کا
تفحص

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے اُسی قدر اُسکو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلون کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لئے اسکی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیرین اختیار کین۔

حدیثون کی
اشاعت

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کرکے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے انکی عام اشاعت ہو جاتی تھی، یہ حدیثین اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھین۔

(۲) صحابہ مین جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے انکو مختلف ممالک مین حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین، "چنانچہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبد اللہ بن مغفل، و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادۃ بن صامت، و ابو درداء را بشام و معاویۃ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکنند[1]۔

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمر نے حدیث کی اشاعت مین گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثین روایت کین چنانچہ کُل وہ مرفوع احادیث جو اُن سے بروایت صحیح مروی ہین ستر سے زیادہ نہین، یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع مین یہان ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مُسلّم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جسمین راے اور اجتہاد کو دخل نہین تو گو وہ رسول اللہ صلعم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اُسنے رسول اللہ سے سُنا ہے۔ اور واقع مین یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمر نے مثلاً تمام ممالک مین لکھ بھیجا کہ "زکوۃ فلان فلان چیزون پر فرض ہے اور اِس حساب سے فرض ہے"، تو اِس احتمال کا محل نہین کہ حضرت عمر خود شارع ہین اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہین، لامحالہ اسکے یہی معنی ہونگے کہ آنحضرت

---

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۶ حصہ دوم۔

نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اِس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمر نے حدیث کا مطلب صحیح نہین سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسولؐ اللہ نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو۔ بلکہ حضرت عمر نے اُسکو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا لیکن یہ احتمال خود اُن احادیث مین بھی قائم رہتا ہے جن مین صحابی نے علانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہے

اِس اصول کی بنا پر، حضرت عمر نے خُطبون مین، تحریری ہدایتون مین، فرامین مین نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ وغیرہ کے متعلق جو اُصولی مسائل بیان کئے وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہین گو۔ اُنھون نے آنحضرتؐ کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہین، "ہفتم آنکہ مضمونِ احادیث در خُطبِ خود ارشاد فرمایند تا اصل احادیث بآن موقوفِ خلیفہ قوت یابد، یارا اینکہ بغور سخن نمیرسند در مند انکہ متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح نشد مگر شش حدیث، واز فاروق اعظم بہ صحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث، این را نمی فہمند ومی دانند کہ حضرت فاروق تمام علمِ حدیث را اجمالاً تقویت دادہ و اعلان نمود"[1]

احادیث مین فرقِ مراتب

حدیث کے تفحص و جستجو، اور اشاعت و ترویج کے متعلق، حضرت عمر نے جو کچھ کیا، اگرچہ وہ خود بھی مہتم بالشان کام تھے لیکن اِس باب مین، اُنکی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو اُنھی کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اسوقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمر نے اسمین جو نکتہ سنجیان کین اور جو فرق مراتب پیدا کیا اُسپر کسی کی نگاہ نہین پڑی تھی۔ سب سے پہلے انھون نے اِسپر لحاظ کیا کہ احادیث مین زیادہ قابل اعتنا کس قسم

---

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۶۔

کی حدیثین ہین؟ کیونکہ گو۔ رسول اللہ کا ہر قول وفعل عقیدت کیشون کے لئے گنجینۂ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الاہم فالاہم۔ اس بنا پر حضرت عمر نے تمامتر توجہ اُن احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے، جو حدیثین ان مضامین سے الگ تھین، اُنکی روایت کے ساتھ چندان اعتنا نہین کیا۔ اسمین ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال وافعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہین، اور وہ جو بشری حیثیت سے ہین، باہم مختلط نہونے پائین۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "باستقراء تام معلوم شد کہ فاروق اعظم۔ نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع وتکمیل افراد بشر تعلق دارد، از غیر آن، مصروف می ساخت، لہذا احادیث شمائل آنحضرت صلعم واحادیث سنن زوائد در لباس وعادات کمتر روایت می کرد۔ بدو وجہ، یکی آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ وتشریعیہ نیست، یحتمل کہ چون اہتمام تام بروایت آن بکار برند بعض اشیاء از سنن زوائد بہ سنن ہدی مشتبہ گردد"[1]۔

حضرت عمر نے اُن حدیثون کی روایت کا بھی اہتمام نہین کیا جسمین الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائین منقول تھین، حالانکہ بہت سے بزرگون کی روایتون مین بڑا دفتر اسی قسم کی حدیثون کا ہے۔ اسکی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ "حضرت عمر اِس بات کو جانتے تھے کہ "دعا کے قبول وعدم قبول کا مدار خلوص وتضرع پر ہے نہ الفاظ پر"[2]۔

سب سے بڑا کام جو حضرت عمر نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثون کی تحقیق وتنقید

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱۔ [2] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱۔

اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایات کی چھان بین

آجکل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت کی طرف منسوب کردیجاتی ہے گو صحیح نہو۔ اُسکو فوراً رواج اور قبول حاصل ہوجاتا ہے، اسی بنا پر یہودیون کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ مین شامل ہوگئین۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعدیل اُنکے نزدیک ثابت ہوجاتی تھی تو پھر اُنکو زیادہ پرس وجو نہین ہوتی تھی، اسکے ساتھ۔ قرن اول کی نسبت اُنھون نے یہ عام کلیہ قایم کرلیا کہ کسی واقعہ مین ضعف کا احتمال نہین ہوسکتا۔ لیکن حضرت عمر اِس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزین خصائص بشری ہین اُن سے کوئی زمانہ مستثنے نہین ہوسکتا، اِس لئے وہ احادیث کی چھان بین مین تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانۂ مابعد مین پیدا کئے۔ ایک دفعہ ابوموسے اشعری، اُن سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کی طور پر کہا کہ "السلام علیکم۔ ابوموسیٰ حاضر ہے"، حضرت عمر اُس وقت کسی کام مین مصروف تھے اس لئے متوجہ نہو سکے۔ کام سے فارغ ہوچکے تو فرمایا کہ ابوموسیٰ کہان ہین؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیون واپس گئے؟ اُنھون نے کہا کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر اسپر بھی اجازت نہ ملے، تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر نے فرمایا اِس روایت کا ثبوت دو، ورنہ مین تمکو سزا دونگا، ابوموسیٰ اشعری صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی، چنانچہ ابوسعید نے آکر شہادت دی کہ مین نے رسول اللہ سے یہ حدیث سُنی ہے، حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ عمر! تم رسول اللہ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ مین نے ایک واقعہ

سُنی اور اسکی تصدیق کرنی چاہی[۱]۔

فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاقِ باین دی جائے اُسکو عدت کے زمانے تک نان ونفقہ اور مکان ملنا چاہیئے یا نہین؟ قرآن مجید مین ہے کہ اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیئے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے فاطمہ بنت قیس۔ ایک صحابیہ تھین اُنکو انکے شوہر نے طلاق بائن دی، وہ آنحضرت کے پاس گئین کہ مجھکو نان ونفقہ کا حق ہے یا نہین، انکا بیان ہے کہ آنحضرت نے فرمایا "نہین"، فاطمہ نے یہ روایت، حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمرؓ نے کہا لَا نَتْرُکُ کِتَابَ اللّٰہِ بِقَوْلِ امْرَءَۃٍ لَا نَدْرِیْ لَعَلَّھَا حَفِظَتْ اَوْ نَسِیَتْ یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہین چھوڑ سکتے۔ معلوم نہین اسکو حدیث یاد رہی۔ یا نہین"۔

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مغیرہ نے اسکے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عباس کے مقدمہ مین جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگون نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھکو تمھاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن مین نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا[۲]۔

---

[۱] یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم باب الاستیذان مین مذکور ہے [۲] یہ دونون روایتین تذکرۃ الحفاظ مین حضرت عمرؓ کے حال مین مذکور ہین ۱۲

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ روایت مین خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے اس لئے روایت کے بارے مین سخت احتیاط شروع کی، اسکے متعلق اُنھون نے جو بندشین کین - آج کل لوگون کو اُن پر مشکل سے یقین آسکتا ہے، اس لئے مین اس موقع پر خود کچھ نہ لکھونگا بلکہ بہت بڑے بڑے محدثون نے جو کچھ لکھا ہے اُسکو نقل کرکے لفظی ترجمہ کردونگا -

علامہ ذہبی جن سے بڑھکر اُنکے بعد کوئی محدث نہین گذرا، اور جو حافظ ابن حجرؒ و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہین، تذکرۃ الحفاظ مین حضرت عمرؓ کے حالات مین لکھتے ہین -

وَقَدْ كَانَ عُمَرُ مِنْ وَجَلِهِ يُخْطِي الصَّاحِبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ - يَاْمُرُهُمْ اَنْ يُقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ نَبِيِّهِمْ وَلِئَلَّا يَتَشَاغَلَ بِالْاَحَادِيْثِ عَنْ حِفْظِ الْقُرْاٰنِ - عَنْ قَرَظَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ لَمَّا سَيَّرَنَا عُمَرُ اِلَى الْعِرَاقِ مَشٰى مَعَنَا عُمَرُ وَقَالَ اَتَدْرُوْنَ لِمَ شَيَّعْتُكُمْ قَالُوْا نَعَمْ مَكْرَمَةً لَنَا - قَالَ وَمَعَ ذٰلِكَ فَاِنَّكُمْ تَاْتُوْنَ اَهْلَ قَرْيَةٍ لَهُمْ دَوِيٌّ بِالْقُرْاٰنِ كَدَوِيِّ النَّحْلِ فَلَا تَصُدُّوْهُمْ بِالْاَحَادِيْثِ فَتَشْغَلُوْهُمْ جَرِّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاَقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا شَرِيْكُكُمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَرَظَةُ قَالُوْا

کثرت روایت سے روکنا

یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہؓ آنحضرت سے روایت کرنے مین غلطی نکرین صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کرین اور تاکہ لوگ حدیث مین مشغول ہوکر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہو جائین - قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ نے ہمکو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے، اور کہا تمکو معلوم ہے مین کیون تمھارے ساتھ ساتھ آتا ہون؟ لوگون نے کہا ہماری عزت بڑھانیکو، فرمایا کہ ہان لیکن اسکے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تملوگ ایسے مقام مین جاتے ہو جہان کے لوگون کی آواز شہد کی مکھی کیطرح قرآن پڑھنے مین گونجتی رہتی ہے - تو انکو حدیثون مین نہ پھنسا لینا، قرآن مین آمیزش نکرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور مین تمھارا شریک ہون پس جب قرظہ وہان پہنچے تو لوگون نے کہا

حدثنا - فقال نهانا عمرؓ + عن ابي سلمة عن	کہ حدیث بیان کیجیے - انھون نے کہا کہ عمرؓ نے ہمکو منع کیا ہی ابو سلم
ابي هريرة - قلت له - كنت تحدث	کہتے ہین کہ مینے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے
في زمان عمر هكذا فقال لو كنت احدث	مین بھی اسی طرح حدیثین روایت کیا کرتے تھے -
في [illegible] مثل ما احدثكم لضربني بمخفقته	انھون نے کہا کہ اگر مین ایسا کرتا تو - عمر مجھکو دُرّے سے
ان عمر حبس ثلثة - ابن مسعود - و	مارتے - حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود و ابودرداء و ابو مسعو
ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاري -	کو محبوس کیا اور کہا کہ تم لوگون نے آنحضرت سے
فقال قد اكثرتم الحديث عن رسول	بہت حدیثین روایت کرنی شروع
الله صلى الله عليه وسلم -	کین -

مسند دارمی مین قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے، اس سے فرائض اور سُنن مقصود نہین، شاہ ولی اللہ صاحب - دارمی کے قول کو نقل کرکے لکھتے ہین، میرے نزدیک، آنحضرت کے شمائل اور عادات کی حدیثین مراد ہین - کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہین یا وہ حدیثین مقصود ہین جنکے حفظ اور ضبط مین کافی اہتمام نہین کیا گیا[1]۔

حضرت عمرؓ کے کم روایت کرنے کی وجہ

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہین - حضرت عمرؓ کا مقصد خود اُنھی کی تصریح سے معلوم ہوسکتا ہے، مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہین، انساب الاشراف مین روایت کی ہے کہ لوگون نے اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا تو اُنھون نے فرمایا -

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم -

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم به ۔	یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے مین مجھسے کمی بیشی ہوجائیگی تو مین حدیث بیان کرتا۔

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسندِ متصل روایت کیا ہے اور اُسکے رُواۃ یہ ہین، محمد بن سعد۔ عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابوحنیفہ) موسیٰ بن طلحۃ۔ ابوالتوکتیہ

حضرت عمر کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اورون کی نسبت بھی ہونا چاہیئے تھا۔ اِس خیال کی تصدیق اِس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود جو مقاماتِ علمی مین حضرت عمر کے تربیت یافتۂ خاص تھے، اُنکی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔

یشتد فی الروایة ویزجر تلامذته عن التهاون فی ضبط الالفاظ[1]	یعنی "وہ روایت مین سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردون کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے مین بے پروائی نکرین"۔

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثین روایت کرتے تھے یہان تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہین کہتے تھے[2]۔ حضرت عمر کو روایت کے بارے مین جو احتیاط تھی۔ اگرچہ اُن سے پہلے بھی اکابرِ صحابہ کو تھی، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین حضرت ابوبکر کے حال مین لکھا ہے کہ "سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب مین احتیاط کی وہ ابوبکر تھے"، علامۂ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ "حضرت ابوبکر نے ۵۰۰ حدیثین قلمبند کی تھین لیکن پھر انکو آگ مین جلادیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ مین نے ایک شخص کو ثقہ سمجھکر اُسکے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہو"۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ تذکرۂ عبداللہ بن مسعود۔ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۴ سطر ۳۔

لیکن حضرت عمر کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط مین فرق تھا، اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ و عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن حضرت عمر راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اِس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہین۔ حضرت عائشہ نے اِسی بنا پر حضرت ابوہریرۃ پر اکثر مواخذات کیئے ورنہ حضرت ابوہریرۃ کے ثقہ ہونے مین اُنکو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمر کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثین کم روایت کی گئین لیکن جس قدر روایت کی گئین وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھین، انکے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہوگئی لیکن اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا کہ "ہرچند جمیع صحابہ عُدول اند و روایت ہمہ مقبول، و عمل بموجب آنچہ بروایتِ صدوق ازیشان ثابت شود، لازم، امّا درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمنِ فاروق اعظم بود، و آنچہ بعد وی حادث شدہ فرق مَابَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْض ست[1]۔

صحابہ مین جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمر نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدّد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پا سکا، لیکن محققین صحابہ مین یہ خیال بے اثر نہین رہا۔ عبداللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند دارمی وغیرہ مین جابجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت اُنکے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرت کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اِسکے مشابہ، یا اِسکے قریب، یا اِسکے مثل" ابودردا

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱۔

اور حضرت انس جو بہت بڑے صحابی تھے انکا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ مین عبد اللہ بن عمر کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت مین اُن سے صرف ایک حدیث سُنی۔ ثابت بن قطبۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر مہینہ بھر مین صرف دو تین حدیث روایت کرتے تھے، سایب بن یزید کا قول ہے کہ مین سعد وقاص کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا۔ لیکن اُنھون نے اس مُدت مین ایک حدیث بھی روایت نہین کی، چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتین، صحیح دارمی مین بہ سند متصل منقول ہین[1]۔

سند اور روایت کے متعلق۔ حضرت عمر نے جو مقدم اصول قائم کئے، انکو، اجمالاً یون بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضرور ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا۔ روایت کے اعتماد کے لئے کافی نہین۔

(۳) خبر واحد۔ مین تائیدی شہادت کی حاجت ہے جسکو محدثین کی اصطلاح مین تابع اور شاہد کہتے ہین۔

(۴) خبر واحد۔ ہمیشہ قابل حجت نہین ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار مین۔ موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

علم فقہ

فقہ کا فن تمامتر حضرت عمر کا ساختہ و پرداختہ ہے، اس فن کے متعلق اُنکی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی مین ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے

---

[1] سند دارمی مطبوعۂ مطبع نظامی کانپور از صفحہ ۴۵ تا ۴۰۔

کہا کہ "فتوی دینا اُس شخص کا کام ہے جو، یا امام ہو، یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو"، لوگون نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے؟ خدیفہ نے کہا عمر بن خطاب"۔ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ "اگر تمام عرب کا علم، ایک پلہ مین رکھا جاے اور عمر کا علم، دوسرے پلہ مین، تو عمر کا پلہ بھاری رہیگا"[1]، علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے جو مدرسۂ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے، فقہا کے حالات مین ایک کتاب لکھی ہے، اُسمین حضرت عمر کے تذکرہ مین، صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہین اور اخیر مین لکھا ہے۔

ولولا خوف الاطالة لذكرت من فقهه ما يتحير فيه كل فاضل۔	یعنی اگر تطویل کا خوف نہوتا تو مین حضرت عمر کے فتوی اور انمین جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہین، اسقدر لکھتا کہ فضلا حیران رہ جاتے۔

فقہ کے تمام سلسلون کے مرجع، حضرت عمر ہین

علامۂ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہم اُسکو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چل کر لکھین گے لیکن پہلے یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام مین قائم ہین، سب کا مرجع، حضرت عمر کی ذات با برکات ہے۔ بلادِ اسلام مین جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہین وہ یہ ہین۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ اِس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانیِ فن، انھی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً۔ مکہ معظمہ کے شیخ عبد اللہ بن عباس تھے۔ مدینۂ منورہ کے زید بن ثابت، و عبد اللہ بن عمر، کوفہ کے۔ حضرت علی۔ عبد اللہ بن مسعود۔ و ابو موسیٰ اشعری، شام کے ابو درداء، و معاذ بن جبل۔ اِنمین (حضرت علی کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اور خاصکر عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ

---

[1] استیعاب قاضی ابن عبد البر و ازالۃ الخفا صفحہ ۸۵ حصہ دوم۔

بن عمر، عبداللہ بن مسعود تو اُنکے ساختہ و پرداختہ تھے۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ عمر کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا مین سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہون[1]"۔ عبداللہ بن عباس کو حضرت عمر نے گویا اپنے دامنِ تربیت مین پالا تھا۔ یہان تک کہ لوگون کو اسپر رشک ہوتا تھا صحیح بخاری مین[2] خود حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر مجھکو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اِسپر بعض بزرگون نے کہا کہ آپ اِس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیون شریک کرتے ہین، اور ہمارے لڑکون کو جو اِنکے ہمسر ہین کیون یہ موقع نہین دیتے، حضرت عمر نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جسکی قابلیت تمکو بھی معلوم ہے"۔

محدث عبدالبر نے استیعاب مین لکھا ہے۔ کان عمر یحبُّ ابن عبّاسٍ و یقرّبہٗ یعنی حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور اُن کو تقرب دیتے تھے"، اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر کی مجلس مین کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباس اِسکا جواب دینا چاہتے، لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمر انکی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم، سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہین ہے"، کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئیگا کہ دونون مین اُستاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمر حضرت عمر کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابت۔ برسون حضرت عمر کی صحبت مین تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمر۔ عبداللہ بن مسعود۔ اور زید بن ثابت باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اِسی وجہ سے اُنکے مسائل باہم

---

[1] استیعاب قاضی بن عبدالبر و ازالۃ الخفا صفحہ ۳۱۹ حصۂ اول۔ [2] صحیح بخاری صفحہ ۶۱۵ مطبوعۂ مطبع احمدی میرٹھ۔

ملتے جلتے ہین[1]"۔

صحابہ مین چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب مین چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسے اشعری، امام محمد نے کتاب الآثار مین روایت کی ہے سِتَّةٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَذَاکَرُوْنَ الْفِقْهَ بَیْنَھُمْ۔ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ اُبَیٌّ وَ اَبُوْ مُوْسٰی عَلٰی حِدَۃٍ وَ عُمَرُ وَ زَیْدٌ وَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، یعنی اصحاب رسول اللہ مین سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ مین بحث و مذاکرہ کرتے تھے علی، اُبی۔ اور ابو موسی اشعری ایک ساتھ، اور حضرت عمر، زید۔ اور ابن مسعود ایک ساتھ"، صفوان بن سلیم کا قول ہے۔ لَمْ یَکُنْ یُفْتِیْ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیْرُ عُمَرَ وَ عَلِیٍّ وَ مُعَاذٍ وَ اَبِیْ مُوْسٰی[2] یعنی آنحضرت کے زمانے مین صرف چار شخص فتوے دیتے تھے عمر، علی، معاذ، ابو موسی" امام شعبی کا مقولہ ہے کَانَ الْعِلْمُ یُؤْخَذُ عَنْ سِتَّةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ[3] یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ تحدید، بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزارون صحابہ مین صرف ۴ یا ۶ فقیہون کی تعداد، خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہین جن مین حدیثِ صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اُسکے معارض بھی نہین، ان مسائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اِسکے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہین جسکی نسبت، حدیث مین کوئی حکم بتصریح موجود نہین۔ بلکہ قواعدِ استنباط کے

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۳۸۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابو موسی اشعری۔ [3] فتح المغیث صفحہ ۳۸۱۔

ذریعہ سے حکم مستخرج ہوتا ہے، یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثین اسکی معارض ہین، ایسی صورتون مین اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ مین ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ انکی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے، لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انھی لوگون کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجے کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جنکا ذکر اوپر گذرا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبون یعنی عمرؓ علی۔ ابن مسعود۔ ابن عباس کا نام لکھکر لکھتے ہین۔

وَاَمَّا غَیرُ هٰؤُلَاءِ الْاَربَعَة فَکَانُوا یَروُونَ دَلَالَةً وَلٰکِن مَا کَانُوا یُمَیِّزُونَ الرُّکنَ وَالشَّرطَ مِنَ الْاٰدَابِ وَالسُّنَنِ وَلَم یَکُن لَهُم قَولٌ عِندَ تَعَارُضِ الْاَخبَارِ وَتَقَابُلِ الدَّلَائِلِ اِلَّا قَلِیلًا کَابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَزَیدِ بنِ ثَابِتٍؓ۔	یعنی ان چار کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط مین امتیاز و تفریق نہین کر سکتے تھے۔ اور جہان حدیثین متعارض ہوتی تھین اور دلائل مین تقابل ہوتا تھا وہان وہ (بجز بعض بعض موقعون کے) دخل نہین دیتے تھے۔ مثلاً ابن عمر۔ عائشہ۔ زید بن ثابت۔

بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ انکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی کے ہمصحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فنِ حدیث و روایت مین بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ مین ہے کہ "عبد اللہ بن مسعود کے ساتھیون کے سوا، حضرت علی سے جن لوگون نے روایتین کین، اُن پر اعتبار نہین کیا جاتا تھا"، معاذ بن جبل کو خود حضرت عمر نے تعلیم و روایت کے لئے شام بھیجا تھا۔ لیکن انکا ۱۸ھ مین انتقال ہوگیا، اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۰۔

"حدیث او چندان باقی نماند"[1]، عبداللہ بن مسعود، اور ابو موسیٰ اشعری حضرت عمر کے خاص شاگردون مین تھے، ابو موسیٰ اشعری کو حضرت عمر اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت بھی در اصل حضرت عمر کے مقلد تھے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "و زید بن ثابت نیز در اکثر متبع اوست"[2]، ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ مین جن لوگون کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر نے مسائل فقہیہ مین جسقدر فکر اور خوض کیا تھا صحابہ مین سے کسی نے نہین کیا تھا۔ اُنھون نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید مین جو مسائل فقہ مذکور ہین، انمین جہان ابہام ہوتا تھا وہ۔ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور جب تک پوری تسلی نہین ہوتی تھی بس نہین کرتے تھے، یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ انکے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت مین کہنے سُننے کی جرأت نہین رکھتا تھا، کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے، انھون نے آنحضرت سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی اخیر آیت تیرے لئے کافی ہوسکتی ہے[3]۔

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے اُنکو یادداشت کی طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُن پر غور کیا کرتے، وقتاً فوقتاً اُنکے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُسکو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اسمین بھی محو و اثبات کیا کرتے، پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اسکو محو کر دیا اسکا حال امام محمد نے موطا مین لکھا ہے[4]۔ قسطلانی نے شرح بخاری مین معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے سنو مختلف رائین قایم کین، بعض بعض مسائل کے

مشکل مسائل کو قلمبند کرنا

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۰۸ حصہ دوم [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۸ حصہ دوم [3] مسند امام احمد حنبل۔ [4] موطا امام محمد صفحہ ۳۱۶۔

دینی مسائل مین وقتاً فوقتاً غور کرتے رہنا

متعلق انکو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی راے نہ قائم کرسکے، مسند دارمی مین ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انھون نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اسکو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اسکا فیصلہ کیجیے گا" اسی کتاب مین یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر زخمی ہوے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ مین نے دادا کی میراث کی نسبت راے قائم کی تھی، اگر آپ لوگ چاہین تو اسکو قبول کرین، حضرت عثمان نے کہا آپکی راے ہملوگ قبول کرین تب بھی بہتر ہے لیکن ابوبکر کی راے مانین تو وہ بڑے صاحب راے تھے۔ "اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسئلون کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے کلالہ- دادا کی میراث- ربا کی بعض اقسام"۔ مسائل فقہیہ کے متعلق انکو جو کد و کاوش رہتی تھی اُسکے اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی، ورثہ کے بیان مین خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید مین اسکی تعریف مفصل مذکور نہین اس لئے صحابہ مین اختلاف تھا کہ کلالہ مین کون کون ورثہ داخل ہین- حضرت عمر نے خود آنحضرت سے چندبار دریافت کیا- پر تسلی نہین ہوئی تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے مین تمام صحابہ کو جمع کرکے اس مسئلے کو پیش کیا- لیکن ان تمام باتون پر انکو کافی تسلی نہین ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزون کی حقیقت بتا جاتے تو مجھکو دنیا اور ما فیہا سے زیادہ عزیز ہوتی- خلافت- کلالہ- ربا- چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے صحیح حدیثون کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن مین نقل کیا ہے۔

چونکہ آنکے زمانے مین فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھین اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئلون کا پیدا ہونا

اسلیے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلین پیش آتی جاتی تھین۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ مین سے تھے، تاہم بہت سے مسائل مین وہ لوگ عاجز آتے تھے اور بارگاہِ خلافت کیطرف رجوع کرنا پڑتا تھا، اس بنا پر حضرت عمر کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی، اُنکے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابون مین منقول ہین، زیادہ تر انھی مسائل کے متعلق ہین جو ممالک مختلفہ سے اُنکے پاس جواب کے لئے آئے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ مین فتوؤن کے ساتھ، فتوے پوچھنے والون کے نام بھی موجود ہین، مثلاً عبد اللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری، ابو عبیدہ جراح، مغیرہ بن شعبہ، وغیرہ وغیرہ،

لوگون کا حضرت عمر سے استفتا کرنا

حضرت عمر، اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا اُنکی راے بھی فتوے کے لئے کافی ہوسکتی تھی تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کی مجلس مین پیش کرتے تھے اور اُن پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثین ہوتی تھین، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف مین لکھا ہے کہ حضرت عمر نے کسی ایسے مسئلہ کو، جو اُن سے پہلے طے نہین ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورے کے فیصل نہین کیا، شاہ ولی اللہ صاحب۔ حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین۔

صحابہ کے مشورے سے مسائل کو طے کرنا

كَانَ مِنْ سِيْرَةِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يُشَاوِرُ الصَّحَابَةَ وَيُنَاظِرُهُمْ حَتّٰى تَنْكَشِفَ الْغُمَّةُ وَيَاْتِيَهُ الثَّلَجُ فَصَارَ غَالِبُ قَضَايَاهُ وَفَتَاوَاهُ مُتَّبَعَةً فِيْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا	حضرت عمر کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہان تک کہ پردہ اُٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر کے فتوون کی تمام مشرق و مغرب مین پیروی کی گئی۔

حضرت عمر نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع مین پیش کرکے طے کیا اُنکی تعداد کچھ کم نہین اور

کتب احادیث و آثار مین اُنکی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص مین (بیہقی نے اسکی تصریح بھی کی ہے) صحابہ مین اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائین چنانچہ متفقہ مجلس مین وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہ نے ایک راے پر اتفاق کیا لیکن حضرت علیؓ اور معاذ مخالف رہے، حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہوکر مختلف الراے ہین تو آگے چل کر کیا حال ہوگا؟ غرض ازواج مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اُٹھا رکھا گیا اور اُنھون نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہ مین بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جسمین یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جاے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرتؐ نے پڑھی اسمین چار تکبیرین کہی تھین" اس طرح اور بہت سے مسائل ہین لیکن یہ تفصیل کا محل نہین،

مسائل اجماعیہ

حضرت عمرؓ کے
مسائل فقہیہ
کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل، حضرت عمرؓ سے بروایاتِ صحیحہ منقول ہین اُنکی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے، اُنمین سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہین جو فقہ کے مُقدم اور اہم مسائل ہین اور اِن تمام مسائل مین ائمہ اربعہ نے اُنکی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "وہمچنین مجتہدین، در رؤس مسائل فقہ، تابع مذہب فاروق اعظم اند و این قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً[1]"، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ مین یہ مسائل منقول ہین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اِنکی مدد سے فقہ فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھکر ازالۃ الخفا مین شامل کر دیا ہے،

یہ تمام بحث، تدوینِ مسائل کی حیثیت سے تھی، لیکن فن فقہ کے متعلق، حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ

---

[1] ازالۃ الخفا حصۂ دوم صفحہ ۸۴۰-

اور چیز ہے، انھون نے صرف یہ نہین کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دئے جنکو آج کل اصولِ فقہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اصول فقہ

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال و افعال منقول ہین وہ کلیۃً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہین یا اُنمین کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ مین ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت سے جو افعال اور اقوال مروی ہین، انکی دو قسمین ہین، ایک وہ جو منصب نبوّت سے تعلق رکھتے ہین، انکی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے وہ لو، اور جس چیز سے رُوکے اُس سے باز رہو۔۔ دوسری وہ جنکو منصب رسالت سے تعلق نہین چنانچہ اُنکے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِہٖ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ رَایٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ	یعنی مین آدمی ہون، اسلئے جب مین دین کی بابت کچھ حکم دون، تو اسکو لو، اور جب اپنی رای سے کچھ کہون تو مین ایک آدمی ہون"۔

اسکے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین کہ آنحضرتؐ نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا۔ یا جو افعال آنحضرت سے عادۃً صادر ہوے نہ عبادۃً، یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً، یا جو باتین آنحضرت نے، مزعوماتِ عرب کے موافق بیان کین۔ مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتین کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کین۔ مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے اور بہت سے احکام یہ سب دوسری قسم مین داخل ہین[1]"۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۳۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب مین جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحبِ نظر انکار نہین کرسکتا۔ اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمرؓ ہین کتب سیر اور احادیث مین تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی، مثلاً صحیح بخاری مین ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ، منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہین"

قیدیانِ بدر کے معاملے مین اُنکی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی، صلح حدیبیہ مین اُنھون نے آنحضرتؐ کی خدمت مین عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیون صلح کی جائے"، ان تمام مثالون سے تم خود اندازہ کرسکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتون کو منصبِ نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتین منصبِ رسالت سے تعلق رکھتی تھین، اُن مین دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار، ہم اُنکو، اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرقِ مراتب کے اصول پر بہت سی باتون مین جو مذہب سے تعلق نہین رکھتی تھین اپنی رایون پر عمل کیا مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک اُمّہاتِ اولاد یعنی وہ لونڈیان جن سے اولاد پیدا ہوجائے، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھین حضرت عمرؓ نے اسکو بالکل روکدیا۔ آنحضرتؐ نے جنگ تبوک مین جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی، حضرت عمرؓ نے مختلف ملکون مین مختلف شرحین مقرر کین، آنحضرتؐ کے عہد مین، شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مقرر کئے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات مین، آنحضرتؐ کے اقوال و افعال، اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان مین کمی بیشی کرسکتے، اور خدانخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ

ایک لحظہ کے لئے بھی مسندِ خلافت پر انکا بیٹھنا کب گوارا کرسکتا تھا،

حضرت عمر کو اس امتیازِ مراتب کی جرأت، اسوجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعدد احکام مین جب اُنھون نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اُسپر ناپسندیدگی نہین ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات مین حضرت عمر کی راے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعون پر تو خود، وحی الٰہی نے حضرت عمر کی راے کی تائید کی- قیدیانِ بدر حجابِ ازواجِ مطہرات- نماز بر جنازۂ منافق- اِن تمام معاملات مین، وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی راے کے موافق آئی-

اِس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے، فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا- کیونکہ جن چیزون مین آنحضرت کے ارشادات منصبِ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے، انمین اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائین، چنانچہ معاملات مین حضرت عمر نے زمانے اور حالات کی ضرورتون سے، بہت نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ مین بکثرت موجود ہین، برخلاف اسکے امام شافعی کو یہان تک کد ہے کہ ترتیبِ فوج، تعیینِ شعار، تشخیصِ محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرت کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہین، اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت لکھتے ہین کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہین-

خبر احاد کے قابل احتجاج ہونیکی بحث

اِس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر احاد (یعنی وہ حدیث[1] جسکا راوی ایک سے زیادہ

---

[1] اصول حدیث مین جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہون وہ بھی خبر احاد مین داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے، حضرت عمر کے زمانے تک اسکا وجود نہ تھا-

نحو) کی حیثیتِ احتجاج کا تھا، بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثون کو یہ درجہ دیتے ہین کہ اُنسے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اسکی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اُسکے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک، خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہین ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذنِ ملاقات اسقاط جنین، خریداری مکان عباس بن عبد المطلب، تیمم جنابت، کے مسئلون مین انھون نے عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، اُبی بن کعب، کی روایتون کو اُس وقت تک قابل حجت نہین قرار دیا جب تک اور تائیدی شہادتین نہین گذرین، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ مین ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے، قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہین قرار دیتے تھے، فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق، اپنی روایت سے، آنحضرت کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر کے نزدیک وہ حکم، قرآن مجید کی نص کے مخالف تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن کا حکم نہین بدل سکتا۔

امام شافعی اور اُنکے ہم خیالون کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر نے بہت سے واقعات مین اخبار احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر کے اصول مین فرق نہین آتا۔ حضرت عمر کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابل احتجاج نہین، نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابلِ احتجاج نہین۔ ان دونون صورتون مین جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہین کہ اُنمین تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے، چنانچہ روزمرہ کے کامون مین ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہین جنکی نسبت ایک دو شخص کی شہادت

کافی نہین ہوسکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ اُنھون نے الفاظِ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے مین غلطی کی ہو، غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے، اور اسوجہ سے کوئی عام قاعدہ نہین قرار پاسکتا۔ حضرت عمر نے بے شبہہ بہت سے موقعون پر اخبار احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعون پر اسکے خلاف بھی کیا۔ اِس طریقِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد مین خصوصیتِ حالات کو ملحوظ رکھتے تھے، اخبار احاد کے متعلق فقہا و محدثین مین سخت اختلافِ آرا رہے اور بڑی بڑی طویل بحثین پیدا ہوگئی ہین، لیکن جہان تک ہم نے اِن تمام بحثون کو دیکھا ہے حضرت عمر کے مذہب مین جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اُسکی نظیر کہین نہین ملتی لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کردینی ضرور ہے کہ اخبار احاد کے قبول کرنے یا نکرنے مین حضرت عمر کا جو اصول تھا اسکی بنا، صرف تحقیقِ حق تھی۔ اِس زمانے کے آزاد خیالون کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جسکو چاہا غلط کہدیا۔

کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اُسکا کافی ہونا، قیاس پر موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مین، تمام جزئیات مذکور نہین ہین، اِس لئے ضرور ہے کہ اِن جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاسِ شرعی سے کام لیا جاے، اِسی ضرورت سے ایمۂ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد حنبل، سب قیاس کے قائل ہوئے ہین اور اُنکے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیادِ اول جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہین۔

عام لوگون کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہین، اِن لوگون کا استدلال یہ ہے

کہ جب آنحضرتؐ نے معاذ کو یمن بھیجا تو اُن سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کروگے؟ اُنھون نے کہا کہ قرآنِ مجید سے جواب دونگا، اور اگر قرآن و حدیث مین وہ صورت مذکور نہوگی تو اجتہاد کرونگا[1]، لیکن اس سے یہ استدلال نہین ہوسکتا کہ اُنکی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہین، ابن حزم و داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ مین اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی مین بہ سند مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے، قرآن مین وہ صورت مذکور نہوتی، تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور اونکے اتفاق راے سے جو امر قرار پاتا اُسکے مطابق فیصلہ کرتے[2]، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانے تک، مسائل کے جواب مین قرآن مجید۔ حدیث۔ اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی اُسمین قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ اُسکے یہ الفاظ ہین۔

اَلْفَهْمَ اَلْفَهْمَ فِيْمَا يَخْتَلِجُ فِيْ صَدْرِكَ مِمَّا لَمْ يَبْلُغْكَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔ وَاعْرِفِ الْاَمْثَالَ وَالْاَشْبَاهَ۔ ثُمَّ قِسِ الْاُمُوْرَ عِنْدَ ذٰلِكَ[3]	جو چیز تمکو قرآن و حدیث مین نہ ملے اور تمکو اسکی نسبت شبہ ہو اسپر غور کرو اور خوب غور کرو، اُسکے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر اُن سے قیاس کرو۔

---

[1] یہ حدیث۔ مسند دارمی مطبوعۂ نظامی صفحہ ۳۴ مین مذکور ہے۔ [2] مسند دارمی صفحہ ۳۲۔ [3] یہ روایت دارقطنی مین مذکور ہے دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۸۶۔

اصول فقہ کی کتابون مین قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تَعْدِيَةُ الْحُكْمِ مِنَ الْاَصْلِ اِلَى الْفَرْعِ لِعِلَّةٍ مُتَّحِدَةٍ	اصل کے حکم کو فرع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونون مین مشترک ہو۔

مثلاً آنحضرت نے گیہون۔ جو۔ وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ "انکو برابر برابر دو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائیگا" اس مسئلے مین۔ قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرت نے گو چند خاص اشیا کے نام لیے۔ لیکن یہ حکم اُن تمام اشیا مین جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہین، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چونہ دے، اور اُس سے اُسی قسم کا چونہ سوا سیر لے یا سیر بھر ہی لے لیکن اُس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائیگا۔

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لئے مقدم دو شرطین ہین۔ (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہو یعنی اُسکے بارے مین کوئی خاص حکم موجود نہو (۲) مقیس اور مقیس علیہ مین علت مشترک ہو۔

حضرت عمرؓ کی تحریر مین۔ ان دونون شرطون کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔ پہلی شرط کو ان الفاظ مین بیان کیا مِمَّا لَمْ يَبْلُغْكَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے وَاعْرِفِ الْاَمْثَالَ وَالْاَشْبَاهَ ثُمَّ قِسِ الْاُمُوْرَ۔

ان مہمات اصول کے سوا حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کیے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہین۔ لیکن اُنکی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیئے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ مین نہایت مختلف الرائے ہین، اس اختلاف رائے کی وجہ کہین کہین تو یہ ہے کہ بعض مسائل مین ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہین، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبون کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابون مین ان مختلف فیہ اصولون کو بتفصیل لکھا ہے۔ لیکن اُس سے یہ

استنباط احکام کے اصول

نہین سمجھنا چاہیے کہ ان ایمہ نے صراحۃً وہ اصول بیان کیے تھے، امام شافعی نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جسمین اپنے چند اصول منضبط کیے ہین، لیکن امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحۃً منقول نہین۔ بلکہ ان بزرگون نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنکا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے اِذَا قُرِئَ القراٰن فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نکرنا چاہیے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے مین اُتری تھی۔ اُنھون نے کہا کہ آیت کسی بارے مین اُتری ہو لیکن حکم عام ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے۔ العِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ یعنی سبب کا خاص ہونا۔ حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہین کرتا۔

اصول فقہ مین امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہین، وہ اسی قسم کی صورتون سے مستنبط کیے گئے ہین، ورنہ ان بزرگون سے صراحۃً یہ قاعدے کہین منقول نہین۔

حضرت عمر کی نسبت ہمارا یہ دعوے کہ اُنھون نے استنباط مسائل کے اصول قایم کیے، اسی بنا پر ہے، اکثر مسائل جو انھون نے طے کیے صحابہ کے مجمع مین بحث و مناظرہ کے بعد طے کیے۔ ان موقعون پر انھون نے جو تقریرین کین، اُنکے استقصا سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہین۔ اکثر مسائل مین متناقض روایتین یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لیے اُنکو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونون مین سے کسکو ترجیح دیجاے۔ کسکو ناسخ ٹھیرایا جاے کسکو منسوخ، کسکو عام ٹھیرایا جاے کسکو خاص، کسکو موقت مانا جائے کسکو مؤبد، اس طرح نسخ، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے

اصول قائم ہو گئے، عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی اُنکی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے اُن سے آکر کہا کہ "میرے غلام کے ہات کاٹنے کا حکم دیجئے کیونکہ اُسنے میری بی بی کا آئینہ چرایا جسکی قیمت ۶۰ درہم تھی"، فرمایا کہ تمھارا غلام تھا اور تمھاری ہی چیز چرائی، اسپر ہات نہین کاٹا جا سکتا[1]"۔ اِس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مالِ مسروقہ مین کسی طرح کا حق نہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرا لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال مین ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ، سفر مین ایک تالاب کے قریب اُترے، عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے، اُنھون نے لوگون سے پوچھا کہ یہان درندے تو پانی نہین پیتے؟ حضرت عمرؓ نے لوگون کو روکدیا کہ نہ بتانا[2]"۔ اِس سے دو اصول ثابت ہوے ایک یہ کہ اصلِ اشیا اباحۃ ہے، دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلّف نہین ہین۔ ایک دفعہ، رمضان مین، بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا، حضرت عمرؓ نے روزہ کھول لیا، تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ الخطبُ یسیرٌ وقد اجتہدنا[3] یعنی معاملہ چندان اہم نہین، ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے"۔

ایسی اور بہت سی مثالین ہین کوئی شخص چاہے تو اُن سے اصولِ فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ہین اکثر ایسے ہین جنہین اور صحابہ نے بھی انکے

---

[1] موطا امام مالک۔ [2] موطا امام محمد صفحہ ۶۶۔ [3] موطا امام محمد صفحہ ۱۸۴۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

ساتھ اتفاق کیا، اور ایمہ مجتہدین نے انکی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقرا سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم وبیش ایک ہزار بتاتے ہین، لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہین جنمین دیگر صحابہ نے اُن سے اختلاف کیا۔ انمین سے بعض مسائل ہین جن صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہین۔ مثلاً تیمم جنابت۔ منع تمتع حج، طلقات ثلث، وغیرہ مین حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے، دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل ہین، اور خصوصاً اُن مسائل مین جو معرکۃ الارا رہے ہین اور جنکو تمدن اور امور ملکی مین دخل ہے، عموماً حضرت عمرؓ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انھی مسائل سے حضرت عمرؓ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

اُنمین سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہین۔

ایک بڑا معرکۃ الارا، مسئلہ خُمس کا ہے، قرآن مجید مین ایک آیت ہے۔

وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ	جو کچھ تمکو جہاد کی لوٹ مین ہاتھ آئے، اسکا پانچوان حصّہ خدا کیلیے
وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ	ہے، اور پیغمبر کیلیے، اور رشتہ دارون کے لئے، اور یتیمون کے لئے،
وَابْنِ السَّبِيْلِ۔	اور غریبون کیلیے اور مسافرین کے لئے۔

خُمس کا مسئلہ

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خُمس مین رسول اللہ کے رشتہ دارون کا بھی حصّہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہ مین ''دریاے علم'' کہلاتے تھے، نہایت زور کے ساتھ اس آیت سے، خُمس پر استدلال کرتے تھے، حضرت علیؓ نے اگرچہ مصلحۃً بنو ہاشم کو خمس مین سے حصّہ نہین دیا۔ لیکن راے اُن کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہین[۴]،

[۴] [illegible] نسائی [illegible] ابن اسحاق [illegible]

یہ صرف حضرت علی و عبد اللہ بن عباس کی راے نہ تھی، بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا، ایمۂ مجتہدین مین سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور اپنی کتابون مین بڑے زور شور کے ساتھ اسپر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر کی نسبت لوگون کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہین سمجھتے تھے چنانچہ اُنھون نے اہل بیت کو کبھی خمس مین سے حصہ نہین دیا۔ ایمۂ مجتہدین سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قایل نہ تھے، اُنکی راے تھی کہ جس طرح آنحضرت کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح آنحضرت کے قرابت دارون کا حصہ بھی جاتا رہا۔ اب ہمکو غور کے ساتھ دیکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے، اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہین، لیکن اُس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ مین تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید مین جہان زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہین وہان بھی بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ ہین۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اسمین زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیے ہین، فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ مولفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مسافر، انمین سے جسکو زکوٰۃ دیجاے ادا ہو جائیگی یہ ضرور نہین کہ خواہ مخواہ آٹھون گروہ پیدا کئے جائین۔ آٹھون گروہ موجود بھی ہون تب بھی یہ لحاظ کیا جائیگا کہ کون فرقہ اسوقت زیادہ مدد کا محتاج ہے، کون کم، اور کون بالکل نہین۔ اور اسی اعتبار سے کسی کو زیادہ دیا جائیگا۔ کسی کو کم۔ اور کسی کو بالکل نہین،

یہ التزام مالایلزم صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائین اور آٹھون گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جاے، اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے، اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس، اِن لوگون کے سوا، اور کسی کو نہ دیا جاے، یہ نہین کہ خواہ مخواہ اُسکے پانچ برابر حصے کئے جائین اور پانچون فرقے کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہؐ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقرار سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربیٰ مین سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو المطلب کو حصہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس، حالانکہ ذوی القربیٰ مین داخل تھے، لیکن آپ نے اُنکو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہین دیا چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن القیم نے زاد المعاد مین کتب حدیث سے بتفصیل نقل کیا ہے[1]۔

(۲) بنو ہاشم و بنو المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہین دیتے تھے، علامہ ابن القیم نے زاد المعاد مین لکھا ہے۔

وَلٰكِن لَمْ يَكُنْ يُقَسِّمُهُ بَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَاءِ بَيْنَ اَغْنِيَائِهِمْ وَفُقَرَائِهِمْ وَلَا كَانَ يُقَسِّمُهُ قِسْمَةَ الْمِيرَاثِ ++ + بَلْ كَانَ يَصْرِفُهُ فِيهِمْ بِحَسَبِ الْمَصْلَحَةِ وَالْحَاجَةِ فَيُزَوِّجُ مِنْهُمْ اَعْزَبَهُمْ وَيَقْضِي مِنْهُ عَنْ غَارِمِهِمْ وَيُعْطِي مِنْهُ فَقِيرَهُمْ كِفَايَتَهُ[2]۔	لیکن دولتمندون اور غریبون کو برابر نہین تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے۔ بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق۔ عطا فرماتے تھے یعنی کنوارون کی شادی کرتے تھے، مقروضون کا قرضہ ادا فرماتے تھے۔ غریبون کو بقدر حاجت دیتے تھے۔

---

[1] زاد المعاد جلد دوم صفحہ ۱۶۱۔

[2] زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۶۲۔

اِن واقعات سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ مین تعمیم نہین ہے، ورنہ بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو بھی آنحضرت، حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت کے قرابت دار تھے- دوسرے یہ کہ، بنو ہاشم اور بنو المطلب کی تمام افراد کو، مساوی طور سے حصہ نہین ملتا تھا-

حضرت عمر نے جہان تک صحیح روایتون سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتون مین، اُن سے مخالف تھے- ایک یہ کہ وہ یہ نہین سمجھتے تھے کہ خمس کا پورا پانچوان حصہ ذوی القربیٰ کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا، خلیفۂ وقت کا حق سمجھتے تھے- برخلاف اسکے عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعوی تھا کہ پانچوان حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اسمین کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہین- قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین اور نسائی نے اپنی صحیح مین عبد اللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے-

عَرَضَ عَلَيْنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنْ نُزَوِّجَ مِنَ الْخُمُسِ اَيِّمَنَا وَنَقْضِيَ مِنْهُ عَنْ مَغْرَمِنَا فَاَبَيْنَا اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَهُ لَنَا وَاَبَى ذٰلِكَ عَلَيْنَا[1]	عمر بن الخطاب نے یہ بات ہملوگونکے سامنے پیش کی تھی کہ ہملوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤن کے نکاح، اور مقروضون کے ادای قرض کے مصارف لیا کرین لیکن ہم بجز اسکے تسلیم نہین کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ مین دیدیا جائے- عمر نے اسکو منظور نہ کیا-

اور روایتین بھی اسی کے موافق ہین- صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے ذوی القربیٰ کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا- لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایۃ ہے، اِس لئے اسکی روایت کا اعتبار نہین ہو سکتا-

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱-

قرآن مجید کے نحوی اور آنحضرت کے طریق عمل کو منطبق کرکے دیکھو تو صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت عمر نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن وحدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہین پیش کرسکتے کہ آنحضرت ہمیشہ پورا پانچوان حصہ دیتے تھے، قرآن مجید سے یہ تعیین و تحدید بالکل ثابت نہین ہوسکتی۔ باقی ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلے کو دیکھو، یعنی خمس مین سے آنحضرت، اور آنحضرت سے قرابت دارون کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے، معاش کی تدابیر مین مشغول نہین ہوسکتے تھے، اسلیے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی مین سے کوئی حصہ آپکے لیے مخصوص کردیا جاے، اسوقت، مال غنیمت، فے انفال بس یہی آمدنیان تھین چنانچہ ان سب مین سے خدانے آپکا حصہ مقرر کیا تھا جسکا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتون مین ہے، اسکی مثال ایسی ہے جیسے پادشاہ کے ذاتی مصارف کیلیے خالصہ مقرر کردیا جاتا ہے۔ ذوی القربیٰ کا حق اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگون نے ابتداے اسلام مین آنحضرت کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جسمین وہ لوگ بھی شامل تھے جو اسوقت تک اسلام نہین لائے تھے، آنحضرت کا ساتھ دیا اور جب آنحضرت مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے مین پناہ گزین ہوے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بنا پر، آنحضرت اور ذوی القربیٰ کے لیے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت دارون کے لیے، پانچوان حصہ مقرر کردیا گیا ہے۔ اور گو انکی نسل مین کسی قدر ترقی ہو، اور گو وہ کتنے ہی دولتمند اور غنی ہوجائین تاہم انکو

یہ رقم ہمیشہ ملتی رہیگی، ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کرسکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت، یہ قاعدہ بنائیگا کہ اُسکی تمام اولاد کے لیے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے، اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اُسمین اور خودغرض برہمنون مین کیا فرق ہوگا۔ حضرت علی و عبد اللہ بن عباس جو خمس کے مدعی تھے اُنکا بھی یہ مقصد ہرگز نہین ہوسکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لیے ہے، بلکہ جو لوگ آنحضرت کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے، اُنھی کی نسبت اُنکو ایسا دعوے ہوگا۔

ایک اور مہتم بالشان مسئلہ فَے کا ہے، یعنی وہ زمین یا جائداد جسکو مسلمان نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکۃ الآرا ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہین ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی، اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط مبحث اسمین اس وجہ سے ہوا کہ فَے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سلب۔ اُنمین لوگ تفرقہ نہ کرسکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہین۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب مین دستور تھا کہ لڑائی کی فتح مین جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑنیوالون کو برابر تقسیم کردیا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرت مبعوث ہوئے تو ابتدا مین جس طرح اور بہت سی قدیم رسمین قایم رہین، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قایم رہا، چنانچہ لڑائی کی فتح مین جو کچھ آتا تھا، غازیون پر تقسیم ہوجاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد مین بھی قایم رہا اس لیے لوگون کو خیال ہوگیا کہ مال غنیمت، غازیون کا ذاتی حق ہے اور وہ اُسکے پانے کا ہر حالت مین دعوے کرسکتے ہین، یہان تک کہ ایک دفعہ اسپر جھگڑا اُٹھا۔ جنگ بدر مین جب فتح حاصل ہوچکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے،

کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت مین حاضر رہے۔ تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انھون نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑکر آئے ہین، اُن لوگون نے کہا کہ ہم رسول اللہ کے محافظ تھے، اس لیے ہم زیادہ حقدار ہین۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔	تجھ سے لوگ، مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہین تو کہدے کہ وہ خدا اور رسول کی مِلک ہے۔

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مالِ غنیمت لڑنے والون کا خاص حق ہے اور افسر کو اسمین کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہین۔ لیکن اس آیت مین غنیمت کے مصارف نہین بیان کیے گئے تھے، پھر یہ آیت اُتری،۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔	جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت مین ہات آئے تو اسکا پانچوان حصہ خدا کے لیے ہے، اور پیغمبر کے لیے، اور رشتہ دارون کے لیے، اور یتیمون کے لیے اور مسکینون کے لیے اور مسافرون کے لیے۔

اس آیت سے یہ قاعدہ قایم ہوا کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائین۔ چار حصے، مجاہدین کو تقسیم کیے جائین اور پانچوین حصے کی پھر پانچ حصے ہو کر، آنحضرت اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف مین آئین۔ لیکن یہ تمام احکام، نقد و اسباب سے متعلق تھے، زمین اور جائداد کے لیے کوئی قاعدہ نہین قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر مین جو سنہ ۴ھ مین واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اُتری۔

---

[1] زاد المعاد ابن القیم جلد ثانی صفحہ ۱۵۔ کتب حدیث مین بھی یہ روایت مذکور ہے۔

ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول	یعنی جو زمین یا جائداد، ہات آئے، وہ خدا اور پیغمبر اور
ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل +++	یتیمون، اور مسکینون، اور مسافرون، اور فقراء،
للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم +++	مہاجرین، اور اُن سب لوگون کی ہے جو آیندہ دنیا
والذین جاؤا من بعدهم۔	مین آئین۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہین کیجائیگی، بلکہ بطور **وقف** کے محفوظ رہیگی، اور اسکے منافع سے تمام موجودہ اور آیندہ مسلمان متمتع ہونگے۔ یہ ہے حقیقت **نفل** اور **غنیمت** اور **فے** کی۔

ان احکام مین لوگون کو چند مغالطے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگون نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا، ائمہ مجتہدین مین سے امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور اُنکے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ، اُسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگون نے اسی بنا پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ اُنکو تقسیم کر دیے جائین چنانچہ عبد الرحمن بن عوف، زبیر بن العوام، بلال بن رباحؓ نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ اس پر (جیسا کہ ہم صیغہ محاصل مین لکھ آئے ہین) بہت بڑا مجمع ہوا، اور کئی دن تک بحثین رہین۔ آخر حضرت عمرؓ نے آیت مذکورۂ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ والذین جاؤا من بعدهم پڑھکر فرمایا کہ۔

فکانت هذه عامة لمن جاء من	تو یہ تمام آیندہ آنیوالون کے لیے ہے۔ اور اس بنا پر یہ ممالک تمام
بعدهم فقد صار هذا الفیء بین هؤلاء	لوگون کا حق ٹھیرے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مین موجودہ لوگونکو
جمیعا فکیف نقسمه لهؤلاء وندع	تقسیم کردون اور اُن لوگون کو محروم کر دون جو آیندہ

مَن تَخَلَّفَ بَعدَھُم۔	پیدا ہونگے۔

امام شافعی اور اُنکے ہم خیالون کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کردیا تھا لیکن وہ یہ نہین خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی تو فتح ہوے یہان تک کہ آنحضرت کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہوچکا تھا۔ لیکن آنحضرت نے کہین چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

اسی سلسلے مین **باغ فدک** کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآرا رہا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ، خاص آنحضرت کی جائداد تھی کیونکہ اُسپر چڑھائی نہین ہوئی تھی، بلکہ وہان کے لوگون نے خود، آنحضرت کو سپرد کردیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت مین داخل ہے

فدک کا مسئلہ

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُولِهٖ مِنهُم فَمَا اَوجَفتُم	یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو اُن لوگون سے دلوایا تو تم لوگ اُسپر
عَلَیهِ مِن خَیلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ	اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہین گئے تھے، لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جسپر
رُسُلَهٗ عَلٰی مَن یَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ	چاہتا ہے مسلط کردیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب وہ آنحضرت کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اُسمین وراثت کا عام قاعدہ، جو قرآن مجید مین مذکور ہے جاری ہوگا، اور آنحضرت کے ورثہ اسکے مستحق ہونگے، لیکن حضرت عمر نے، باوجود حضرت علی کے طلب و تقاضا کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ، طرفین کی طبع آزمائیون مین بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی، اور اب جبکہ سیاست مدن کے اُصول، زیادہ صاف اور عام فہم ہوگئے ہین،

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۵۔ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۱۴ و ۱۵ مین مذکور ہے۔

یہ مسئلہ اس قابل بھی نہین رہا کہ بحث کے دائرہ مین لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی، یا امام، یا بادشاہ۔ کے قبضہ مین جو مال یا جائداد ہوتی ہے، اسکی دو قسمین ہین ایک مملوکۂ خاص جسکے حاصل ہونے مین نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہین ہوتا مثلاً حضرت داؤد، زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے، یا عالمگیر قرآن لکھکر بسر کرتا تھا۔ یہ آمدنی انکی ذاتی آمدنی تھی اور اُسپر ہر طرح کا اُنکو اختیار تھا دوسری مملوکۂ حکومت۔ مثلاً حضرت داؤد کے مقبو ممالک۔ جو حضرت سلیمان کے قبضے مین آئے۔

اس دوسری قسم مین وراثت نہین جاری ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری، یا امامت، یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اُسکا مالک یا متولی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آج کل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے، مثلاً سلطان عبد الحمید خان کے بعد، اُنکے ممالک مقبوضہ یا اُنکی جاگیر خالصہ۔ اُنکے بیٹے بھائی، ماں، بہن، وغیرہ مین تقسیم نہین ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا اُسپر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانون کے ہر فرقہ مین۔ یہ قاعدہ ہمیشہ مسلّم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ، ائمۂ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہین وہ بھی اُسمین وراثت کا قاعدہ نہین جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی اپنے زمانے مین اُسکے مالک ہوے تو یہ نہین ہوا کہ اُنکی وفات کے بعد۔ وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؓ، و عباسؓ۔ و محمد بن حنفیہ و زینبؓ وغیرہ کو جو حضرت علی کے وارث تھے اسکا کچھ کچھ حصہ۔ سہام کے پڑتہ سے ملتا، بلکہ صرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے قبضہ مین آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی کے جانشین تھے

غرض یہ عام اور مسلّم قاعدہ ہے کہ جو جائداد۔ نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے

حاصل ہوتی ہے وہ مملوکۂ خاص نہین ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغِ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا؛ اسکی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت جب خیبر کی فتح سے پھرے، تو محیصہ بن مسعود انصاری کو۔ فدک والون کے پاس تبلیغِ اسلام کے لیے بھیجا، فدک، یہودیون کے قبضہ مین تھا اور انکا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودیون نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضۂ صلح مین آدھی زمین دینی منظور کی[1]۔ اُسوقت سے یہ باغ اسلام کے قبضے مین آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد، آنحضرت کی مملوکۂ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیتِ خاص کا دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہین ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ۔ لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعہ سے قبضے مین آتے ہین وہ امام یا بادشاہ کی ملکیتِ خاص قرار پاتے ہین؟۔ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ مین آئے کہ اُن پر چڑھائی نہین کرنی پڑی۔ کیا اُنکو کسی نے آنحضرت کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہین کیا، تو فدک مین کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی؟۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینین علانیہ وقفِ عام رہین، لیکن فدک کو آنحضرت نے اپنے مصارف کے لیے مخصوص کر لیا تھا اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت کی جائداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہین ہوئی تھی اور اس لیے اسپر اور لوگون کو کسی قسم کا حق نہین حاصل تھا۔ لیکن یہ خیال در اصل صحیح نہین۔ فدک کو بے شبہہ آنحضرت نے اپنے ذاتی

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ذکر فدک۔

مصارف کے لیے خاص کرلیا تھا، لیکن کیونکر؟ اسکے متعلق تفصیلی روایتین موجود ہین۔

فَکَانَ نِصفُ فَدَکَ خَالِصًا لِرَسُولِ اللهِ وَکَانَ یَصرِفُ مَا یَاتِیهِ مِنهَا اِلیٰ ابنَاءِ السَّبِیلِ [۱]	یعنی آدھا فدک، خاص رسول اللہ کا تھا۔ آنحضرت اسمین سے مسافرون پر صرف کرتے تھے۔

ایک اور روایت مین ہے۔

اِنَّ فَدَکَ کَانَت لِلنَّبِیِّ صلعم فَکَانَ یُنفِقُ مِنهَا وَ یَاکُلُ وَ یَعُودُ عَلیٰ فُقَرَاءِ بَنِی هَاشِمٍ وَ یُزَوِّجُ اَیِّمَهُم [۲]	یعنی فدک آنحضرت کا تھا۔ آپ اسمین سے خرچ کرتے تھے۔ اور فقراے بنی ہاشم کو دیتے تھے، اور اُن کی بیواؤن کی شادی کرتے تھے۔

بخاری وغیرہ مین بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت سال بھر کا اپنا خرچ اسمین سے لیتے تھے۔ باقی عام مسلمین کے مصالح مین دیدیتے تھے۔

ان روایتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا مملوکۂ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کیلیے کوئی جائداد خالصہ کردی جاتی ہے اس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اُس سے زایل نہین ہوئی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ان اصول سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر انھون نے فدک مین وراثت نہین جاری کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہین؟۔

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مجمع عام مین جو تقریر کی تھی اس مین قرآن مجید کی اس آیت سے مَا اَفَاءَ اللهُ عَلیٰ رَسُولِهِ مِن اَهلِ القُریٰ فَلِلّٰهِ الخ استدلال

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۹ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۳۱۔

کرکے صاف کہدیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہین ہین بلکہ وقف عام ہین، چنانچہ فے کے ذکر مین یہ بحث گذر چکی ہے، البتہ یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اُس سے **فدک** وغیرہ کا آنحضرت کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے، اور خود حضرت عمر اسکے یہی معنی قرار دیتے تھے، آیت یہ ہے۔

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ	اور جو کچھ اِن لوگون سے (یعنی یہود بنی نضیر سے) خدا نے اپنے
عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ	پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اُسپر چڑھکر نہین گئے تھے، بلکہ خدا اپنے پیغمبرون کو
رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ۔	جسپر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر نے اِس آیت کو پڑھکر کہا تھا کہ فَكَانَتْ خَالِصَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور یہ واقعہ صحیح بخاری - باب الخمس، اور باب المغازی، اور باب المیراث مین بتفصیل مذکور ہے۔

اسمین شبہہ نہین کہ حضرت عمر اِس آیت کی بنا پر فدک وغیرہ کو آنحضرت کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اُسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہین ہوتا، جسطرح سلاطین کے مصارف کے لیے کوئی زمین خاص کردیجاتی ہے کہ اسمین میراث کا عام قاعدہ نہین جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اُس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر کے اِس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ اُنھون نے جب آیت مذکورۂ بالا کی بنا پر فدک کو آنحضرت کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی مین مذکور ہے۔

فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُنْفِقُ عَلٰى اَهْلِهٖ نَفَقَةَ	آنحضرت۔ اس مین سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے، باقی کو

سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا المَالِ ثم يأخذ ما بقي فيجعله مجعل مَالِ اللّٰهِ فعمل رَسُوْلُ اللّٰهِ بِذٰلِكَ حياته ثم توفى الله نبيه صلى الله عليه وسلم فقالَ ابوبكر اَنَا وَلِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَبَضَهَا ابوبكرٍ فَعَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ ++ ثُمَّ توفى الله ابا بكر فَكُنْتُ اَنَا وَلِيَّ اَبِي بَكْرٍ فَقَبَضْتُهَا سنتين من امارتي اعمل فيها بما عمل رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَا عَمِلَ فِيْهَا اَبُوْبَكْرٍ۔

خدا کے مال کی طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت نے زندگی اسی پر عمل فرمایا۔ پھر وفات پائی تو ابو بکر نے کہا کہ مین ان کا جانشین ہون پس اُسپر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہ کرتے تھے۔ پھر انھون نے وفات پائی تو مین ابو بکر کا جانشین ہوا پس مین نے اُس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلعم کرتے تھے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر باوجود اسکے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے، تاہم آنحضرت کی ذاتی جائداد نہین سمجھتے تھے (جس مین وراثت جاری ہو) اور اسوجہ سے اُسکے قبضہ کا مستحق صرف اُسکو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا جانشین ہو، چنانچہ حضرت ابو بکر اور خود اپنے قبضہ کی وجہ یہی بتائی۔

حضرت عمر نے یہ تقریر اُسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی انکے پاس فدک کے دعویدار ہوکر آئے تھے اور انھون نے کہدیا تھا کہ اسمین وراثت کا قاعدہ نہین جاری ہو سکتا۔ حاصل یہ کہ حضرت عمر کے نزدیک۔ فدک وغیرہ آنحضرت کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق کی فتح کے وقت، حضرت عمر نے اُسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھکر یہ الفاظ کہے فهذه عَامَّةٌ فی القُرٰی کلها یعنی جو حکم اِس آیت مین ہے وہ ابھی

مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہین بلکہ تمام آبادیون کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذو جہتین ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد مین نہایت لطیف پیرایہ مین اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہین[1] فهو ملك يخالف حكم غيره مِنَ المالكين ... وَهٰذا النَّوعُ مِنَ الأموالِ هُوَ القِسمُ الَّذِي وَقَعَ بَعدَهُ فِيهِ مِنَ النِّزاعِ مَا وَقَعَ إلى اليَومِ ... وَلَولا إشكالُ أمرِهِ عَلَيهِم لَمَا طَلَبَت فاطِمَةُ بِنتُ رَسُولِ اللّٰه صلعم ميراثها مِن تَرِكَتِهِ وَظَنَّت أنَّهُ يُورَثُ عَنهُ مَا كَانَ مِلكًا لَهُ كَسائِرِ المالِكِينَ وَخَفِيَ عَلَيهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا حَقِيقَةُ المِلكِ الَّذِي لَيسَ مِمَّا يُورَثُ عَنهُ۔

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتدا سے آج تک معرکہ آرا رہے ہین اور جنمین بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا، حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محمل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات

اور

اخلاق و عادات

عرب مین روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب مین بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغاے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ

---

[1] زاد المعاد صفحہ ۱۶۳ جلد دوم۔

مین ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش، تمام قوم مین پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ، قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے، ان اوصاف مین فصاحت، و بلاغت، قوت تقریر، شاعری، نسابی، سپہگری، بہادری، آزادی، مقدم چیزین تھین، اور ریاست و افسری مین انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب مین کافی حصہ دیا تھا۔

قوت تقریر

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکون نے اسکو اور زیادہ جلا دیدی تھی۔ یہی قابلیت تھی جسکی وجہ سے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیا تھا جو اُن لوگون کے لیے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے۔ اُن کے معمولی جملون مین آرٹیری کا اثر اور برمحل فقرے جو انکے منہ سے نکل جاتے تھے اُنمین بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمر بن معدیکرب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اس لیے متحیر ہو کر کہا "اللہ! اسکا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے"، مطلب یہ کہ ہمارے جسم مین اور اسمین اس قدر تفاوت ہے کہ دونون ایک کاریگر کے کام نہین معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ مین ابو عبیدہ نے جب اُن پر اعتراض کیا کہ آپ قضای الٰہی سے بھاگتے ہین تو کس قدر بلیغ لفظون مین جواب دیا کہ "ہان قضای الٰہی سے قضاے الٰہی کی طرف بھاگتا ہون"،

خطبے

مختلف وقتون مین جو خطبے اُنھون نے دیے وہ آج بھی موجود ہین ان سے انکے زور تقریر و برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا، اُسکے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ غَلِیْظٌ فَلَیِّنِّیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ضَعِیْفٌ	ای خدا! مین سخت ہون مجھکو نرم کر، مین کمزور ہون مجھکو قوت دے
فَقَوِّنِیْ اَلَا وَاِنَّ الْعَرَبَ جَمَلٌ اَنِفٌ	(قوم سے خطاب کرکے) ہان! عرب والے سرکش اونٹ ہین جنکی مہار میرے ہات مین
وَقَدْ اُعْطِیْتُ خِطَامَهٗ اَلَا وَاِنِّیْ حَامِلُهٗ عَلَی الْمَحَجَّةِ	دی گئی ہے، لیکن مین انکو راستہ پر چلاکر چھوڑونگا۔

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب اُنھون نے عراق پر لشکرکشی کرنے کے لیے لوگون کو جمع کیا تو لوگ، ایران کے نام سے جی چُراتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد وہان سے بلالیے گئے تھے، اس موقع پر حضرت عمر کے زور تقریر کا اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع مین آگ سی لگ گئی، دمشق کے سفر مین جابیہ مین ہرقوم اور ہرملت کے آدمی جمع تھے، عیسائیون کا لارڈ بشپ تک شریک تھا، اُسکے ساتھ مختلف مذہب، اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا، مسلمانون کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی، غیر قومون کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے، فوج کے سامنے، خالد کی معزولی کا عذر کرنا تھا، ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک انکی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگون کی زبانون پر رہے۔ فقہا نے اُس سے فقہی مسائل استنباط کیے۔ اہل ادب نے قواعدِ فصاحت و بلاغت کی مثالین پیدا کین، تصوّف و اخلاق کے مضامین لکھنے والون نے اپنا کام لیا۔

۲۳ھ مین جب حج کیا اور یہ انکا اخیر حج تھا، تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا۔ کہ عمر مرجائینگے تو مین طلحہ کے ہات پر بیعت کرونگا، حضرت عمر مقام منیٰ مین تشریف رکھتے تھے اور وہین یہ واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برافروختہ ہوکر فرمایا کہ آج رات کو مین اس مضمون پر خطبہ دونگا۔

عبد الرحمن بن عوف نے عرض کی کہ امیر المومنین! حج کے مجمع مین ہر قسم کے بُرے بھلے آدمی جمع ہوتے ہین، اگر آپ نے یہان تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھین گے اور نہ ادا کر سکین گے، مدینہ چل کر خواص کے مجمع مین تقریر کیجیے، وہ لوگ بات کا ہر پہلو سمجھ سکتے ہین، حضرت عمرؓ نے یہ راے تسلیم کی، آخر ذی الحجہ مین مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن۔ لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد مین پہلے سے آ آکر جمع ہوے حضرت عبد اللہ بن عباس زیادہ مشتاق تھے، اس لئے ممبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ "آج عمر ایسی تقریر کرینگے کہ کبھی نہین کی تھی" سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انھون نے پہلے نہین کہی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ، صحیح بخاری[۱] مین مذکور ہے، اسمین سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابو بکرؓ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت، کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھکر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھکر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اُسوقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا،

جن مجمعون مین غیر قومین بھی شریک ہوتی تھین۔ اُن مین اُنکے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا، چنانچہ دمشق مین بمقام جابیہ جو خطبہ دیا۔ مترجم۔ ساتھ کے ساتھ اُسکا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا[۲]۔

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے۔ لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے اُنہین طیار ہو کر جاتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ مین خود اُنکا بیان ہے کہ "مین خوب طیار ہو کر گیا تھا"۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۰۹ [۲] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۵ حصہ دوم۔

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے، اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو دفعۃً رُک گئے اور زبان نے یاری نہ دی، اسوقت یہ عذر کیا کہ "ابوبکر و عمر خطبہ کے لئے طیار ہو کر آتے تھے اور آیندہ سے مین بھی ایسا ہی کرونگا"۔

نکاح کا خطبہ اچھا نہین دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دیسکتے تھے لیکن انکا خود بیان ہے کہ "نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہین آتا"۔ عبداللہ بن المقفع جو دولتِ عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگون نے حضرت عمر کی اس معذوری کی وجہ پوچھی، اُسنے کہا[1] "نکاح کے خطبہ مین حاضرین مین سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے، خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہین ہوتی۔ بخلاف اِسکے عام خطبون مین خطیب جب ممبر پہ چڑھتا ہے تو تمام آدمی اُسکو محکوم معلوم ہوتے ہین اور اِس وجہ سے خودبخود اُسکی تقریر مین بلندی اور زور آ جاتا ہے"، لیکن ہمارے نزدیک اِسکی وجہ ہے کہ نکاح کے خطبہ مین موضوعِ سخن تنگ، اور محدود، ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتین کہنی پڑتی ہین۔

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت، فخر و اِدّعا، قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار، ہوتا تھا۔

پولیٹکل خطبے

ملکی پُرپیچ معاملات، خطبے مین نہین ادا ہو سکتے تھے، حضرت عمر پہلے شخص ہین جس نے پولیٹکل خطبے دئے۔ اسکے ساتھ وہ خطبون مین اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر مین معمولی باتین ہوتی تھین لیکن اُس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

---

[1] کتاب البیان والتبیین للجاحظ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰۔

خطبے کے لئے جو باتین درکار ہین

خطبہ کے لئے ملکۂ تقریر کے علاوہ، اور عارضی باتین جو درکار ہین، حضرت عمرؓ مین سب موجود تھین، آواز بلند اور پُر رعب تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ممبر پر کھڑے ہین۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہین کہ اُنکے بعض خطبے نقل کردئے جائین۔ ایک موقع پر عمّال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اُسکے یہ الفاظ ہین۔

إِنِّی لَا أَجِدُ هٰذَا الْمَالَ يُصْلِحُهُ إِلَّا خِلَالٌ ثَلٰثٌ۔ أَنْ يُؤْخَذَ بِالْحَقِّ وَيُعْطٰى بِالْحَقِّ وَيُمْنَعَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَسْتُ أَدَعُ أَحَدًا يَظْلِمُ أَحَدًا حَتّٰى أَضَعَ خَدَّهُ عَلَى الْأَرْضِ وَأَضَعَ قَدَمِی عَلٰى خَدِّهِ الْآخَرِ حَتّٰى يُذْعِنَ لِلْحَقِّ۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ عَظَّمَ حَقَّهُ فَوْقَ حَقِّ خَلْقِهِ فَقَالَ فِيمَا عَظَّمَ مِنْ حَقِّهِ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰئِكَةَ أَرْبَابًا۔ أَلَا وَإِنِّی لَمْ أَبْعَثْكُمْ أُمَرَاءَ وَلَا جَبَّارِينَ وَلٰكِنْ بَعَثْتُكُمْ أَئِمَّةَ الْهُدٰى۔ يُهْتَدٰى بِكُمْ وَلَا تُغْلِقُوا الْأَبْوَابَ دُونَهُمْ فَيَأْكُلَ قَوِيُّهُمْ ضَعِيفَهُمْ

ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہین۔

فَأَنْتُمْ مُسْتَخْلَفُونَ فِی الْأَرْضِ قَاهِرُونَ لِأَهْلِهَا ۔ قَدْ نَصَرَ اللّٰهُ دِينَكُمْ فَلَا تُصْبِحُ أُمَّةٌ مُخَالِفَةٌ لِدِينِكُمْ إِلَّا أُمَّتَانِ ۔ أُمَّةٌ مُسْتَعْبَدَةٌ لِلْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ۔ يَتَجَّرُونَ لَكُمْ عَلَيْهِمُ الْمُؤْنَةُ وَلَكُمُ الْمَنْفَعَةُ وَأُمَّةٌ يَنْتَظِرُونَ وَقَائِعَ اللّٰهِ وَسَطَوَاتِهِ فِی كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ قَدْ مَلَأَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ رُعْبًا۔ قَدْ دَهَمَتْهُمْ جُنُودُ اللّٰهِ وَنَزَلَتْ بِسَاحَتِهِمْ مَعَ رَفَاهَةِ الْعَيْشِ وَاسْتِفَاضَةِ الْمَالِ وَتَتَابُعِ الْبُعُوثِ وَسَدِّ الثُّغُورِ الخ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔ [2] ازالۃ الخفاء ماخوذ از تاریخ طبری۔

حضرت عمرؓ کے خطبون کا خاتمہ ہمیشہ، ان فقرون پر ہوتا تھا۔ اللّٰھُمَّ لَاتَدَعنی فی غَمرۃٍ وَلَاتاخذنی علیٰ غِرّۃٍ وَلَاتجعلنی مَعَ الغافلین[1]۔

قوتِ تحریر

قوتِ تقریر کے ساتھ تحریر مین بھی انکو کمال تھا، انکے فرامین، خطوط، دستور العمل، توقیعات، ہر قسم کی تحریرین آج موجود ہین، جو تحریر جس مضمون پر ہے اُس باب مین بے نظیر ہے، چنانچہ ہم بعض بعض تحریرین نقل کرتے ہین۔

ابو موسےٰ اشعری کے نام۔

اَمّابعدُ فاِنَّ لِلناسِ نَفرَۃً عَن سُلطانِہم فَاعُوذُ باللہ اَن تدرِکَنِی وایّاکَ عَمیاءُ مجہولۃ وضغائن محمولۃٌ واَھواءٌ مُتّبعۃٌ۔ کُن مِن مَالِ اللہ علیٰ حَذَرٍ و خَفِ الفُسّاقَ وَاجعَلہُم یَدًا یدًا وَرِجلًا رجلًا واذا کانت بین القوم ثائرۃ یالفلان یالفلان فانما تلک نجوی الشیطان فَاضربہُم بالسَّیفِ حتّٰی یفیئوا الی امر اللہ ویکونَ دَعوتُہُم اِلی الاسلام۔

ایک اور تحریر ابو موسےٰ کے نام۔

اَمّا بعد فان القوۃ فی العمل ان لاتؤخروا عَمَل الیوم لِغَدٍ فانکم اذا فعلتُم ذٰلِکَ تَدَارَکَت عَلَیکُم الاَعمال فلم تَدرُوا اَیّہا تاخُذُونَ فاضعتُم۔

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کرکے بھیجا، تو انھون نے خراج کے بھیجنے مین دیر کی، حضرت عمرؓ نے تاکید لکھی، عمرو بن العاص نے لیت و لعل کیا، حضرت عمرؓ نے غصہ مین

---

[1] عقد الفرید خطبات عمرؓ۔

آگر زجر و تہدید کا خط لکھا۔ عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا، یہ تحریرین مقریزی نے تاریخِ مصر مین بعینہٖ نقل کی ہین، انکے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زورِ قلم کا اندازہ ہوتا ہے، بعض فقرے یہ ہین۔

وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّہٗ لَمْ یَمْنَعُکَ مِنْ ذٰلِکَ اِلَّا اَنَّ عُمَّالَکَ عُمَّالُ السُّوْءِ۔ اِتَّخَذُوْکَ کَهْفًا وعِنْدِی باذن اللهِ دواءٌ فِیْهِ شِفَاءٌ۔ اِنِّیْ عَجِبْتُ من کَثْرَۃِ کُتُبِیْ اِلَیْکَ فِی اِبْطَائِکَ بِالْخِرَاجِ وکتابکَ اِلَیَّ بثنیاتِ الطُّرُقِ عَمَّا اَسْاَلُکَ فیہ فلاتجزع اباعبد اللهِ ان یوخذ منک الحقُّ وتعطاہُ فانّ النّھرَ یُخْرِجُ الدُّرَّ۔

مذاقِ شاعری

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ انکی شہرت، عام طور پر کم ہے، اور اسمین شبہہ نہین کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے، لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ انکی تاریخ زندگی مین یہ واقعہ متروک نہین ہوسکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام، کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر انکی خاص خاص رائین تھین، اہلِ ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ انکے زمانے مین اُن سے بڑھکر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشیق القیروانی، کتاب العمدہ مین جسکا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہین۔

وَکَانَ مِنْ اَنْقَدِ اَھْلِ زَمَانِہٖ لِلشِّعْرِ وَاَنْفَذِھِمْ فِیْہِ مَعْرِفَۃً[1]۔	یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے مین سب سے بڑھکر شعر کے نقاد اور راز شناس تھے۔

جاحظ نے۔ کتاب البیان والتبیین مین لکھا ہے۔

---

[1] کتاب العمدۃ ذکر اشعار الخلفاء ۱۲

یعنی عمر بن خطاب۔ اپنے زمانے میں سب سے بڑھکر شعر کے شناسا تھے۔	کَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَعْلَمَ النَّاسِ بِالشِّعْرِ[1]۔

نجاشی ایک شاعر تھا جسنے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کہی تھی۔ ان لوگون نے حضرت عمرؓ سے اسکی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے۔ حَکَم قرار دیا اور جو فیصلہ اُنھون نے کیا اُسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمر۔ خود شعر فہم نہ تھے۔ اس لئے اہل ادب نے جہان اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بدزبان شعرا کے بیچ مین نہین پڑنا چاہتے تھے، ورنہ شعر کے دقائق اُن سے کون بڑھکر سمجھ سکتا تھا[2]۔

حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعرا کہتے تھے

حضرت عمر کو اگرچہ تمام مشہور شعرا کے کلام پر عبور تھا لیکن تین شاعرون کو اُنھون نے سب مین انتخاب کیا تھا، امرء القیس، زہیر، نابغہ، ان سب مین وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اُسکو اشعر الشعرا کہا کرتے تھے، اہل عرب اور علمای ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہین ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اِسپر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انھی تینون مین محدود ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی، جریر بھی اسی کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ مین حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عمر کے ساتھ تھے، حضرت عمر نے عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ اشعر الشعرا

---

[1] کتاب البیان و التبیین مطبوعہ مصر صفحہ ۹۔
[2] دیکھو کتاب البیان و التبیین للجاحظ صفحہ ۹ وکتاب العمدہ باب تعرض الشعراء ۱۲

کے اشعار پڑھو، عبداللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر انھون نے ترجیح کی وجہ پوچھی۔ حضرت عمرؓ نے اُسکے جواب مین جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا ریمارک

لانہ لا یتّبع حوشیّ الکلام ولا یعاظِل من المنطق ولا یقول الا ما یعرِفُ ولا یمتدِحُ الرجُل الا بما یکون فیہ۔	وہ (زہیر) نامانوس الفاظ کی تلاش مین نہین رہتا۔ اُسکے کلام مین پیچیدگی نہین ہوتی، اور اُسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہو، جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انھی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اُسمین ہوتے ہین۔

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اِذا ابتدرت قیسُ بن غیلان غایۃً مِنَ المجد مَن یسبق الیھا یُسوّدِ
ولوکانَ حمدٌ یُخلِدُ النّاسَ لم تمُتْ ولکِنّ حمدَ النّاسِ لیسَ بِمُخلِدِ

ناقدینِ فن نے، زہیر کا تمام کلام پڑھکر جو خصوصیتین اسمین بتائی ہین وہ یہ ہین، کہ اُسکا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اِسکے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اُسکی زبان ایسی شُستہ ہے، کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے، اِسکے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہین کرتا“ حضرت عمرؓ نے اِن تمام خصوصیتون کو نہایت مختصر لفظون مین ادا کر دیا۔

زہیر، کا ممدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم، دونون کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور اُنکے دربار مین حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح مین زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اُسنے ارشاد کی تعمیل کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمھارے خاندان کی شان مین زہیر خوب کہتا تھا، اُسنے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہان، لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہوگیا اور اُسکا دیا ہوا آج

بھی باقی ہے،" زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمھارے باپ کو جو خلعت دئے تھے کیا ہوئے۔ اُسنے کہا بوسیدہ ہوگئے۔ فرمایا لیکن تمھارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے۔ زمانہ انکو بوسیدہ نہ کرسکا[1]۔

نابغہ کی تعریف

زہیر کے بعد، وہ نابغہ کے معترف تھے اور اسکے اکثر اشعار انکو یاد تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگون سے مخاطب ہوکر کہا کہ سب سے بڑھکر شاعر کون ہے؟ لوگون نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا۔ یہ شعر کسکا ہے۔

الا سلیمان اذ قال الاله له   قم فی البریة فاحددها عن الفند

لوگون نے کہا نابغہ کا، پھر پوچھا یہ شعر کسکا ہے؟

اَتَیتُکَ عَارِیًا خَلِقًا ثِیَابِی   عَلیٰ خَوفٍ تُظَنُّ بِیَ الظُّنُونَ

لوگون نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ اشعار کسکے ہین؟

حَلَفتُ فَلَم اَترُک لِنَفسِکَ رِیبَةً   وَلَیسَ وَرَاءَ اللّٰہِ لِلمَرءِ مَذھَبُ

لوگون نے کہا نابغہ کا۔ فرمایا "یہ شخص اشعر العرب ہے"[2]۔

امرء القیس کی نسبت انکی راے

باایں ہمہ وہ امرء القیس کی اُستادی اور ایجادِ مضامین کے مُنکر نہ تھے، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس نے شعرا کی نسبت انکی راے پوچھی تو امرء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سَابِقُهُم خَسَفَ لَهُم عَيْنَ الشِّعرِ وَافتَقَرَ عَن مَعَانٍ عُوْرٍ اَصَحَّ بَصَرٍ	وہ سب سے آگے ہے۔ اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کردیا۔

اخیر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امرء القیس یمنی تھا اور اہلِ یمن فصاحت و بلاغت مین کم درجہ

---

[1] اغانی تذکرۂ زہیر۔ [2] اغانی تذکرۂ نابغہ۔

مانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے[1]۔

شعر کا ذوق

حضرت عمرؓ کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لیکر پڑھتے تھے، ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا۔

وَاِنَّ الْحَقَّ مَقْطَعُهٗ ثَلَاثٌ يَمِيْنٌ اَوْ نِفَارٌ اَوْ جِلَاءٌ

تو حسنِ تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے، اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کیے، ایک اور دفعہ، عبدۃ ابن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سنکر

وَالْمَرْءُ سَاعٍ لِاَمْرٍ لَيْسَ يُدْرِكُهٗ وَالْعَيْشُ شُحٌّ وَاِشْفَاقٌ وَتَاْمِيْلُ

پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے، اسی طرح **ابو قیس بن الاصلت** کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرایا کیے[2]۔

حفظِ اشعار

اگرچہ انکو مہماتِ خلافت کی وجہ سے ان اشغال مین مصروف ہونے کا موقع نہین مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سیکڑون ہزارون شعر یاد تھے۔ علماے ادب کا بیان ہے کہ انکے حفظِ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔

جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جنمین خودداری، آزادی، شرافتِ نفس، حمیت۔ غیرت، کے مضامین ہوتے تھے، اسی بنا پر۔ امراے فوج اور عمال اضلاع کو حکم بھیجدیا تھا کہ لوگون کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

---

[1] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء۔ [2] یہ تمام روایتین جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (صفحہ ۹۹ و ۱۰۰) مین نقل کی ہین۔

مُرْ مَن قَبلَكَ بِتَعَلُّمِ الشِّعْرِ فَاِنَّهٗ يَدُلُّ عَلٰى مَعَانِي الْاَخْلَاقِ وَصَوَابِ الرَّأْيِ وَمَعْرِفَةِ الْاَنْسَابِ۔	لوگون کو اشعار کے یاد کرنے کا حکم دو، کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتین اور صحیح رائے اور انساب کے طرف رستہ دکھاتے ہین۔

اشعار کا تعلیم مین داخل کرنا

تمام اضلاع مین جو حکم بھیجا تھا اُسکے یہ الفاظ تھے[1]۔

عَلِّمُوْا اَوْلَادَكُمُ الْعَوْمَ وَالْفُرُوْسِيَّةَ وَرَوُّوْهُمْ مَا سَارَ مِنَ الْمَثَلِ وَحَسُنَ مِنَ الشِّعْرِ	اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ، اور ضرب المثلین اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔

شاعری کی اصلاح

اِس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے۔ اُسوقت تک تمام عرب مین یہ طریقہ جاری تھا کہ شعرا، شریف عورتون کا نام علانیہ اشعار مین لاتے تھے اور اُن سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمر نے اِس رسم کو بالکل مٹا دیا اور اسکی سخت سزا مقرر کی، اِسی طرح ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا۔ اور حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم مین قید کیا۔

لطیفہ

لطیفہ۔ بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ایک شاعر نے اُنکی ہجو لکھی، اُنھون نے حضرت عمر سے آکر شکایت کی۔ حضرت عمر نے کہا وہ اشعار کیا ہین؟ اُنھون نے یہ شعر پڑھا۔

اِذَا اللّٰهُ عَادٰى اَهْلَ لُؤْمٍ وَرِقَّةٍ فَعَادٰى بَنِي الْعَجْلَانِ رَهْطَ ابْنِ مُقْبِلِ

خدا، اگر کمینہ آدمیون کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلۂ عجلان کو بھی دشمن رکھے

حضرت عمر نے فرمایا۔ یہ تو ہجو نہین بلکہ بد دعا ہے اور ممکن ہے کہ خدا اُسکو قبول نہ کرے،

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۲۔

اُنھون نے دوسرا شعر پڑھا۔

قُبَیِّلَتُہُمْ لَا یَغْدِرُوْنَ بِذِمَّۃٍ   وَلَا یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ حَبَّۃَ خَرْدَلِ

یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہین کرتا   اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا" حالانکہ شاعر نے اِس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب مین یہ باتین کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھین۔

وَلَا یَرِدُوْنَ الْمَاءَ اِلَّا عَشِیَّۃً   اِذَا صَدَرَ الْوُرَّادُ عَنْ کُلِّ مَنْہَلِ

یہ لوگ چشمے یا کنوے پر، صرف رات کے وقت جاتے ہین   جب اور لوگ واپس آچکتے ہین

یہ بات بھی شاعر نے اِس لحاظ سے کہی تھی کہ اہلِ عرب کے نزدیک بیکس اور کمزور لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ شعر سُنکر کہا کہ "بھیڑ سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے" اُنھون نے آخری شعر پڑھا۔

وَمَا سُمِّیَ الْعَجْلَانُ اِلَّا لِقَوْلِہِمْ   خُذِ الْقَعْبَ وَاحْلُبْ اَیُّہَا الْعَبْدُ وَاعْجَلِ

اُسکا نام عجلان اِس لیے پڑا کہ لوگ اُس سے کہتے تھے   کہ اے او غلام! پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دُوہ لا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُہُمْ"۔

علم الانساب

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، حضرت عمرؓ کا خانہ زاد علم تھا یعنی کئی پُشتون سے چلا آتا تھا، انکے باپ خطّاب مشہور نسّاب تھے۔ حضرت عمرؓ اِس فن کی معلومات کے متعلق اکثر انکا حوالہ دیا کرتے تھے، خطّاب کے باپ نفیل بھی اِس فن مین شہرت رکھتے تھے چنانچہ اِن واقعات کو ہم، حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات مین لکھ آئے ہین، لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغازِ کتاب مین لکھ آئے ہین، اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

عبرانی زبان سے واقفیت

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اُنھون نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان مین نہین ہوا تھا۔ آنحضرت کے زمانے مین جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عبری نہین جانتے تھے اس لئے یہودی پڑھکر سُناتے اور عربی مین ترجمہ کرتے جاتے۔ صحیح بخاری مین حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ۔

كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَؤُنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ	یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان مین پڑھتے تھے۔
وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ[1]	اور مسلمانون لے لئے عربی مین اُسکا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند دارمی مین روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اسکو پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا[2]۔ اِس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتون سے ثابت ہے کہ یہودیون کے ہان جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے، انکا خود بیان ہے کہ مین یہودیون کے درس کے دن انکے ہان جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمھارے ہم مذہبون مین سے ہم تمکو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہین کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو[3]۔

---

[1] صحیح بخاری مطبوعۂ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۹۴۔ [2] مسند دارمی مطبوعۂ کانپور صفحہ ۶۲۔ [3] کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول صفحہ ۲۳۳۔

حضرت عمر کی نقّادی اور نکتہ سنجی نے یہان بھی کام دیا یعنی جس قدر وہ یہودیون کی کتابون سے واقف ہوتے گئے، اُسی قدر انکے بیہودہ افسانون اور قصّون سے اُنکو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتین موجود ہین کہ شام و عراق وغیرہ مین۔ مسلمانون کو یہودیون کی تصنیفات ہات آئین تو حضرت عمر نے لوگون کو نہایت سختی سے اُنکے پڑھنے سے رُوکا،

ذہانت وطباعی

اُنکی ذہانت وطباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ اُنکے۔ فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جسکا ذکر علمی کمالات مین اوپر گذر چکا لیکن اُنکی معمولی سے معمولی بات بھی ذہانت وطباعی سے خالی نہین ہوتی تھی چنانچہ ہم دو تین مثالین نمونے کے طور پر لکھتے ہین۔

حضرت عمار بن یاسر کو جب انھون نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہین گذرے تھے کہ لوگون نے دربارِ خلافت مین شکایت پیش کی کہ وہ رُعب وداب اور سیاست کے آدمی نہین۔ حضرت عمر نے اُنکو واپس بُلا لیا اور کہا کہ مین خود بھی اس بات کو جانتا تھا لیکن مین نے خیال کیا کہ شاید خدا آپکو اِس آیت کا مصداق بنائے۔[1]

وَنُرِيدُ اَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ	ہم چاہتے ہین کہ ان لوگون پر جو کمزور ہین احسان کرین اور ان کو امام اور (زمین کا) وارث بنائین۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سُنا کہ ”خدایا! مجھکو فتنون سے بچانا“، فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تمکو آل اولاد نہ دے۔[2] (قرآن مجید مین خدا نے آل و اولاد کو فتنہ کہا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ۔)

---

[1] تاریخ طبری واقعہ عزل عمار بن یاسر۔ [2] ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۵۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر مین۔ قصر ہے یا نہین؟ اُسکی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہین، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیون نہین، خدا خود فرماتا ہے۔

هُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	وہ (خدا) وہ ہے جو تمکو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے۔

حکیمانہ مقولے

اُنکے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابون مین، اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ مین کثرت سے نقل کئے ہین، نمونے کے طور پر بعض مقولے یہان درج کئے جاتے ہین

مَنْ کَتَمَ سِرَّہٗ کَانَ الْخِیَارُ فِیْ یَدِہٖ	جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ مین رکھتا ہے۔
اِتَّقُوْا مَنْ تُبْغِضُہٗ قُلُوْبُکُمْ	جس سے تم کو نفرت ہو اُس سے ڈرتے رہو۔
اَعْقَلُ النَّاسِ اَعْذَرُھُمْ لِلنَّاسِ۔	سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کرسکتا ہو
لَا تُؤَخِّرْ عَمَلَ یَوْمِكَ اِلٰی غَدِكَ۔	آج کا کام کل پر اُٹھا نہ رکھو۔
اَبَتِ الدَّرَاھِمُ اِلَّا اَنْ یَّخْرُجَ اَعْنَاقَھَا	روپے، سر اونچا کئے بغیر نہین رہتے۔
مَا اَدْبَرَ شَیْءٌ فَاَقْبَلَ۔	جو چیز پیچھے ہٹتی پھر آگے نہین بڑھتی۔
مَنْ لَّمْ یَعْرِفِ الشَّرَّ یَقَعُ فِیْہِ۔	جو شخص بُرائی سے بالکل واقف نہین وہ بُرائی مین مبتلا ہوگا۔
مَا سَاَلَنِیْ رَجُلٌ اِلَّا تَبَیَّنَ لِیْ فِیْ عَقْلِہٖ	جب کوئی شخص مجھسے سوال کرتاہی تو مجھکو اُسکی عقل کا اندازہ معلوم ہوجاتا ہے
(واعظ سے خطاب کرکے) لَا یُلْھِكَ النَّاسُ عَنْ نَفْسِكَ۔	لوگون کی فکر مین تم اپنے تئین بھول نہ جاؤ۔
اَقْلِلْ مِنَ الدُّنْیَا تَعِشْ حُرًّا	دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کرسکوگے
تَرْكُ الْخَطِیْئَةِ اَسْھَلُ مِنْ مُعَالَجَةِ التَّوْبَةِ	توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔

لِیْ عَلٰی کُلِّ خَائِنٍ اَمِیْنَانِ اَلْمَاءُ وَالطِّیْنُ	ہر بد دیانت پر میرے دو داروغے متعین ہین - آب وگل
لَوْ اَنَّ الصَّبْرَ وَالشُّکْرَ بَعِیْرَانِ مَا بَالَیْتُ عَلٰی اَیِّھِمَا رَکِبْتُ -	اگر صبر و شکر دو سواریان ہوتین تو مین اسکی نہ پروا کرتا کہ دونون مین سے کس پر سوار ہون -
رَحِمَ اللّٰہُ اِمْرَءً اَھْدٰی اِلَیَّ عُیُوْبِیْ -	خدا اُس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے مین بھیجتا ہے (یعنی مجھپر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)

صائب الراے ہونا

اذان کا طریقہ حضرت عمر کی راے سے قائم ہوا

اسیران بدر

ازواج مطہرات کا پردہ

راے نہایت صائب ہوتی تھی - عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ "جب عمر کسی معاملہ مین یہ کہتے تھے کہ "میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے"، تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو انکا گمان ہوتا تھا[1]" اس سے زیادہ اصابت راے کی کیا دلیل ہوگی کہ انکی بہت سی رائین مذہبی احکام بن گئین اور آج تک قائم ہین، نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگون نے مختلف رائین پیش کین کسی نے ناقوس کا نام لیا - کسی نے تُرہی کی راے دی، حضرت عمر نے کہا ایک آدمی کیون نہ مقرر کیا جاے جو نماز کی منادی کیا کرے، آنحضرت نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دین، چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا، اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزون نہین ہوسکتا تھا - اسیرانِ بدر کے معاملے مین جب اختلاف ہوا، تو حضرت عمر نے جو راے دی، وحی اُسی کے موافق آئی - آنحضرت کے ازواج مطہرات پہلے، پردہ نہین کرتی تھین، حضرت عمر کو اسپر بارہا خیال ہوا اور اُنھون نے آنحضرت سے عرض کیا، لیکن آنحضرت

---

[1] صحیح بخاری باب اسلام عمرؓ

وحی کا انتظار فرماتے تھے، چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جسکو آیتِ حجاب کہتے ہین۔ عبد اللہ بن اُبَیّ جو منافقون کا سرگروہ تھا جب مرا، تو آنحضرت ؐ نے خلقِ نبوی کی بنا پر اُسکے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی، حضرت عمرؓ نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہین! اُسپر یہ آیت اُتری وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ یہ تمام واقعات صحیح بخاری وسلم وغیرہ مین مذکور ہین۔

منافقون پر نماز جنازہ

حضرت عمرؓ ہی کی راے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآنِ مجید مُدوّن و مُرتب ہوا ورنہ حضرت ابوبکرؓ اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونون صاحبون نے پہلے اس تجویز سے مخالفت کی تھی، تمام مذہبی اور مُلکی اہم مسائل مین جہان جہان اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا باستثناے بعض موقعون کے، عموماً حضرت عمرؓ ہی کی رائین صائب نکلین، ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الراے[1] تھے کہ فوج کو تقسیم کردیے جائین، ایک حضرت عمرؓ اس راے کے خلاف تھے اور اگر لوگون نے اُنکی راے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہوگئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونون فتوحات کی آمدنی مین ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحین قرار دین، حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ، دونون صاحبون نے امہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمرؓ نے مخالفت کی، ان تمام واقعات مین حضرت

---

[1] قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج مین لکھتے ہین "ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی السواد حین افتتح فرای عامتھم ان یقسمہ- دوسری جگہ لکھتے ہین ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجماعۃ المسلمین ارادوا عمر بن الخطاب ان یقسم الشام الخ- (کتاب مذکور صفحہ ۱۵)

عمر کی راے کو جو ترجیح ہے وہ محتاجِ دلیل نہین۔

خلافت نبوت کی نسبت حضرت عمر کی راے

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمر کے بعد۔ کون اِس بارگران کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبون کے نام لئے گئے۔ حضرت عمر نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائین دین اور وہ سب صحیح نکلین،

نکتہ سنجی اور غور رسی

وہ ہر کام مین غور اور فکر کو عمل مین لاتے تھے اور ظاہری باتون پر بھروسہ نہین کرتے تھے۔ انکا قول تھا کہ

لَا یُعْجِبَنَّکُمْ مِنَ الرَّجُلِ طَنْطَنَتُہٗ	یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سُنکر دھوکے مین نہ آو"
اکثر کہا کرتے تھے۔ لَا تَنْظُرُوا اِلٰی صَلٰوۃِ امْرِءٍ وَلَا صِیَامِہٖ وَلٰکِن انْظُرُوا اِلٰی عَقْلِہٖ وَصِدْقِہٖ	یعنی آدمی کی نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اُسکی سچائی اور عقل کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اُنکے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اُسنے کہا نہین، پوچھا کبھی سفر مین ساتھ ہوا ہے؟ اُسنے کہا نہین، فرمایا کہ تو۔ تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہین[1]۔ احادیث کے باب مین بڑی غلطی جو لوگون سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین۔ جس شخص کو ظاہر مین زاہد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھکر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبد الکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایۃ شخص تھا اُس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہین! اُنھون نے فرمایا کہ

غَرَّنِیْ بِکَثْرَۃِ جُلُوْسِہٖ فِی الْمَسْجِد	یعنی اس بات نے مجھکو دھوکا دیا کہ وہ کثرت سے مسجد مین بیٹھا کرتا تھا[2]۔

---

[1] یہ قول ازالۃ الخفا حصۂ دوم صفحہ ۱۹۷ مین نقل کیا ہے [2] فتح المغیث صفحہ ۱۲۰۔

مذہبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی اس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلین پڑھتے رہتے، جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والونکو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ[1]۔ فجر کی نمازمین بڑی بڑی سورتین پڑھتے لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ آیتین پڑھتے، عبد اللہ بن عامر کا بیان ہے کہ مین نے ایک دفعہ انکے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انھون نے سورۂ یوسف اور سورۂ حج پڑھی تھی۔ یونس۔ کہف۔ ہود کا پڑھنا بھی اُن سے مروی ہے۔

نماز

نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے۔ کہ مین اُسکو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہون۔ کوئی ضروری کام آپڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہوتا تو پہلے اُسکو انجام دیتے، ایک دفعہ اقامت ہوچکی تھی اور صفین درست ہوچکی تھین کہ ایک شخص صف سے نکلکر اُنکی طرف بڑھا۔ وہ اسکی طرف متوجہ ہوے اور دیر تک اُس سے باتین کرتے رہے[2]۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو لو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات، جہاد وغیرہ کے اہتمام مین اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نمازمین بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود اُنکا قول ہے کہ مین نماز پڑھتا ہوتا ہون اور فوجین طیار کیا کرتا ہون، ایک اور روایت ہے کہ مین نے نمازمین بحرین کے جزیہ کا حساب کیا[3]۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے یہ آیت فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اُٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ نمازمین اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے[4]۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب

---

[1] موطا امام مالک۔ [2] ازالۃ الخفا بحوالۂ مصنف بن ابی شیبہ صفحہ ۹۰۔ [3] ازالۃ الخفا بحوالۂ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۹۳۔ [4] ازالۃ الخفا حصۂ دوم صفحہ ۹۵۔

ہو جاتے۔ موطا امام مالک مین ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ مین دیر ہو گئی اور مسجد مین اُس وقت پہونچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت مین حضرت عمرؓ نے اُنکی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟ اُنھون نے کہا مین بازار سے آرہا تھا کہ اذان سُنی، فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیون اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلعم غُسل کا حکم دیا کرتے تھے۔ ابو بکر ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے، لیکن انھی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سُنا کہ صائم الدہر ہے تو اُسکے مارنے کے لئے دُرہ اُٹھایا[1]۔

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اسکا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیون ابو موسیٰ! تم اسپر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ کی خدمت مین ہر جگہ موجود رہے اِن تمام باتون کا صلہ ہمکو یہ ملے کہ برابر سرابر پر چھوٹ جائین یعنی نہ ہمکو ثواب ملے نہ عذاب" ابو موسیٰ نے کہا نہین مین تو اسپر ہرگز راضی نہین، ہم نے بہت سی نیکیان کی ہین اور ہمکو بہت کچھ امید ہے، حضرت عمرؓ نے کہا "اُس ذات کی قسم جسکے ہات مین عمر کی جان ہے کہ مین تو صرف اسی قدر چاہتا ہون کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائین"۔ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۰۲۔

اور قادسیہ کے معرکہ مین جب انکو بھیجا تو سعد وقاص کو لکھا کہ مین دو ہزار سوار تمھاری مدد کو بھیجتا ہون، عمر معدیکرب پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ اکثر اُن سے فنونِ حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ مین قبائل عرب، اور اسلحۂ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمر معدیکرب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقرون مین جواب دِیے اسکو اہلِ ادب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب مین تفصیل لکھا ہے چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اَخُوكَ وَرُبَّمَا خَانَكَ۔	یعنی "تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دیجاتا ہے"

پھر تیرون کی نسبت پوچھا تو کہا۔

بُرُدُ الْمَنَايَا تُخْطِي وَتُصِيبُ۔	یعنی "موت کے قاصد ہین کبھی منزل تک پہنچتے ہین اور کبھی بہک جاتے ہین"

ڈھال کی نسبت کہا عَلَيْهِ تَدُورُ الدَّوَائِرُ اسی طرح ایک ایک ہتیار کی نسبت عجیب عجیب بلیغ فقرے استعمال کئے جسکی تفصیل کا یہ محل نہین۔

حضرت عمرؓ کے اِس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیون کو دربار خلافت مین جمع کردیا، اور حضرت عمرؓ نے اُنکی قابلیتون سے بڑے بڑے کام لئے۔

متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمن بن عوف وغیرہ کی راے تھی کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائین لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج مین سب سے مقدم آنحضرتؐ کے تعلقات کے قرب وبعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلۂ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اُنمین بھی

حضرت عباس و حضرت علی کے نامون سے ابتدا کی۔ بنو ہاشم کے بعد، آنحضرت سے نسب مین قریب بنو امیہ تھے۔ پھر بنو عبد الشمس و بنو نوفل، پھر عبد العزی۔ یہان تک کہ حضرت عمر کا قبیلہ بنو عدی پانچوین درجے مین پڑتا تھا چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہون کی مقدار مین بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہین جن لوگون کی تعین وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ مین نہ تھے لیکن انکی تنخواہین اسی حساب سے مقرر کین، رسول اللہ کے ازواج مطہرات کی تنخواہین بارہ ہزار مقرر کین اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامۃ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبد اللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلعم اسامہ کو تجھ سے، اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]۔

حضرت علی کے ساتھ حضرت ابوبکر کی ابتداے خلافت مین (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین) کسی قدر شکر رنجی رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر کی خلافت پر بیعت نہین کی، چنانچہ صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر مین ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ زہرا کا انتقال ہو چکا۔ تو حضرت علی نے۔ حضرت ابوبکر کو۔ مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئین، کیونکہ حضرت علی، حضرت عمر کی موجودگی کو پسند نہین کرتے تھے[2]۔ لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی، چنانچہ حضرت عمر بڑی بڑی مہمات مین حضرت علی کے مشورے کے بغیر کام نہین کرتے تھے۔ اور

---

[1] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و ۲۵ مین ہے۔ [2] بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہین کَرَاهِيَةً لِمَحْضَرِ عُمَرَ

حضرت علی بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ مین انکو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن اُنھون نے منظور نہین کیا۔ بیت المقدس گئے۔ تو کاروبار خلافت اُنھی کے ہاتھ مین دیگئے۔ اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی نے حضرت امّ کلثوم کو جو فاطمہ زہرا کے بطن سے تھین اُنکے عقد مین دیدیا چنانچہ اُسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق و عادات

تواضع و سادگی

اُنکے اخلاق و عادات کے بیان مین، مؤرخون نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور درحقیقت، اُنکی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ انکی زندگی کی تصویر کا ایک رُخ یہ ہے، کہ روم و شام پر فوجین بھیج رہے ہین قیصر و کسریٰ کے سفیرون سے معاملہ پیش ہے، خالد و امیر معاویہ سے بازپرس ہے، سعد وقاص، ابوموسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جارہے ہین۔ دوسرا رُخ یہ کہ بدن پر بارہ پیوند کا کُرتہ ہے، سر پر پھٹا سا عمامہ ہے، پانون مین پھٹی جوتیان ہین۔ پھر اس حالت مین یا تو کاندھے پر مشک لئے جارہے ہین کہ بیوہ عورتون کے گھر پانی بھرنا ہے۔ یا مسجد کے گوشے مین فرش خاک پر لیٹے ہین اس لئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہین اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے۔[1]

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہین رہا۔ جہان ٹھیرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ مین پڑ رہے، ابن سعد کی روایت ہے کہ انکا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جسکے کم و بیش ۱۰؍ ہوتے ہین۔ ایک دفعہ احنف بن قیس روسای عر

---

[1] کتاب مذکورہ صفحہ ۲۰۰ باب الزہد۔

سکے ساتھ اُنکے ملنے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہین۔ احنف کو دیکھکر کہا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو، ایک اونٹ مین کتنے غریبون کا حق شامل ہے، ایک شخص نے کہا امیرالمومنین! آپ کیون تکلیف اُٹھاتے ہین کسی غلام کو حکم دیجیے وہ ڈھونڈھ لائیگا۔ فرمایا۔ اَیُّ عَبۡدٍ اَعۡبَدُ مِنِّی یعنی "مجھسے بڑھکر کون غلام ہو سکتا ہے"۔

موطا امام محمد مین روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچکر قضای حاجت کے لئے سواری سے اُترے، اسلم انکا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہوکر آئے تو (بھول کر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہوگئے۔ اُدھر اہل شام استقبال کو آرہے تھے، جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر کی طرف اشارہ کرتا تھا، لوگون کو تعجب ہوتا تھا اور آپس مین (حیرت سے) سرگوشیان کرتے تھے، حضرت عمر نے فرمایا کہ انکی نگاہین شان و شوکت ڈھونڈھ رہی ہین (وہ یہان کہان؟)

ایک دفعہ خطبہ مین کہا کہ صاحبو! ایک زمانے مین مَین اس قدر نادار تھا کہ لوگون کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا وہ اُسکے صلے مین مجھکو چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا،" یہ کہکر ممبر سے اُتر آئے لوگون کو تعجب ہوا کہ یہ ممبر پر کہنے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت مین ذرا غرور آگیا تھا، یہ اُسکی دوا تھی۔

۲۳ھ مین سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اُنکی سطوت و جبروت کا آفتاب، نصف النہار پر آگیا تھا۔ سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گذرے ہین وہ بھی اس سفر مین شریک تھے۔

انکا بیان ہے کہ حضرت عمر جب ابطح مین پہونچے تو سنگریزے سمیٹ کر اُسپر کپڑا ڈال دیا، اور اسکو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کی طرف ہات اُٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہوگئی۔ اور قویٰ کمزور ہوگئے۔ اب مجھکو دنیا سے اُٹھالے[1]۔

زندہ دلی

اگرچہ خلافت کے افکار نے انکو خشک مزاج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ انکی طبعی حالت نہ تھی۔ کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ "اب قرآن پڑھو" محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ، رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی، اُدھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سُنتے رہے، ایک دفعہ سفر حج مین حضرت عثمان، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر وغیرہ ساتھ تھے۔ عبد اللہ بن زبیر اپنے ہم سنون کے ساتھ چُہل کرتے اور حنظل کے دانے اُچھالتے چلتے تھے، حضرت عمر صرف اسقدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائین۔ لوگون نے رباح سے حدی گانے کی فرمایش کی وہ حضرت عمر کے خیال سے رُکے، لیکن جب حضرت عمر نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا، حضرت عمر بھی سُنتے رہے، جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ "بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے[2]"، ایک دفعہ سفر حج مین ایک سوار گاتا جاتا تھا۔ لوگون نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ اسکو منع نہین کرتے، فرمایا کہ "گانا، شتر سوارون کا زادِ راہ ہے[3]"۔ خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ سفر مین، مین حضرت عمر کے ساتھ تھا، ابو عبیدہ اور عبد الرحمن بن عوف

---

[1] موطا امام محمد صفحہ ۳۰۴۔ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۶۔ [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۰۔

بھی ہمرکاب تھے، لوگون نے مجھ سے فرمایش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ، حضرت عمر نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائین، چنانچہ مین نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا[1]۔

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند۔ تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے مین تو وہ قہر مجسم تھے۔ لیکن اسلام کے بعد بھی مدتون تک اسکا اثر نہین گیا۔

غزوہ بدر مین آنحضرت نے فرمایا کہ مجھکو معلوم ہے کہ کافرون نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا، ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے، اس لیئے اگر ابو البختری، یا عباس وغیرہ کہین نظر آئین تو انکو قتل نہ کرنا، ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے، بھائی، سے درگذر نہین کرتے تو بنو ہاشم مین کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباس مجھکو ہات آئینگے تو مین انکو تلوار کا مزہ چکھاؤنگا، آنحضرت کو انکی یہ گستاخی ناگوار گذری، حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابو حفص! (حضرت عمر کی کنیت تھی) دیکھتے ہو! عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمر۔ آپے سے باہر ہوگئے اور کہا اجازت دیجیے کہ مین اسکا سر اڑادون، حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ انکی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت نے ان سے کچھ مواخذہ نہین کیا۔

حاطب بن بلتعہ ایک معزز صحابی تھے، اور غزوہ بدر مین شریک رہے تھے۔ انھون نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے، کفار مکہ سے خفیہ خط وکتابت کی، یہ راز کھل گیا، حضرت عمر برافروختہ ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہوگیا، مجھکو اجازت دیجیے کہ اسکو قتل کردون، آنحضرت نے فرمایا ابن الخطاب! تجھکو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہدیا ہو کہ۔ تم جو

---

[1] ازالۃ الخفا [illegible]

چاہو کرو مین سب مُعاف کر دونگا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت سے گستاخانہ کہا کہ "محمد! عدل اختیار کر"، حضرت عمرؓ غصّے سے بیتاب ہوگئے اور چاہا کہ اُسکو قتل کردین۔ لیکن حضرت نے منع کیا۔ اِن واقعات سے تمکو اندازہ ہوگا کہ کس طرح ہر موقع پر اُنکی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کافر، خود مسلمانون کے ساتھ انکا کیا سلوک تھا، لیکن اسلام کی برکت، اور عمر کے انحطاط، اور خلافت کی مہمات نے اُنکو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور حلیم بنا دیا یہان تک کہ خلافت کے زمانے مین وُہ کافرونکے سات جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہین کرتے۔

آل و اولاد کے ساتھ محبت

اُنکی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہین، قراین سے اِس قدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ اُنکو بالکل شغف نہ تھا جسکی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتون کی جس قدر عزت کرنی چاہیئے نہین کرتے تھے۔ صحیح بخاری باب اللباس مین خود اُنکا قول مذکور ہے کہ "ہم لوگ، زمان جاہلیت مین عورتون کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اُسمین عورتون کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہین۔ تاہم، ہم اُنکو معاملات مین بالکل دخل نہین دیتے تھے"۔ اسی روایت مین ہے کہ ایک دفعہ اُنھون نے اپنی بیوی کو سخت کہا، اُنھون نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اسپر کہا کہ اب تمھارا یہ رتبہ پہنچا۔ وہ بولین کہ تمھاری بیٹی تو رسول اللہ سے دوبدو ایسی باتین کرتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایک بیوی جمیلہ تھین اُنکے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اُنکو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تھا، اور حضرت

عمر قبا سے جہان پہلے رہا کرتے تھے۔ اُٹھکر مدینے مین آگئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جا نکلے۔ عاصم، بچّون کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمر نے اُنکو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لیجانا چاہا۔ عاصم کی مان کو خبر ہوئی، وہ آن کر مزاحم ہوئین کہ میرا لڑکا ہی مین اپنے ساتھ رکھونگی"، جھگڑا طول کھنچا اور وہ حضرت ابوبکر کے ہان فریادی آئین حضرت ابوبکر نے، حضرت عمر کے خلاف فیصلہ کیا اور اِس لئے وہ مجبور رہ گئے" یہ واقعہ موطا امام مالک وغیرہ مین مذکور ہے۔ اِن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتون کے ساتھ انکا سلوک محبت اور رحم کے اُس پایہ پر نہ تھا جیسا اور بزرگون کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی اُنکو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی مین شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھکو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب انکی خدمت مین آیا تو فرمایش کی کہ زید کا مرثیہ کہو، مجھکو تمھارا سا کہنا آتا تو مین خود کہتا"۔

مسکن حضرت عمر نے جیسا کہ ہم پہلے حصّے مین لکھ آئے، مکّہ سے جب ہجرت کی تو عوالی مین آکر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہان کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر مین آرہے۔ یہان جس مکان مین وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل، باب السلام اور باب الرحمہ کے بیچ مین واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیّت کی تھی کہ مکان بیچکر انکا قرض ادا کیا جاے چنانچہ امیر معاویہ نے اُسکو خریدا اور زر قیمت سے

قرض ادا کیا گیا اسلئے یہ مکان مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا[1]۔

وسائل معاش تجارت

جاگیر

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری مین ہے کہ حدیث استیذان کے لاعلمی کا اُنھون نے یہی عذر کیا کہ مین خرید و فروخت مین مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت کی خدمت مین کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہوجاتی تھین۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین لکھا ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ مین پہنچکر ابو بکر و عمر کو جاگیرین عطا کین۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرت نے تمام صحابہ کو جو معرکہ مین شریک تھے تقسیم کردیا۔ حضرت عمر کے حصے مین جو زمین آئی اُسکا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے خیبر کے تمام حصہ دارون کے نام، ایک کتاب مین قلمبند کرادئے تھے، یہود بنی حارثہ سے بھی اُنکو ایک زمین ہات آئی تھی اور اُسکا نام بھی ثمغ[2] تھا لیکن اُنھون نے یہ دونون زمینین خدا کی راہ پر وقف کردین[3]۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف مین مذکور ہے، وقف مین جو شرطین کین یہ تھین، یہ زمین نہ بیچی جائیگی۔ نہ ہبہ کی جائیگی۔ نہ وراثت مین منتقل ہوگی، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقرا۔ ذوی القربیٰ۔ غلام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس بعد اُنھون نے صحابہ کی خدمت مین مصارف ضروری کے لئے درخواست کی، اِسپر حضرت علی کی راے کے موافق اِسقدر تنخواہ مقرر ہوگئی جو معمولی خوراک

---

[1] دیکھو خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفےٰ مطبوعۂ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۹ و حاشیۂ موطا امام محمد صفحہ ۲۷۲۔

[2] خلاصۃ الوفا لفظ ثمغ۔

اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ؁۱۵ھ مین جب تمام لوگون کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابرِ صحابہ کے ساتھ اِنکے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوگئے۔

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اول اول، زراعت بھی کی تھی لیکن اِسطرح کہ کھیت بٹائی پر دیدیتے تھے تخم کبھی خود مہیا کرتے تھے اور کبھی اُسکا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعۃ مین یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے۔

غذا

غذا نہایت سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہون کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہین جاتا تھا۔ عام القحط مین جَو کا التزام کرلیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزین دسترخوان پر ہوتی تھین اور وہ یہ ہوتی تھین گوشت، روغن زیتون۔ دودھ۔ ترکاری۔ سرکہ۔ مہمان یا سُفراء آتے تھے تو کھانے کی اُنکو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہین ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ مین بھی اسکا رواج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی وہی عربی وضع کی ہوتی تھی جس مین تسمہ لگا ہوتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑون مین اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر مین رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کررہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لئے اُنھی کپڑون کو دھوکر سوکھنے کو ڈال دیا تھا۔ خشک ہوگئے تو وہی پہنکر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتون سے یہ نہین خیال کرنا چاہئے کہ وہ رَہبانیت اور تقشُّف کو پسند کرتے تھے

اِس باب مین اُنکی راے کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جسکو اُنھون نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اِس صورت سے اُن سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا اور بالون مین خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوے اور وہ کپڑے اُتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان مُو اور پھٹے پُرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہین۔ آدمی کو نہ پراگندہ مو رہنا چاہیے نہ پٹیان جمانی چاہئین”۔ حاصل یہ کہ وہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرایش کو پسند کرتے تھے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گون، قد نہایت لانبا یہان تک کہ سیکڑون ہزارون آدمیون کے مجمع مین کھڑے ہوتے تھے تو انکا قد سب سے نکلا ہوتا تھا۔ رخسارے کم گوشت۔ گھنی داڑھی۔ مونچھین بڑی بڑی۔ سر کے بال سامنے سے اُڑ گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ مین جو جو باتین نئی ایجاد کین اُنکو مورخین نے یکجا لکھا ہے اور اُنکو اولیات[1] سے تعبیر کرتے ہین۔ چنانچہ ہم انکے حالات کو۔ انھی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہین کہ اول بآخر نسبتے وارد۔

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

(۲) عدالتین قائم کین اور قاضی مقرر کیے۔

(۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

(۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔

(۶) والنٹیرون کی تنخواہین مقرر کین۔

---

[1] اسمین سے اکثر اولیات کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری اور تاریخ طبری مین یکجا مذکور ہین۔ باقی جستہ جستہ موقعون سے یکجا کی گئی ہین۔

(۷) دفترِ مال قائم کیا۔

(۸) پیمائش جاری کی۔

(۹) مردم شماری کرائی۔

(۱۰) نہرین کھدوائین۔

(۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ جیزہ۔ فسطاط۔ موصل۔

(۱۲) ممالکِ مقبوضہ کو صوبون مین تقسیم کیا۔

(۱۳) عُشور یعنی دہ یکی مقرر کی (اسکی تفصیل صیغۂ محاصل مین گذر چکی ہے)

(۱۴) دریائی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصّل مقرر کیے۔

(۱۵) حربی تاجرون کو ملک مین آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

(۱۶) جیلخانہ قائم کیا۔

(۱۷) دُرّہ کا استعمال کیا۔

(۱۸) راتون کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

(۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

(۲۰) جابجا فوجی چھاؤنیان قائم کین۔

(۲۱) گھوڑون کی نسل مین اصیل و مجنّس کی تمیز قائم کی جو اُسوقت تک عرب مین نہ تھی۔

(۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے۔

(۲۳) مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ تک مسافرون کی آرام کے لئے مکانات بنوائے۔

(۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوّن کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔

(۲۵) مختلف شہرون مین مہمان خانے تعمیر کرائے۔

(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہلِ عرب (گو کافر ہون) غلام نہین بنائے جاسکتے۔

(۲۷) مفلوک الحال عیسائیون اور یہودیون کے روزینے مقرر کئے۔

(۲۸) مکاتب قائم کئے۔

(۲۹) معلّمون اور مدرّسون کے مشاہرے مقرر کئے۔

(۳۰) حضرت ابوبکر کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا

(۳۱) **قیاس** کا اصول قائم کیا۔

(۳۲) فرائض مین عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

(۳۳) فجر کی اذان مین الصلوٰۃ خیر من النوم اضافہ کیا چنانچہ موطا امام مالک مین اسکی تفصیل مذکور ہے

(۳۴) نمازِ تراویح۔ جماعت سے قایم کی۔

(۳۵) تینّ طلاقون کو جو ایک ساتھ دیجائین طلاقِ باین قرار دیا۔

(۳۶) شراب کی حد کے لئے اسّی کوڑے مقرر کئے۔

(۳۷) تجارت کے گھوڑون پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیون پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ مین چار تکبیرون پر تمام لوگون کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد مین وعظ کا طریقہ قائم کیا چنانچہ اُنکی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام مین پہلا وعظ تھا۔

(۴۲) اماموں اور موذنون کی تنخواہین مقرر کین۔

(۴۳) مساجد مین راتون کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

(۴۵) غزلیہ اشعار مین، عورتون کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب مین مدتون سے جاری تھا۔

اِنکے سوا اور بہت سی اُنکی اولیات ہین۔ جنکو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہین۔

ازواج و اولاد

حضرت عمر نے جاہلیت و اسلام مین متعدد نکاح کئے، پہلا نکاح عثمان بن مظعون کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعون سابقین صحابہ مین تھے، یعنی اسلام لانیوالون مین انکا چودھوان نمبر تھا۔ سنہ ۲ھ مین وفات پائی اور جناب رسول اللہ کو اُنکی وفات کا اِس قدر صدمہ ہوا کہ آپ اُنکے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے۔ اور بے اختیار روتے جاتے تھے۔ عثمان کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ مین سے تھے۔ زینب مسلمان ہوکر مکہ معظمہ مین مرین، حضرت عبد اللہ اور حضرت حفصہ اِنھی کے بطن سے ہین۔

ازواج

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیۃ المخزومی تھین جو آنحضرت کی زوجۂ مبارک ام سلمہ کی بہن تھین، چونکہ یہ اسلام نہین لائین اور مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہین، اِس لئے صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ۶ھ مین اُنکو طلاق دیدی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول الخزاعی تھین۔ اُنکو ام کلثوم بھی کہتے ہین، یہ بھی اسلام نہین لائین،

اور اسوجہ سے سنہ ٦ھ مین انکو بھی طلاق دیدی- عبد اللہ انھی کے بطن سے ہین-

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے- اور ملیکہ- خزاعۃ کے قبیلہ سے تھین، مدینہ منورہ مین آکر انصار مین قرابت پیدا کی، یعنی سنہ ھ مین عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوۂ بدر مین شریک رہے تھے اُنکی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا- جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا- جب وہ اسلام لائین تو آنحضرت نے بدلکر جمیلہ نام رکھا- لیکن انکو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی-

اخیر عمر مین اُنکو خیال ہوا کہ خاندان نبوّت سے تعلق پیدا کرین جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا- چنانچہ جناب امیر سے، حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی، جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغرسنی کے سبب سے انکار کیا- لیکن جب حضرت عمر نے زیادہ تمنّا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھکو حصولِ شرف مقصود ہے، تو جناب امیر نے منظور فرمایا اور سنہ ١٧ھ مین ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا[1]

---

[1] حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتمد مؤرخون نے بتفصیل لکھا ہے، علامہ طبری نے تاریخ کبیر مین، ابن حبان نے کتاب الثقات مین، ابن قتیبہ نے معارف مین، ابن اثیر نے کامل مین تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمر کی زوجہ تھین- ایک دوسری ام کلثوم بھی انکی زوجہ تھین لیکن ان دونون مین مؤرخون نے صاف تفریق کی ہے، علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گذری ہین اور انسے بڑھکر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہوسکتی ہے، مین وہ خاص عبارتین اس موقع پر نقل کرتا ہون ثقات ابن حبان ذکر خلافت عمر واقعات سنہ ١٧ھ مین ہے ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وھی من فاطمۃ ودخل بھا فی شھر ذی القعدۃ معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر مین ہے وفاطمۃ وزید وامھما ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسد الغابہ فی احوال الصحابہ لابن الاثیر مین جہان حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ انکی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے- اسیطرح طبری نے بھی جا بجا تصریح کی ہے جسکو ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہین- سب سے بڑھکر یہ کہ صحیح بخاری مین ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے جسکا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک دفعہ عورتون کو چادرین تقسیم کین- ایک بچ رہی- اسکی نسبت اُنکو تردد تھا کہ کسکو دیجاے- ایک شخص نے اُن سے مخاطب ہوکر کہا یا امیر المومنین اَعطِ ھذا ابنت رسول اللہ صلعم التی عندک یریدون ام کلثوم- (صحیح بخاری باب الجہاد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۴۰۳) اسمین صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھین خاندانِ نبوّت سے تھین-

حضرت عمرؓ کے اور بیویاں بھی تھین، یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی۔ فکیہہ یمنیہ

عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ، حضرت عمرؓ کی چچیری بہن تھین، اُنکا نکاح پہلے، حضرت ابوبکر کے فرزند عبد اللہ سے ہوا تھا، اور چونکہ عاتکہ نہایت خوبصورت تھین، عبد اللہ اُنکو بہت چاہتے تھے۔ عبد اللہ غزوۂ طائف مین شہید ہوگئے۔ عاتکہ نے اِنکا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے

فَآلَیْتُ لَا تَنفَكُّ عَیْنِی حَزِیْنَةً   عَلَیْكَ وَلَا یَنفَكُّ جِلْدِی أَغْبَرَا

مین نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ   تیرے اوپر غمگین رہیگی، اور بدن خاک آلودہ رہیگا،

حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۲ھ مین اُنسے نکاح کیا۔ دعوتِ ولیمہ مین حضرت علی بھی شریک تھے۔

حضرت عمرؓ کے اولاد کثرت سے ہوئی جن مین سے حضرت حفصہ اس لئے زیادہ ممتاز ہین کہ وہ ازواجِ مطہرات مین داخل ہین۔ انکا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ مین سے تھے۔ خنیس جب غزوۂ اُحد مین شہید ہوئے تو وہ سنہ ۳ھ مین جناب رسول اللہؐ کے عقد مین آئین، اُن سے بہت سی حدیثین مروی ہین، اور بہت سے صحابہ نلے اُن سے حدیثین روایت کی ہین۔ سنہ ۴۵ھ مین ۶۳ برس کی عمر پاکر انتقال کیا۔

اولاد ذکور۔

اولاد ذکور کے یہ نام ہین، عبد اللہ، عُبید اللہ، عاصم۔ ابوشحمہ عبد الرحمن۔ زید۔ مجیر۔ ان مین تین سابق الذکر زیادہ نامور ہین، حضرت عبد اللہ فقہ و حدیث کے بڑے رُکن مانے جاتے ہین

عبد اللہ بن عمرؓ

بخاری و مسلم مین اُنکے مسائل، اور روایتین کثرت سے مذکور ہین، وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ مین اسلام لائے، اور اکثر غزوات مین آنحضرتؐ کے ہمرکاب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین، اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان مین اُنکا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جس سے اُنکے

علم وفضل اور زہد وتقدس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ علم وفضل کے علاوہ حق گوئی مین نہایت بیباک تھے، ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ مین خطبہ پڑھ رہا تھا عین اسی حالت مین اُنھون نے کھڑے ہوکر کہا، یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اسنے خدا کے دوستون کو قتل کیا ہے، چنانچہ اسی کے انتقام مین حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے اُنکو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اسی زخم سے بیمار ہوکر وفات پائی، علامۂ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہ نے اپنا معاملہ حَکم کے ہات مین دیا تو لوگون نے حضرت عبد اللہ سے آکر کہا کہ "تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہین، آپ آمادہ ہوجیئے تو ہم لوگ آپ کے ہات پر بیعت کرلین"۔ اُنھون نے انکار کیا اور کہا کہ مَین مسلمانون کے خون سے خلافت کو خریدنا نہین چاہتا۔

سالم بن عبد اللہ

حضرت عبد اللہ کے بیٹے سالم۔ فقہاے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے اُن سات فقہا مین محسوب ہین جن پر حدیث وفقہ کا مدار تھا اور جنکے فتوے کے بغیر کوئی قاضی۔ فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھہ فقہا کے یہ نام ہین، خارجہ بن زید۔ عروة بن الزبیر۔ سلیمان بن یسار۔ عبید اللہ بن عبد اللہ۔ سعید بن المسیب۔ قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک، حدیث کے دو سلسلے۔ سب سے زیادہ مستند ہین، اور محدثین اس سلسلے کو۔ زنجیر زر کہتے ہین یعنی اول۔ وہ حدیث جسکی روایت کے سلسلے مین امام مالک۔ نافع۔ عبد اللہ بن عمر ہون دوسری وہ حدیث جسکے سلسلے مین زہری۔ سالم اور عبد اللہ بن عمر واقع ہون، امام مالک اور زُہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہین۔ عبد اللہ انکے بیٹے۔ اور سالم پوتے۔ اور نافع غلام تھے۔

حضرت عمرؓ کے دوسرے بیٹے عبید اللہ شجاعت اور پہلوانی مین مشہور ہین۔

تیسرے بیٹے عاصم، نہایت پاکیزہ نفس اور عالم وفاضل تھے۔ ۷۰ھ مین جب اُنھون نے انتقال کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اُنکا مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فَلَيْتَ الْمَنَايَا كُنَّ خَلَّفْنَ عَاصِمًا فَعِشْنَا جَمِيْعًا اَوْ ذَهَبْنَ بِنَا مَعًا

کاش موت۔ عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ساتھ رہتے۔ یا لیجانا تھا تو سب کو لیجاتی

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے۔ اور شعر خوب کہتے تھے، چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ "ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہین جو مقصود نہین ہوتے لیکن عاصم اِس سے مستثنیٰ ہین۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اِنھی کے نواسے تھے۔[1]

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف مین حضرت عمرؓ کے پوتون پر پوتون، اور نواسون کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہین ؁

* * *

---

[1] حضرت عمرؓ کے ازواج واولاد کا حال مین نے اسد الغابۃ۔ کتاب المعارف۔ ابن خلکان، کامل بن الاثیر۔ اور فتح المغیث سے لکھا ہے ۱۲

خاتمہ

لَیسَ لِلّٰہِ بِمُستَنکَرٍ اَن یَّجمَعَ العَالَمَ فِی وَاحِدٍ

خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے؟ کہ تمام عالم ایک فرد مین سما جاے

حضرت عمر کے سوانح اور حالات، تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دنیا مین اور جس قدر بڑے بڑے نامور گذرے ہین، اُنکی مفصل سوانح عمریان پہلے سے موجود ہین، یہ دونو چیزین اب تمھارے سامنے ہین اور تمکو اس بات کے فیصلہ کرنیکا موقع ہے کہ تمام دنیا مین حضرت عمر کا کوئی ہمپایہ گذرا ہے یا نہین؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہین کہ فضائلِ انسانی کی مختلف انواع ہین، اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیرالوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اسکو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف۔ چھوٹی چھوٹی فضیلتین بھی ایک شخص مین مشکل سے جمع ہوتی ہین۔ بہت سے نامور گذرے ہین جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونون کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمر کے حالات اور اُنکی مختلف حیثیتون پر نظر ڈالو، صاف نظر آئیگا

کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے اور نوشیروان بھی، امام ابوحنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی-

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو- دنیا مین جس قدر حکمران گذرے ہین ہر ایک کی حکومت کی تہ مین کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا- یہان تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعتہً فتوحات بھی رُک گئین یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا-

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتون کا سہارا لیکر چلتا تھا- اکبر کے پردے مین ابوالفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے- عباسیہ کی عظمت وشان برامکہ کے دم سے تھی- لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا- خالد کی عجیب وغریب معرکہ آرائیون کو دیکھکر لوگون کو خیال پیدا ہوگیا تھا کہ فتح وظفر کی کلید اِنھی کے ہات مین ہے- لیکن جب حضرت عمرؓ نے اُنکو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہوا کہ کَل مین سے کونسا پُرزہ نکل گیا ہے؟ سعد وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگون کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا، وہ بھی الگ کر دیے گئے اور کسی کے کان پر جون بھی نہ چلی- یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہین کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگون سے کام لیتے تھے اُن مین سے کسی کے پابند نہ تھے، وہ حکومت کی کَل کو اِس طرح چلاتے تھے کہ جس پُرزے کو جہان سے چاہا نکال لیا اور جہان چاہا لگا دیا، مصلحت ہوئی تو کسی پُرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پُرزے طیار کر لئے-

دنیا مین کوئی ایسا حکمران نہین گذرا جسکو ملکی ضرورتون کی وجہ سے، عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیروان کو، زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اُسکا دامن بھی اِس داغ سے پاک نہین۔ بخلاف اِسکے حضرت عمرؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اِس قسم کی ایک نظیر بھی نہین مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک مین پیدا ہوے، وہان مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے۔ اور اس لیے اِن سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہین قائم کرنی پڑتی تھی، قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اِسکے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوے وہ اِن چیزون کے نام سے آشنا نہ تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہین دیکھا تھا اور آغازِ شباب تو اونٹون کے چرانے مین گذرا تھا، اِن حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغۂ عدالت، فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغۂ فوج، کو اِس قدر ترقی دینی اور اُنکے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہوسکتا تھا؟۔

تمام دنیا کی تاریخ مین کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جسکی معاشرت یہ ہو کہ قمیص مین دس دس پیوند لگے ہون، کاندھے پر مشک رکھکر غریب عورتون کے ہان پانی بھر آتا ہو۔ فرشِ خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازارون مین پڑا پھرتا ہو۔ جہان جاتا ہو جریدہ

وتنہا چلا جاتا ہو، اونٹون کے بدن پر اپنے ہات سے تیل ملتا ہو، در و دربار نقیب و چاؤش۔ حشم و خدم، کے نام سے آشنا نہو، اور پھر یہ رعب وداب ہو کہ عرب و عجم اُسکے نام سے لرزتے ہون اور جس طرف رُخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب مین لے کر نکلتے تھے جب اُنکا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے سفر شام مین سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چارون طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش مین آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ مین سے جن لوگون نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل مین بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس۔ زید بن ثابت۔ ابوہریرۃ۔ عبد اللہ بن عمر۔ عبد اللہ بن مسعود انکے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو، صاف مجتہد و مقلد۔ کا فرق نظر آئیگا، زمانہ مابعد مین اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین و ائمہ فن پیدا ہوئے مثلاً امام ابوحنیفہ۔ شافعی۔ بخاری۔ غزالی۔ رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر نے جس باب مین جو کچھ ارشاد کیا اُسپر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا و قدر۔ تعظیم شعائر اللہ۔ حیثیت نبوت۔ احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا۔ احادیث کا درجہ اعتبار۔ خبر احاد کی قابلیت احتجاج۔ احکام خمس و غنیمت۔ یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آرا رہے ہین اور ائمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا ہے لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو۔ حضرت عمر نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق

کا ایک قدم بھی اُس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا اُن کی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیا کے سوا اور کون شخص اُنکا ہمپایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت۔ تواضع و انکسار۔ خاکساری و سادگی۔ راستی و حق پرستی۔ صبر و رضا۔ شکر و توکل۔ یہ اوصاف اُن مین جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا۔ لقمان ابراہیم ادہم۔ ابوبکر شبلی، معروف کرخی مین اس سے بڑھکر پائے جاسکتے تھے؟۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اُسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہین۔ وہ تحریر فرماتے ہین۔

”سینۂ فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصوّر کن کہ درہاے مختلف دارد۔ در ہر درے صاحب کمالے نشستہ، در یک در مثلاً سکندر ذو القرنین بآنہمہ سلیقہ ملک گیری وجہان ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء، و در دیگر نوشیروا ـــ باآن ہمہ رفق ولین و رعیت پروری و

دادگستری (اگرچہ ذکر نوشیروان در مبحث فضائلِ حضرت فاروق سوءِ ادب ست) ودر درِ دیگر امام ابوحنیفہ یا امام مالکے با آن ہمہ قیام بہ علم فتویٰ و احکام ودر درِ دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاء الدین ودر درِ دیگر محدثے بروزنِ ابوہریرة وابن عمر؛ ودر درِ دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار، و مردمان گرداگردِ این خانہ ایستادہ اند و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحبِ فن درخواست می نماید و کامیاب می گردد۔"

۵- جولائی ۱۸۹۸ء

شبلی نعمانی

مقام کشمیر